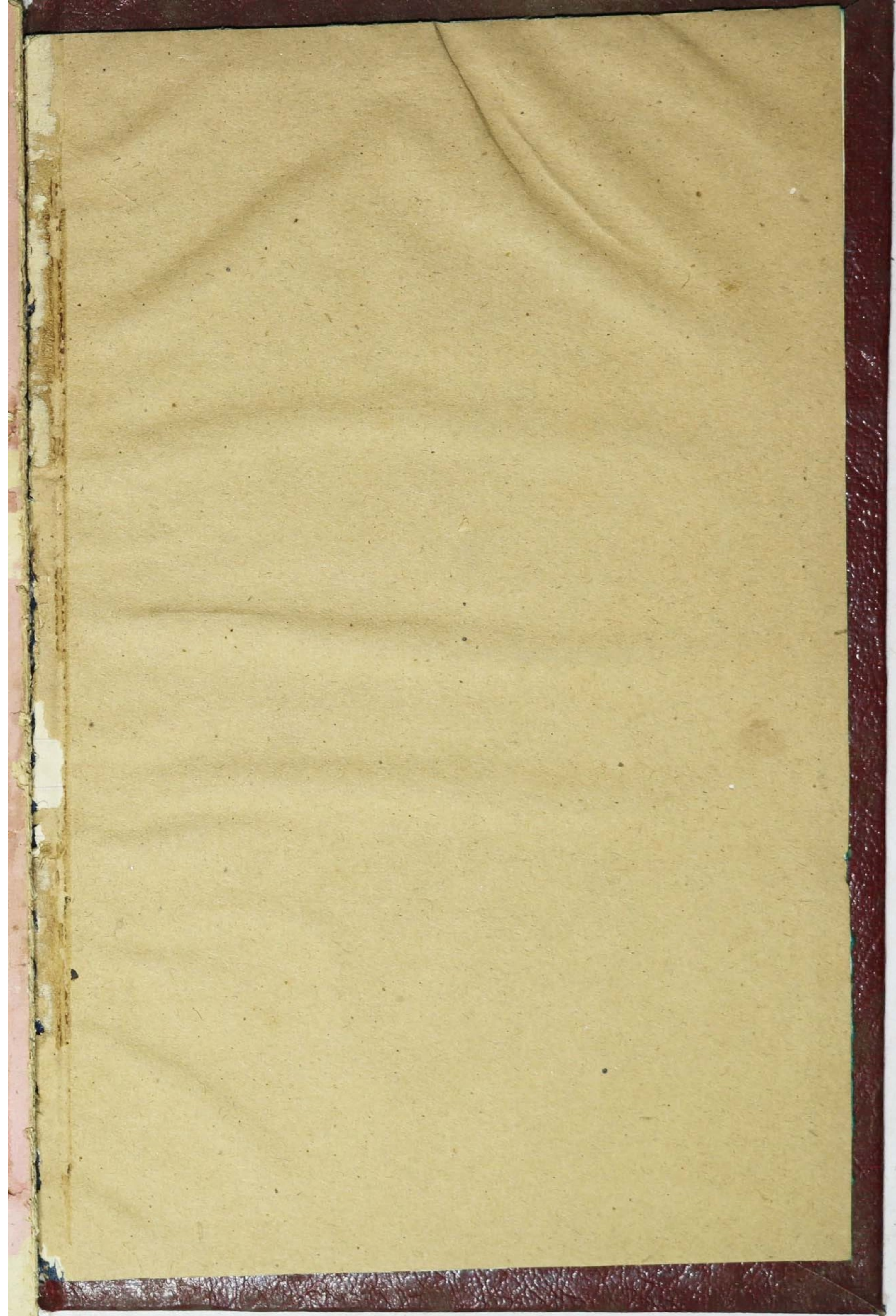




باسمہ سبحانہ

الحمد للہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمّٰی بہ

حضرت ابوبکر

حصہ اوّل

جسمیں ممدوح کے مفصل سوانح حیات کمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنّفہ

جناب مولانا السیّد علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہ

ابن حضرت فخر المحققین سید المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و سیدنا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ

المتوفی ۱۲ شعبان ۱۳۵۲ھ

مطبع اصلاح کھجوہ میں چھپکر شایع ہوئی

۱۳۵۴ھ

قیمت ۱ نسخہ ۸؍، ۲ نسخہ ۱۲؍، ۳ نسخہ ۱؎، ۴ نسخہ ۱؎۔، ۵ نسخہ ۱؎

باسمہ سبحانہ

الحمد للہ

کہ

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمی بہ

حضرت ابوبکر

جس میں

جناب ممدوح کے مفصل سوانح حیات بکمال تحقیق و جامعیت سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہ

ابن

حضرت فخر المحققین سید المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ فی العالمین مولانا و سیدنا آقا السید علی اظہر صاحب قبلہ طاب ثراہ المتوفی

۱۲ شعبان ۱۳۵۴ھ

مطبع اصلاح کھجوا میں چھپکر شایع ہوئی

سنہ ۱۳۵۴ ہجری



اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا رَحْمَۃٍ لِّلْعَالَمِیْنَ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ

حضرت ابوبکر دنیائے اسلام میں ایک مہتم بالشان شخصیت کے بزرگ گزرے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ مسلمانوں کا بڑا حصہ آپکو حضرت رسولخدا صلعم کے بعد سب سے افضل انسان۔ آنحضرت صلعم کا خلیفہ اول اور اپنا پیشوائے اعظم مانتا ہے۔ اور دوسری مختصر مگر اہم جماعۃ آپکو ان باتوں سے کسی صفۃ کا مستحق نہیں سمجھتی بلکہ ممدوح سے ہر قسم کی علحدگی کو اپنا دینی فریضہ جانتی ہے۔ یہ کس قدر حیرت خیز امر ہے کہ ایک خدا۔ ایک رسولؐ۔ ایک قرآن۔ ایک قبلہ۔ ایک اسلام کے ماننے والے جناب ممدوح کے مسئلہ میں پہونچکر اس درجہ مختلف ہو گئے کہ دونوں جماعتیں دو ناموں سے پکاری جانے لگیں۔ دونوں خیال والے دو مذہب کے پیرو سمجھے جانے لگے۔ اور دونوں فرقے ایک دوسرے کو علانیہ باطل اور گمراہ کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اہل اسلام جو حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی تک بالکل ایک تھے آپ کے زمانہ میں دو زبردست بلکہ معاندانہ گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ اور اب قیامت تک ان کے متفق ہونے کی امید نظر نہیں آتی۔

یہ واضح ہے کہ دونوں جماعتوں کی رائے صحیح نہیں کہی جاسکتی ہے۔ یقیناً ایک کی درست اور دوسری کی غلط ہوگی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ماننا ہوگا کہ دونوں فرقوں کے دو راہ اختیار کرنے کی وجہ بھی کچھ معمولی نہیں ہوسکتی بلکہ بہت قوی ہوگی اور کسی طرح اس کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ نہ اُسکے افسوسناک آثار سے مذہبی افراد اپنے کو کبھی محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

اس سبب سے ایسے جلیل القدر بزرگ کے سوانح حیات ضرور بہت دلچسپ۔ مفید۔ سبق آموز اور عبرت خیز ہوں گے۔ آپ کی زندگی کے مفصل حالات دیکھنے سے اسلامی تاریخ کے بہت سے سربستہ راز کا انکشاف ہوگا۔ اس کا فیصلہ ہوسکے گا کہ آنحضرت صلعم کے بعد روح اسلام کی کیا حالت ہوئی یا اسلام کس حد تک اس قابل رہا کہ دوسری قوموں کو اسکی طرف دعوت دیجائے اسکے اس طرۂ امتیاز اور تاج شرف و کمال پر کہ یہ خیر الادیان (سب مذہبوں سے بہتر) ہے کیا اثر پڑا۔ اسکی مقبولیت کی کیا شان باقی رہی۔ اسکی ہر دل عزیزی۔ عام پسندیدگی۔ عظمۃ و جلالۃ کا کیا انجام ہوا۔ اسکے معراج انسانیت ہونے کی خوبی کیسی نمایاں رہ سکی۔ اغراض بنوت و مقاصد بعثت کہاں تک پورے ہوتے رہے۔ جو وقار آں حضرت صلعم کا رحلت کے وقت تھا کہاں تک قائم رہ سکا۔ جن مکارم اخلاق کے پورا کرنے کو حضور دنیا میں تشریف لائے تھے اُن کی صورت بدل گئی یا اپنے حال پر رہی۔ اور اہل دنیا کی اصلاح میں حضرت کو جو کامیابی ہوئی تھی اُس کا کیا حشر ہوا ان سب امور سے مسلمانوں کے بچے بچے تک کو واقف کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

انھیں وجوہ سے اس کتاب کے لکھنے اور شایع کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ مگر بغیر تائید ربانی اور فضل الٰہی اس کا انجام پانا ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر اُسکی مدد شامل رہی تو ممکن بلکہ قوی امید ہے کہ یہ ذخیرہ مذکورہ بالا اغراض کو پورا کرنے کے علاوہ جناب ممدوح کے ظاہری و باطنی حالات کا بہترین آئینہ ثابت ہو۔ اور جناب ممدوح کے واقعات زندگی اس جامعیت۔ اس قدر تحقیق اور ایسی تفصیل سے اس میں مندرج ہوجائیں کہ کسی زبان کی کسی دوسری کتاب میں ایک جگہ نہ مل سکیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ وھو حسبی ونعم المولٰی ونعم النصیر۔

یہ کتاب انشاء اللہ پانچ حصوں پر تقسیم کی جائیگی جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں اور خدا کی تائید سے ہر باب میں جن امور پر بحث کرنے کا ارادہ ہے ان کی مختصر توضیح بھی اس کے ساتھ کردی جاتی ہے تاکہ اسکے مطالعہ کرنے والے اسکے دائرہ مطالب کا اندازہ شروع ہی سے کرسکیں۔

(الف) پہلا حصہ

اُن حالات کے بیان میں جو زمانہ جاہلیت سے متعلق ہیں مثلاً

(۱) نسبی حالت اور عرب میں آپ کے خاندان کی حیثیت

(۲) حالات والدین واجداد واخوات ودیگر اعزہ مخصوصین۔

(۳) خاندانی پیشہ

(۴) خاندانی پیشہ کے نتائج اور اسکے دنیوی ودینی خصوصیات۔

(۵) حالات ولادت

(۶) حلیہ

(۷) نام۔ کنیت۔ القاب۔ اور ان کے وجوہ واسباب۔

(۸) عہد طفولیۃ۔ تعلیم وتربیۃ۔

(۹) ذریعہ معاش۔

(۱۰) حضرت رسولخدا صلعم سے برتاؤ۔ خاندان بنی ہاشم سے تعلقات۔

(۱۱) حضرت عمر سے تعلقات۔

(۱۲) زمانہ جاہلیۃ کے کارنامے۔ اور اُس عہد میں آپ کے مذہب کی تحقیق

(ب) دوسرا حصہ

اسلام لانیکے بعد سے ہجرت تک کے حالات

اس حصہ میں آپ کے وہ حالات لکھے جائینگے جو مسلمان ہونیکے بعد قیام مکہ معظمہ سے متعلق ہونگے مثلاً

(۱) قبول اسلام۔

(۲) اولیتہ اسلام کی بحث۔

(۳) اسلام قبول کرنے کے اسباب وعلل۔

(۴) آپ کے اسلام یا ایمان کی حقیقت۔

(۵) ابتدا اسلام میں آپکا اجتہاد اور اس کا نتیجہ۔

(۶) حضرت رسولخدا صلعم کی مالی اعانت کرنے کی تحقیق۔

(۷) آپ کے دل میں حضرت رسولخدا صلعم اور اسلام کی عزت ومحبت۔

(۸) حضرت عائشہ کی شادی کیوں اور کس طرح کی جب کہ وہ صرف ۶ سال کی تھیں۔

(۹) کیا ۶ سالہ لڑکیونکی شادی ملک عرب کے شریف لوگوں میں ہوتی تھی۔
(۱۰) ہجرت میں آں حضرتؐ اپنے ساتھ ان کو لے گئے یا یہ خود ہی چلے گئے۔
(۱۱) سفر ہجرت کے کارنامے۔
(۱۲) معیت غار اور اسکے کارنامے۔

(ج) تیسرا حصّہ

ہجرت سے وفاۃ رسول صلعم تک کے حالات

اس حصہ میں آپکے مدینہ منورہ کے واقعات اور غزوات کے کارنامے لکھے جائینگے مثلاً

(۱) قیام مدینہ۔
(۲) عقد مواخاۃ اور اسکی مناسبت۔
(۳) غزوات میں آپکے کارہاے نمایاں۔
(۴) جناب سیدہؑ سے شادی کی تمنا اور اس کا نتیجہ۔
(۵) سورہ براءۃ کی تبلیغ سے معزول ہو جانا۔
(۶) حکومۃ عمرو عاص کے ماتحت رکھے جانا۔
(۷) اُسامہ کے ماتحت کئے جانا اور اس سے تخلف کرنا۔
(۸) حضرت رسولخدا صلعم نے کوئی دینی کام آپ کے سپرد کیا یا نہیں۔
(۹) قصہ پیشنمازی کی تحقیقات۔
(۱۰) وفاۃ رسولؐ کے وقت آپکی جاے قیام۔
(۱۱) وفاۃ رسولؐ کے وقت آپکی خدمات رسولؐ۔
(۱۲) اس عہد میں آپ سے اسلام یا مسلمانوں کو کیا نفع پہونچا۔

(د) چوتھا حصّہ

حالات خلافۃ

جس میں آپ کے وہ حالات لکھے جائیں گے جو وفات حضرت رسولخدا صلعم سے آپکی رحلت تک ہوئے مثلاً

(۱) تغسیل و تکفین و تدفین رسولؐ سے علحدگی۔
(۲) لوگوں سے آپ کا پوچھنا کہ رسول کو کتنے کپڑے کا کفن دیا گیا۔
(۳) قصہ خلافۃ۔
(۴) سقیفہ بنی ساعدہ۔
(۵) آپکی خلافۃ کا استحقاق اور اسکی دلیلیں۔
(۶) جناب ممدوح کے قول سے اسکی تحقیق کہ آپ کس غرض سے خلیفہ ہوئے۔
(۷) آپکی خلافۃ سے مسلمانوں پر کیا اثر ہوا۔
(۸) لوگوں سے زبردستی بیعۃ لینی۔
(۹) کن لوگوں نے آپکو خوشی سے خلیفہ تسلیم کیا۔
(۱۰) کن لوگوں کو جبر سے آپکی خلافۃ بکراہۃ ماننی پڑی۔
(۱۱) تارکین بیعۃ سے آپ کا سلوک۔
(۱۲) حدیث ان بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ وقی اللہ شرھا
(۱۳) جناب سیدہؑ کی اذیتیں۔
(۱۴) جناب سیدہؑ کو میراث سے محروم کرنا۔
(۱۵) جناب سیدہؑ کی مرتے وقت تک ان سے ناراضی۔
(۱۶) جناب سیدہؑ کے دعوے ہبہ فدک کو رد کرنا۔
(۱۷) فدک کے انتظام میں آپکا طرز عمل کہاں تک جناب رسولخدا صلعم کی وصیۃ کے مطابق تھا۔
(۱۸) جناب سیدہؑ کے گھر پر آگ لکڑی کی چڑھائی۔
(۱۹) اقالہ بیعۃ۔
(۲۰) آپکا قول کہ مجھ پر ... رہتا ہے۔
(۲۱) آپ کا قول کہ لست خیرکم
(۲۲) آپکا قول کہ لست بخیرکم وعلی فیکم۔
(۲۳) حضرت علیؑ کے ساتھ آپکا برتاؤ
(۲۴) آپ پر حضرت علیؑ کے احسانات۔

(۵) پانچواں حصّہ

وہ حالات جو کسی خاص زمانہ سے نہیں بلکہ ہر زمانہ سے متعلق ہو سکتے ہیں مثلاً

پہلا حصہ

حضرت ابوبکرؓ کے وہ حالات جو ممدوح کے زمانۂ جاہلیت سے متعلق ہیں

پہلی فصل

جناب ممدوح کی نسبی حالت اور عرب میں آپ کے خاندان کی عزت و شرف

ہر شخص کی عزت۔ شرف۔ فخر۔ اور فضیلت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جو اسے اُسکے بزرگوں۔ اولاد اور اعزہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً زید فلاں عالم جلیل کا بیٹا۔ یا اس سردار قوم کا پوتا یا ایسے قابل فخر شخص کا باپ یا بھائی ہے۔ دوسری وہ جو اُس کی ذات کی حاصل کردہ ہوتی ہے مثلاً حامد بہت عادل یا عالم یا قوم کا خادم ہے۔ پہلی صفت کا نام نسبی فضائل اور دوسرے وصف کا نام ذاتی کمالات ہے۔

یہ سچ ہے کہ نسبی عزت و شرف کسی کے اختیار کی چیز نہیں ہوتی۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر ملک ہر زمانہ اور ہر قوم میں اس خوبی کا اعتبار کیا جاتا بلکہ اس کو بہت اہمیت دیجاتی ہے۔ ہندوستان ہی کو لیجیے کوئی شخص برہمن اور راجپوت کے برابر یہاں کی دوسری قوموں کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہاں مرزا یا پٹھان اور جولاہے دھنئے ایک نظر سے نہیں دیکھے جا سکتے۔ عرب میں عربی اور عجمی مساوی نہیں خیال کئے جا سکتے حبشی حجازی کی ہمسری کا دعوےٰ نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ نیچی قوم کا کوئی شخص اپنی بے مثل ذاتی خوبیوں کی وجہ سے بڑھ جائے اور کسی اونچی قوم والے کی ذاتی برائیاں اُس کو نظروں سے گرا دیں مگر اس فرق مراتب کی وجہ صرف اس شخص کے اپنے قابل ملامت افعال سے متعلق ہوگی اور اس کی قومی بلندی یا پستی اپنی حالت پر قائم رہیگی۔ اور اگر وہ شخص اپنی نسبی حالت سے بھی پست ہے اور ذاتی کمالات میں بھی

ناکامیاب سمجھا جاتا ہے پھر تو ہر طرح قابل نفرت ہی رہے گا۔ اس سبب سے جب اور جس زمانہ میں کسی جماعت یا قوم کو آزادی سے اختیار دیا گیا کہ خود اپنی خوشی سے جس کو چاہے اپنا سردار یا حاکم تجویز کرلے تو اُس نے حتی الامکان ایسے شخص کا انتخاب کیا جو نسبی اوصاف کے اعتبار سے بھی سب سے اعلےٰ تھا اور کسی شخص کو اس کے خاندان پر طعنہ زنی یا مضحکہ کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ اسی اصول کے مطابق خدا نے اپنے انبیاء و مرسلین کو بھی ہمیشہ ان لوگوں سے منتخب فرمایا جو اُس زمانہ میں نسل اور نسب کے اعتبار سے بھی بہترین اور معزز ترین افراد سمجھے جاتے تھے تاکہ لوگ اس کو حقیر نہ سمجھیں۔ اس کی بات کو ناقابل التفات نہ جانیں۔ اُس پر مضحکہ نہ کریں اس کے ذاتی عیوب کی وجہ سے اس کی وقعت و منزلت لوگوں کے دلوں سے نہ گر جائے۔ کوئی شخص اس کی اطاعت کو اپنی کسر شان نہ جانے۔ اور اس کی پیروی سے نفرت نہ کرے۔ مختصر یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو نسب کے اعتبار سے پاک و پاکیزہ ہونا اور اس بات سے محفوظ ہونا چاہیئے کہ اُن کے خاندان میں کسی قسم کی حرام کاری کو دخل ہو کیونکہ یہ عیب ہے اور اُن کو ہر عیب سے مبرّا ہونا چاہیئے جس پر کوئی دلیل لانے کی بھی حاجت نہیں۔ بدیہی ہے۔ حضرات اہل سنت کے مشہور علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اس مطلب کو اپنے الفاظ میں اس طرح ادا کیا ہے۔

ثم رأيت الامام ابا الحسن الماوردی اشار الی نحو ما ذکرہ الامام فخر الدین الا انہ لم یصرح کتصریحہ فقال فی کتابہ اعلام النبوۃ لما کان انبیاء اللہ صفوۃ عبادہ وخیرۃ خلقہ لما کلفہم من القیام بحقہ والارشاد لخلقہ استخلصہم من اکرم العناصر واجتباہم بحکم الاوامر فلم یکن لنسبہم من

پھر میں نے امام ابو الحسن ماوردی کو دیکھا کہ تقریباً اسی مضمون کی طرف انھوں نے بھی اشارہ کیا جسکو امام فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے مگر انھوں نے ان کی طرح تصریح سے کام نہیں لیا چنانچہ وہ اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ چونکہ خدا کے انبیاء و مرسلین اسکے بندوں میں سب سے اشرف و اعلےٰ اور اسکی مخلوق میں سب سے زیادہ معزز اور بہتر ہوتے ہیں کیونکہ خدا نے دین حق تبلیغ کرنیکا فرض انھیں کے ذمہ کیا اور اپنی مخلوق کو ہدایت کرنیکی خدمت

قلدح ولمنصبهم من جرح ليكون القلوب اصغى والنفوس لهم اوطاء فيكون الناس الى اجابتهم اسرع ولاوامرهم اطوع وان الله استخلص رسوله صلى الله عليه وآله وسلم من اطيب المناكح وحماه من دنس الفواحش ونقله من اصلاب طاهرة الى ارحام منزهة (مسالک الحنفاء مطبوعہ حیدرآباد ص ۳۹)

انہیں کے سپرد کی ہے اس وجہ سے اس نے ان حضرات کو ہمیشہ سب سے زیادہ شریف اور معزز خاندانوں سے پیدا کیا اور اپنے ضروری احکام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ان کو سب سے برگزیدہ کیا۔ ان وجوہ سے وہ حضرات ہمیشہ ایسے خاندانوں اور قبیلوں سے چنے گئے جنکے نسب میں کسی قسم کی خرابی نہیں تھی اور نہ انکے منصب میں کسیطرح کا عیب نکل سکتا تھا تاکہ آدمیوں کے دل ان کی طرف اچھی طرح مائل ہو سکیں اور انکے نفوس انکی اطاعت کیلئے ہموار ہو سکیں جس کی وجہ سے لوگ ان کی باتیں قبول کرنے پر جلد آمادہ ہوجائیں اور انکے احکام کی تعمیل میں پورے طور پر مطیع و فرمانبردار رہیں اور (اسی وجہ سے) خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کو بھی پاکیزہ ترین خاندان۔ شریف ترین نسب اور حلال نسل میں قرار دیکر آپ کی ولادت کو بالکل خالص رکھا اور حضرت کو ہمیشہ فواحش کے عیب سے بچائے رہا اور پاکیزہ صلبوں سے عفت والے رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا۔

امام فخر الدین رازی نے بھی اپنی متعدد کتابوں میں نسبی خوبیوں اور نسلی پاکیزگی کی ضرورت اور عالی خاندانی کی عقلی و شرعی اہمیت پر بہت زور دیا ہے مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں۔

ان تفضيل بعض الانبياء على بعض يكون لامور منها كثرة المعجزات التي هي دالة على صدقهم وموجبة لتشريفهم وقد حصل في حق نبينا عليه السلام ما يفضل على ثلاثة آلاف وهي بالجملة على اقسام ... ومنها اختصاصه في ذاته بالفضائل نحو كونه اشرف نسباً من اشراف العرب (تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۵۳۴)

بعض نبیوں کا دوسرے نبیوں سے افضل ہونا کئی وجہوں سے ہوتا ہے۔ ایک معجزات کی زیادتی ہے جو انکی سچائی کو بتاتی اور ثابت کرتی ہے کہ خدا نے ان کو بہت بڑا شرف دیا تھا چنانچہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو خدا نے تین ہزار سے زیادہ معجزات مرحمت فرمائے تھے اور یہ سب کئی قسم کے تھے ... منجملہ ان کے حضرت کی ذات کا مخصوص فضائل سے متصف ہونا ہے جیسے حضرت کا کل اشراف عرب سے زیادہ شریف اور معزز ہونا وغیرہ۔

آور علامہ سیوطی لکھتے ہیں :۔

ان الاحادیث الصحیحۃ دلت علے ان کل اصل من اصول النبیؐ من آدم الی ابیہ عبد اللہ فھو خیر اھل قرنہ وافضلھم ولا احد فی قرنہ ذلک خیر منہ ولا افضل (مسالک الحنفاء ص۱۴)

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے نسب کی ہر شاخ حضرت آدم سے حضرت کے پدر بزرگوار جناب عبد اللہ تک ایسی تھی جو اپنے زمانہ میں سب سے بہتر سب سے افضل اور سب سے اشرف تھی اور کسی زمانہ میں کوئی شخص حضرت کے بزرگ سے بہتر یا افضل نہیں تھا۔

مختصر یہ کہ نسب کی خوبی۔ پاکیزگی۔ اور بلندی ایسی ضروری اور پسندیدہ صفت ہے کہ علمار محققیں نے اس کو نبوت کے شرائط میں قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ علی بن برہان الدین حلبی نے لکھا ہے

وقد قال الماوردی فی کتاب اعلام النبوۃ واذا اختبرت حال نسبہ وعرفت طھارۃ مولدہ علمت انہ سلالۃ آباء کرام لیس فیھم مسترذل بل کلھم سادۃ وشرف النسب وطھارۃ المولد من شروط النبوۃ (کتاب سیرۃ حلبیہ مطبوعہ مصر جلد ا ص۴۲)

علامہ ماوردی نے اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب تم حضرت رسولخدا صلعم کے نسب کی تحقیق کروگے اور حضرت کی ولادت کی پاکیزگی کو پہچانوگے تو اس بات کا یقین کرلوگے کہ حضرت شریف اور صحیح النسب بزرگوں کے جوہر تھے جن میں کوئی بات رذالت حقارت نفرت یا عیب کی تھی ہی نہیں بلکہ سب کے سب سردار تھے اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ نسب کا شرف اور ولادت کی پاکیزگی نبوت کے شرطوں سے ہے۔

آور علامہ قسطلانی نے لکھا ہے :۔

وانت اذا اختبرت حال نسبہ الشریف وعلمت طھارۃ مولدہ تیقنت انہ سلالۃ آباء کرام فھو صلے اللہ علیہ وسلم النبی العربی الامی الابطحی الحرمی الھاشمی القرشی نخبتہ بنی ھاشم المختار المنتخب من خیر

جب تم حضرت کے شریف نسب اور پاک وپاکیزہ مولد کی حالت کی تحقیق کروگے تو یقین کرلوگے کہ حضرت اعلی درجہ کے شریف بزرگوں کے جوہر تھے پس حضرت وہ نبی تھے جو عربی۔ امی ابطحی حرمی ہاشمی قریشی تھے۔ بنی ہاشم کے یگانہ اور عرب کے بہترین قبیلوں کے تاج اور نسب میں سب سے

بطون العرب واعرقها فی النسب واشرفها فی الحسب وانضرها عودا واطولها عمودا واطیبها ارومة و اعزها جرثومة (مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۱۳)	اعلیٰ اور حسب میں سب سے اشرف اور اصل میں سب سے افضل اور خاندان میں سب سے بہتر۔ جڑ کی طرف سے بھی سب سے عمدہ اور شاخ کی طرف سے بھی سب سے زیادہ معزز تھے۔

غرض خدا نے اپنے آخری پیغمبر کو بھی نسبی شرف سے اعلیٰ درجہ مرحمت فرمایا اور آپ کی ولادت کو ابتدا حضرت آدم سے آخر وقت تک ہر برائی۔ اعتراض اور عیب سے محفوظ رکھا۔ اس بات کو حضرت نے خود بار بار ارشاد فرما کر اس کی اہمیت پر مہر لگا دی ہے فرماتے ہیں۔

ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی الله فی خیرهما فاخرجت من بین ابوی فلم یصبنی شئ من عهد الجاهلیة وخرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتهیت الی ابی وامی فانا خیرکم نسبا وخیرکم ابا (کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۶ صفحہ ۱۰۱)	خدا نے میرے نور کو پیدا کر کے حضرت آدم کے صلب میں رکھا۔ پھر اس وقت سے آخر وقت تک۔ حضرت آدم کی جو اولاد در اولاد ہوتی گئی اسمیں خدا نے میرا نور اس شخص کے صلب میں قرار دیا جو سب سے بہتر اشرف اور اعلیٰ تھا۔ میں اپنے با عفت باپ ماں سے پیدا ہوا اور زمانۂ جاہلیۃ کی نسبی خرابیوں سے کوئی عیب مجھ میں نہیں ہوسکا میری ولادت حضرت آدم سے اس وقت تک

باقاعدہ نکاح کے ذریعہ سے ہوئی زنا وغیرہ کا کوئی لگاؤ کبھی نہیں ہوا یہاں تک کہ میرا نور میرے باپ اور ماں تک پہونچا۔ غرض میں نسب میں تم سب لوگوں سے بہتر ہوں اور میرے باپ تم سب لوگوں کے آباؤ اجداد سے افضل و اعلیٰ و اشرف تھے۔

ایک اور موقع پر حضرت نے اپنے اس شرف کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلنی فی خیرهم ثم جعلهم فرقتین فجعلنی فی خیرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی	میں عبد اللہ بن عبد المطلب کا بیٹا محمد ہوں خدا نے انسان کو پیدا کیا تو ان میں جو سب سے شریف لوگ تھے انھیں میں میرا نور رکھا۔ پھر خدا نے ان لوگوں کے دو حصے کر دیئے اس وقت بھی میرا نور

خیرھم قبیلۃ ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیتا فانا خیرکم بیتا وخیرکم نفسا (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۶)

سب سے اچھے حصہ میں رکھا پھر ان لوگوں کو کئی قبیلوں میں تقسیم کر دیا جب بھی میرے نور کو بہترین قبیلہ میں رکھا۔ پھر ان کو کئی خاندانوں میں تقسیم کیا اب بھی میرا نور سب سے اعلےٰ واشرف خاندان میں ودیعت فرمایا۔ اس طرح میرا خاندان تم لوگوں کے خاندانوں سے بہتر اور میری ذات بھی تم لوگوں سے بہتر ہے۔

کبھی اس طرح ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

ان اللہ عز وجل اصطفی کنانۃ من ولد اسمعیل واصطفی قریشا من کنانۃ واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۵)

خدائے عز وجل نے اولاد اسمعیلؑ سے کنانہ کو چنا اور کنانہ سے قریش کو چھانٹا اور قریش سے بنی ہاشم کو ممتاز کیا اور مجھے بنی ہاشم سے انتخاب کیا۔

کبھی اس طرح فرماتے تھے۔

ماولدتنی بغی قط منذ خرجت من صلب آدم ولم تزل تنازعنی الامم کابرا عن کابر حتے خرجت من افضل حیین من العرب ھاشم وزھرۃ (صفحہ ۱۰۷)

جب سے میں حضرت آدم کے صلب سے نکلا میری نسل میں کوئی بھی حرام کار عورت نہیں ہوئی اور ہمیشہ مجھے اچھے اور شریف ہی لوگوں میں رہنے کا موقع ملا یہاں تک کہ عرب کے دو سب سے افضل قبیلوں خاندان بنی ہاشم و خاندان بنی زہرہ سے میری ولادت ہوئی۔

کبھی فرماتے تھے:۔

انا انفسکم نسبا وصھرا وحسبا (مواہب لدنیہ جلد ا صفحہ ۱۳)

میں نسب اور رشتہ اور حسب کے اعتبار سے تم سب لوگوں سے زیادہ شریف ہوں۔

یہ بھی فرماتے تھے۔

لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الطیبۃ الی الارحام الطاھرۃ مصفے

خدا نے مجھے ہمیشہ پاک و پاکیزہ صلبوں سے صاف ستھرے اور باعفت رحموں کی طرف

مهذ بالا تنشعب شعبتان الا کنت فی خیرهما (مسالک الحنفاء ص۱۹)

منتقل کرتا رہا اس طرح کہ میں ہمیشہ ہر عیب سے محفوظ اور ہر خوبی سے آراستہ رہا۔ میرے بزرگوں میں جنکی اولاد کئی شاخوں میں منقسم ہوتی ان میں جو بہترین شاخ ہوتی انھیں میں خدا مجھے رکھتا رہا۔

کسی موقع پر اس طرح ارشاد فرمایا ہے:-

خیر العرب مضر وخیر مضر بنو عبد مناف وخیر بنی عبد مناف بنو هاشم وخیر بنی هاشم بنو عبد المطلب والله ما افترق فرقتان منذ خلق الله آدم الا کنت فی خیرهما (ایضاً ص۲۰)

بہترین عرب مضر ہیں اور بہترین مضر خاندان عبد مناف ہے اور خاندان عبد مناف میں بہترین قبیلہ بنی ہاشم ہے اور بنی ہاشم میں بہترین عبد المطلب ہیں۔ خدا کی قسم حضرت آدم کی پیدائش سے اب تک لوگوں کی جب بھی دو قسمیں ہوئیں میں اسی قسم میں رہا جو ان سب میں سب سے اشرف و اعلیٰ تھی۔

کسی وقت اس طرح بیان فرمایا ہے:-

ان الله خلق الخلق فاختار من الخلق بنی آدم واختار من بنی آدم العرب واختار من العرب مضر واختار من مضر قریشا واختار من قریش بنی هاشم واختارنی من بنی هاشم فانا من خیار الی خیار (ایضاً ص۲۰)

اللہ نے دنیا کو پیدا کیا اور سب مخلوق سے افضل بنی آدم کو کیا اور بنی آدم میں سب سے اشرف عرب کو بنایا اور عرب سے خاندان مضر کو چنا اور خاندان مضر سے قریش کو چنا اور قریش سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور مجھے بنی ہاشم سے ممتاز کیا۔ غرض میں ہمیشہ اچھوں سے اچھوں ہی میں رہتا آیا۔

مذکورہ بالا حدیثوں سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ عالی خاندانی اور صحیح النسبی انسان کی ایسی ضروری اور ممدوح صفت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم اس کو تفصیل سے بیان فرماتے تھے اور اپنی اس فضیلت کا بھی اعلان کرتے رہتے تھے۔ خود خداوند عالم بھی نسبی شرف و بزرگی کو قابل فخر جز سمجھتا اور انسان کو اس کی وجہ سے مستحق تہنیت جانتا ہے اسی وجہ سے اس کی درگاہ سے اس کے فرشتے حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت میں آکر کہتے تھے۔

انا البشیر لک انه لیس احد اکرم علی الله منک (کنز العمال جلد ۶ ص۱۰۲)

میں آپ کو خوشخبری اور مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ کے نزدیک آپ سے زیادہ شریف اور معزز نسب کا کوئی شخص نہیں ہے۔

اور حضرت رسول خدا صلعم نے کئی بار فرمایا ہے :۔

قال لی جبرئیل قلبت مشارق الارض ومغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد وقلبت مشارق الارض ومغاربها فلم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم (کنز ص ۱۰۲)

مجھ سے جبرئیل نے بیان کیا کہ یا حضرت میں نے دنیا کے پچھم پورب کو اچھی طرح چھان ڈالا۔ مگر محمدؐ (حضور) سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا اور دنیا کے پچھم پورب کو گویا الٹ پلٹ کر دیکھ لیا مگر کسی خاندان کو بنی ہاشم سے افضل نہیں پایا۔

یہ بھی حضرت ارشاد فرماتے تھے :۔

ومالی لا اضحك وهذا جبرئیل یخبرنی عن الله عز وجل ان الله باهی بی وبعمی العباس وباخی علی ابن ابی طالب سکان الهوا و حملة العرش وارواح النبیین و ملائكة السماوات وباهی بامتی اهل سماء الدنیا (کنز ص ۱۱۳)

میں کیوں نہ (اپنی عزت و شرف پر) خوش ہوں یہ جبرئیل خدا کے ہاں سے آ کر مجھ کو خبر دیتے ہیں کہ خدا میری اور میرے چچا عباس اور میرے بھائی علی ابن ابی طالبؑ کی وجہ سے ساکنان ہوا و حاملان عرش وارواح انبیاء و ملائکہ سماوات پر فخر و مباہات کرتا ہے اور میری امت کی وجہ سے آسمان دنیا والوں پر فخر کرتا ہے۔

علامہ سیوطی نے آنحضرت صلعم کی یہ حدیث بھی لکھی ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله قسم الخلق قسمین فجعلنی فی خیرهما قسما ثم جعل القسمین اثلاثا فجعلنی فی خیرها ثلثا ثم جعل الاثلاث قبائل فجعلنی فی خیرها قبیلة ثم جعل القبائل بیوتا فجعلنی فی خیرها بیتا فذلك قوله تعالے انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا الآیه۔ (خصائص کبریٰ مطبوعہ حیدرآباد جلد ا ص ۳۸)

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا نے پہلے اولاد آدم کو دو حصوں پر تقسیم کیا تو میرے نور کو اس حصے میں رکھا جو بہتر تھا پھر ان دونوں حصوں کو تین تین ٹکڑوں پر تقسیم کیا اور مجھے بہترین ٹکڑے میں رکھا۔ پھر ان ٹکڑوں کو متعدد قبیلوں پر تقسیم کیا اور مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا پھر ان قبیلوں کو بہت سے خاندانوں پر تقسیم کیا اور مجھے بہترین خاندان میں رکھا یہی مطلب ہے خدا کے کلام آیۂ تطہیر کا کہ اے اہلبیت (نبوت) اللہ کا ارادہ یہی رہتا ہے کہ تم سے ہر خرابی اور عیب کو دور رکھے اور تمہیں نہایت درجہ پاک و پاکیزہ بنائے رہے۔

غرض سابق زمانہ سے اس وقت تک جس قدر سمجھدار لوگ گزرے سب نے نسبی بلندی کو انسانی عزت کا جوہر سمجھا اور نسل کی خرابی کو آدمیوں کی پستی وحقارت کی دلیل جانی یہاں صرف دو (ایک پہلے زمانہ کی اور دوسری موجودہ زمانہ کی) دلیلیں اور ذکر کردیجاتی ہیں۔

حضرت رسول خدا صلعم نے سنہ ۶ ہجری کے آخر میں ملک روم کے قیصر ہرقل کو ایک نامہ لکھا اور اپنے معزز صحابی دحیہ کلبی کے ساتھ اُس کے پاس بھیجا۔ ہرقل اس زمانہ میں بیت المقدس میں آیا ہوا تھا۔ خط کھولا تو اپنے ترجمان کو بلایا اور خط کے مضمون سے مطلع ہوکر حکم دیا کہ اگر اس مدعی نبوت کی قوم کا کوئی شخص ہمارے ملک میں موجود ہو تو اُسے ہمارے سامنے پیش کرو اتفاق سے اُن دنوں ابوسفیان اپنے چند ہم وطنوں سمیت ملک شام میں تجارت کو گیا ہوا تھا۔ ہرقل کے آدمیوں نے ان لوگوں کو بیت المقدس لے جاکر ہرقل کے دربار میں پیش کیا ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا ان سے پوچھو کہ جس شخص نے زمین عرب میں نبوت کا دعوے کیا ہے اس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار تم میں کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا میں ہوں۔ پوچھا گیا تمھارا اس سے کیا رشتہ ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں اس کا چچازاد بھائی ہوں ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس شخص کو میرے قریب کردو اور اس کے ساتھیوں کو اسکے پیچھے کھڑا کرکے کہہ دو کہ جو باتیں میں اس سے پوچھا جاؤں اگر یہ ان میں سے کوئی بات غلط بیان کرے تو تم فوراً اس کو روک دینا۔ ابوسفیان کہتا ہے کہ بخدا اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ مجھے جھوٹا کہینگے تو میں اس موقع پر ضرور جھوٹ بولتا لیکن میں اس سے مطمئن نہ تھا۔ لہذا جھوٹ نہ بول سکا۔ الغرض ابوسفیان اور ہرقل میں اس طرح مکالمہ شروع ہوا۔ یہ عبارت صحیح بخاری سے نقل کیجاتی ہے

قل لہ کیف نسب ھذا الرجل فیکم۔ قلت ھو فینا ذو نسب قال فھل قال ھذا القول احد منکم قبلہ قلت لا...	ہرقل:۔ تم لوگوں میں اس مدعی نبوۃ کا حسب نسب کیا ہے؟ ابوسفیان:۔ وہ ہم سب میں شریف النسب ہے۔ اور اس کا حسب نسب ہم سب لوگوں میں معزز و مفتخر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہرقل:۔ اچھا اس سے پیشتر تم میں کسی شخص نے نبوت کا دعوے کیا ہے؟۔ ابوسفیان:۔ نہیں۔

غرض اسی طرح ہرقل نے بہت سے سوالات کئے اور ابوسفیان نے سب کے جوابات دیئے ہیں اس کے بعد ہرقل نے اپنے سوالات کی وجہیں اس طرح بیان کیں۔

قل لہ انی سالتک عن نسبہ فیکم فزعمت انہ ذو نسب وکذالک الرسل تبعث فی نسب قومھا۔ و سالتک ھل قال احد منکم ھذا القول قبلہ فزعمت ان لا فعرفت انہ لم یکن لیدع الکذب علی الناس ویکذب علی اللہ (صحیح بخاری کتاب الجھاد پارہ ۱۱ ص ۹۶ مطبوعہ دہلی)

اے ترجمان ابوسفیان سے کہو کہ میں نے تجھ سے پوچھا کہ اس مدعی رسالت کا حسب نسب کیسا ہے؟ تو نے جواب دیا کہ وہ شریف النسب اور عالی خاندان ہیں۔ اور ٹھیک بات یہی ہے کہ پیغمبر ہمیشہ شریف النسب اور عالی خاندان ہی ہوتے ہیں (تاکہ ان کی پیروی کرنے سے کسی کو ننگ و عار نہ ہو) پھر میں نے دریافت کیا کہ ان بزرگ سے پہلے بھی تم میں سے کوئی شخص مدعی نبوت ہوا ہے تو نے کہا نہیں۔ اس سے اس بات کا پتا لگتا ہے کہ وہ واقعاً نبی ہیں کیونکہ اگر ان سے پیشتر کسی نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہوتا تو سمجھا جاتا کہ یہ بھی اُسی کی تقلید کر رہے ہیں۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے "قیصر نے اہل عرب کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم میں سے اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا میں۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

قیصر:۔ مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟۔

ابوسفیان:۔ شریف ہے۔

قیصر:۔ اس خاندان میں اور کسی نے بھی نبوت کا دعوےٰ کیا تھا؟۔

ابوسفیان:۔ نہیں"

اس کے بعد جب تقریر ختم ہوئی تو لکھا ہے "اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا۔ پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں" (سیرۃ النبی جلد ا ص ۳۴۱)

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کے نامۂ مبارک پر قیصر نے یہ گفتگو کی اور آنحضرت صلعم تک جب اس کی یہ پوری تقریر پہونچی تو حضرت نے اس کی کسی بات کو غلط نہیں فرمایا

نہ تکذیب کی نہ اس میں اصلاح کی ضرورت سمجھی جس سے واضح ہوا کہ آنحضرت صلعم بھی اس بات کو صحیح سمجھتے تھے کہ پیغمبر ہمیشہ صحیح النسب اور عالی خاندان ہوتا ہے۔ اور خود حضرت نے مختلف اوقات میں اس بات کو ارشاد بھی فرمادیا ہے مثلاً علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔

ان رسول اللہ قال اذا اراد اللہ ان یبعث نبیا نظر الی خیر اھل الارض قبیلۃ فیبعث خیرھا رجلا (تفسیر در منثور جلد ۳ ص ۲۹۵)

حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جب خدا کسی نبی کو بھیجنا چاہتا ہے تو زمین میں جو سب سے زیادہ شریف اور معزز قبیلہ ہوتا ہے اس میں نظر کرتا ہے اور پھر اس قبیلہ کے سب سے زیادہ شریف اور معزز شخص کو پیغمبر بنا دیتا ہے۔

اور کیوں نہ ہو کہ وہ اپنے انبیاء کو سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے جیسا کہ اس نے حضرت یعقوب پیغمبر علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ

ان احب عبادی الی الانبیاء (تفسیر در منثور جلد ۴ ص ۳۲)

اے یعقوب میرے بندوں میں مجھے سب سے پیارے اور محبوب بندے انبیا ہیں۔

پھر وہ اپنے پیاروں کو سب سے زیادہ صحیح النسب اور عالی خاندان ہی سے مقرر کرے گا نسبی خوبی اور خاندانی شرف وعزت ایسی مسلّم اور مشہور فضیلت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی سوانحعمری لکھنے والوں نے حضرت کے اس شرف کو بھی خاص اہتمام سے ذکر کیا ہے۔ جس کتاب سیرۃ کو دیکھئے حضرت کا یہ وصف ممتاز عنوان سے لکھا ہوا پائیگا بلکہ بہت سے علماء تو اس شرف کو پیغمبروں اور خصوصاً حضرت رسول خدا صلعم کے لئے اس درجہ ضروری جانتے ہیں کہ اس کے لئے دلیل ذکر کرنے کی حاجت نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ علامہ اہلسنت قاضی عیاض نے لکھا ہے۔

واما شرف نسبہ فمما لا یحتاج الی اقامۃ دلیل علیہ ولا بیان مشکل ولا خفی منہ فانہ نخبۃ بنی ھاشم وسلالۃ قریش وصمیمھا واشرف العرب واعزھم نفرا من

آنحضرت صلعم کے نسب کا شرف اس درجہ مسلم اور یقینی ہے کہ اس پر نہ کوئی دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہے نہ کسی مشکل یا مخفی کے ظاہر کرنے کی حاجت اسلئے کہ حضرت خاندان بنی ہاشم کے سردار۔ قریش کے بالکل صاف جوہر۔ اسکے بے عیب فرد اور تمام عرب میں سب سے

قبل ابیہ و امہ (شفار مطبوعہ ص۱۵ جلد ۱) زیادہ شریف اور معزز تھے باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی جانب سے بھی ـ

اور حضرات اہلحدیث کے مشہور امام ابن تیمیہ صاحب کے مشہور شاگرد علامہ ابن القیم نے لکھا ہے ـ

فصل فی نسبہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو خیر اھل الارض نسبا علی الاطلاق فلنسبہ من الشرف اعلی ذروۃ واعداءہ کانوا یشھدون لہ بذلک ولھذا اشھد لہ عدوہ اذ ذاک ابوسفیان بین یدے ملک الروم فاشرف القوم قومہ واشرف القبائل قبیلتہ واشرف الافخاذ فخذہ (کتاب زاد المعاد مطبوعہ مصر جلد ۱ ص۱۶)

حضرت صلعم کے نسبی شرف کے بیان میں یہ فصل ہے حضرت تمام دنیا کے لوگوں سے باعتبار نسب کے بھی سب سے بہتر اور اشرف تھے کیونکہ حضرت کے نسب کو سب سے اونچی چوٹی کا شرف حاصل تھا اور جو لوگ حضرت کے دشمن تھے وہ بھی اسکی گواہی دیتے تھے ـ اسی وجہ سے اُس وقت حضرت کا جو مشہور دشمن ابوسفیان تھا اس نے بادشاہ روم کے سامنے حضرت کے شریف النسب اور عالی خاندان ہونے کی گواہی دی ـ غرض حضرت کی قوم دنیا بھر میں سب سے زیادہ شریف ہے ـ اور سب سے زیادہ شریف خاندان بھی حضرت ہی کا خاندان ہے ـ اور سب سے زیادہ شریف اور معزز گھر بھی حضرت ہی کا گھر ہے ـ

یورپ کی قوموں میں بھی صحیح النسبی اور عالی خاندانی کا بہت خیال ہے اور شروع سے وہ سب بھی اس کی خوبی کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اس شرف کو خود بھی حاصل کرنے کی برابر کوشش کرتے رہے ہیں چنانچہ حضرت رسولخدا صلعم کے جد اعلیٰ جناب ہاشم کے متعلق مورخین نے تصریح سے لکھا ہے مثلاً علامہ دیار بکری تحریر کرتے ہیں ـ

کان ھاشم افخر قومہ واعلاھم

حضرت ہاشم اپنی قوم میں سب سے زیادہ شریف معزز اور جامع مفاخر تھے ـ

اُس کے بعد لکھا ہے ـ

تفد الیہ قبائل العرب و وفود

عرب کے بڑے بڑے قبیلے اور یہود و نصاریٰ

الاحبار یحملون بناتھم یعرضون علیہ لیتزوج بھن حتی بعث الیہ ھرقل ملک الروم وقال ان لی بنتا لم تلد النساء اجمل منھا ولا ابھی وجھا فاقدم الی حتی ازوجکھا فقد بلغنی جودک وکرمک

کے علمار کے وفود اپنی بیٹیوں کو سوار کر کے جناب ہاشم کے پاس لاتے اور خواہش کرتے کہ حضرت ان سے شادی کرلیں یہاں تک کہ بادشاہ روم ہرقل نے بھی حضرت کے پاس پیغام بھیجا کہ میری ایک بے مثل و نظیر بیٹی ہے جس سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی ہو نہیں سکتی۔ آپ یہاں تشریف لائیں کہ میں اسکی شادی آپ سے کردوں۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ آپ بڑے سخی اور نہایت شریف ہیں۔

مگر حضرت ہاشم ان سب لڑکیوں کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے مورخین نے لکھا ہے۔

وکان ھاشم یابی — جناب ہاشم ان لوگوں کے پیغام کو نامنظور کردیتے تھے۔ (تاریخ خمیس جلد ا ص۱۷۸)

یہ واقعہ کسی طرح خلاف عقل نہیں مانا گیا بلکہ اب تک تحقیق کرنے والے علمار اس کو تسلیم کرتے ہیں مثلاً "شمس العلما، مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے بھی لکھا ہے" ہاشم کو فیاضی اور سپہر چشمی کے علاوہ ذاتی وجاہت اور تمکنت و وقار بہت کچھ حاصل تھا اور قدرت نے اس کے جسمانی ساخت میں بھی ایک خاص طرح کا اعتدال ودلیعت رکھا تھا یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے عمائد اور وفود اجبار اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دینے کی غرض سے پیش کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہ روم نے ایک مرتبہ ہاشم کے پاس بایں مضمون پیغام بھیجا کہ میری ایک لڑکی ہے نہایت حسین اور جبین ہونے کے علاوہ لطیفہ گو بذلہ سنج۔ اگر تم یہاں آجاؤ تو میں تمھارے ساتھ اس کی شادی کردوں کیونکہ تمھارے مکارم اخلاق۔ اور جود وسخا کا شہرہ سنا ہے۔ ہاشم نے صاف لفظوں میں انکار کردیا اور روم کے بادشاہ کے پیام کی مطلق پروا نہیں کی" (امہات الامہ مطبوعہ دہلی ص۳۷)

اس زمانہ میں بھی عالی نسبی انسان کے فضائل کا ضروری اور بہت اہم جزو سمجھی جاتی ہے اور ہر ملک میں آدمیوں کی عزت کا جوہر یہ بھی ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلعم کے مخالفین حضرت کو اس شرف سے محروم ثابت کرنے کی کوشش برابر کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ کوئی ناقابل اعتنار صفت ہوتی اور انسانی عزت کا مدار صرف اسکے ذاتی فضائل پر ہوتا تو اس ترقی یافتہ زمانہ کی قومیں اور ان کے بھی خصوصاً اہل علم اس کی طرف توجہ تک

نہیں کرتے کیونکہ پھر ان کو اس سے کیا غرض ہوتی کہ آنحضرت صلعم عالی نسب تھے یا پست خاندان کے۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ مورخین یورپ جس طرح آنحضرت صلعم میں ذاتی عیوب نکالنے کی فکر میں رہتے ہیں حضرت کے نسبی شرف و فخر سے انکار کرنے کی جدّ و جہد بھی انتہا درجہ تک کئے جاتے ہیں۔ جناب شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی لکھتے ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان "اباً عن جدٍّ" معزز اور ممتاز چلا آتا تھا۔ تاریخ عرب کا ایک ایک حرف اس واقعہ کا شاہد ہے لیکن مارگولس نے نہایت کوشش کی ہے کہ آنحضرت ص کے خاندان کو مبتذل ثابت کیا جائے۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں "یہ بالکل ظاہر ہے کہ محمد ایک غریب اور ادنے خاندان سے تھے"۔ اس کے بعد صاحب موصوف نے حسب ذیل استدلال پیش کئے ہیں "(۱) قرآن مجید میں ہے کہ قریش کو حیرت تھی کہ ان میں ایسا پیغمبر کیوں نہ بھیجا گیا جو شریف خاندان سے ہوتا۔ (۲) پیغمبر کے عروج کے زمانہ میں قریش نے آنحضرت صلعم کو اس درخت سے تشبیہ دی جو گھورے پر جمتا ہے۔ (۳) رسول اللہ کو جب ایک شخص نے مولا کے لفظ سے خطاب کیا تو آپ نے اس لقب سے انکار کیا (۴) فتح مکہ کے دن آپ نے فرمایا کہ آج شرفائے کفار کا خاتمہ ہو گیا"۔ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علےٰ رجل من القریتین عظیم۔ یعنی کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی رئیس پر کیوں نہ اترا۔ عظیم اور شریف دو الگ لفظ ہیں۔ قرآن میں عظیم کا لفظ ہے۔ اہل عرب دولتمند و اقتدار والے کو عظیم کہتے تھے۔ ان کو آنحضرت صلعم کی شرافت سے نہیں بلکہ جاہ و دولت سے انکار تھا۔ دوسرا استدلال اگر صحیح ہو تو دشمن کی ہر بات کو صحیح ماننا چاہیئے۔ کفار نے تو آنحضرت ص کو دیوانہ۔ جادو زدہ۔ شاعر۔ سب کچھ کہا۔ ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ بے شبہ آنحضرت ص نے مولے اور سید کے لفظ سے انکار کیا۔ لیکن متعدد حدیثوں میں صاف تصریح ہے کہ آپ نے فرمایا مجھ کو سید اور مولےٰ نہ کہو۔ مولا اور سید خدا ہے۔ قرآن میں ہر جگہ خدا ہی کو مولا کہا ہے۔ اس سے آنحضرت صلعم کی خاندانی شرافت کا ابطال کیونکر ہوتا ہے؟ اخیر استدلال بھی حیرت انگیز ہے۔ اس سے آنحضرت صلعم کی کم نسبی کیونکر ثابت ہوتی ہے؟ (شرفائے مکہ سے یہاں مراد جبارین و منکرین مکہ ہیں) مارگولس صاحب

نے یہ دلائل نولدیک سے نقل کئے ہیں جو مشہور جرمنی مستشرق ہے ع ایں خانہ تمام آفتاب ست" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۰)

ان تمام بیانوں سے واضح ہوا کہ عالی نسبی انسان کی ممدوح صفت ہے اور جو شخص اس سے محروم ہوتا ہے اس سے عموماً طبیعتیں نفرت کرتی ہیں اسی وجہ سے خدا نے کل انبیاء و مرسلین کو عالی نسب پیدا کیا اور خصوصاً حضرت رسولخدا صلعم کو تو بہترین خاندان سے قرار دیا۔ علامہ سیوطی کی ایک اور عبارت ملاحظہ ہو۔

ان رسول اللہ صلعم قال لما خلق اللہ آدم اراہ بنیہ فجعل یری فضائل بعضھم علی بعض فرائ نورا ساطعا فی اسفلھم فقال یارب من ھذا۔ قال ھذا ابنک احمد وھو اول وھو آخر وھو اول شافع۔ قال ابونعیم وجہ الدلالۃ علی نبوتہ من ھذہ الفضیلۃ ان النبوۃ ملک وسیاسۃ عامۃ والملک فی ذوی الاحساب والاخطار من الناس لان ذلک ادعی الی انقیاد الرعیۃ لہ واسرع الی طاعتہ ولذلک سأل ھرقل اباسفیان کیف نسبہ فیکم قال ھوفینا ذونسب قال ھرقل و کذلک الرسل تبعث فی نسب قومھا (خصائص کبرے مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ صفحہ ۱۳۹)

حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ خدا نے جب جناب آدم کو پیدا کیا تو آپ کی اولاد سے جو پیدا ہونے والے تھے ان سب کو انھیں دکھایا۔ جناب آدم نے دیکھا کہ کوئی کسی سے افضل ہے اور کسی کے فضائل کسی سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ان سب کے نیچے ایک چمکتا ہوا نور دیکھا۔ پوچھا اے خدا یہ کس کا نور ہے۔ خدا نے کہا یہ تمھارے فرزند احمد ہیں۔ یہی اول یہی آخر اور یہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں۔ ابونعیم نے کہا کہ اس فضیلت سے آنحضرت صلعم کی نبوت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ نبوۃ ایک حکومت اور عام سیاست ہے اور حکومت انھیں لوگوں میں مناسب ہوتی ہے جو عالی نسب اور شریف خاندان کے ہوں کیونکہ اسی صفت کی وجہ سے لوگ اس کی اطاعت جلد کرینگے اور رعایا ان کی فرمانبرداری کو آسانی سے قبول کرے گی۔ اسی سبب سے (بادشاہ روم) ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ اس نبی کا نسب کیسا ہے اور ابوسفیان نے جواب دیا کہ وہ ہم میں بڑے اچھے نسب اور عالی خاندان کے ہیں۔ ہرقل نے کہا ہاں اسی طرح کل انبیاء و مرسلین عالی نسب ہوا کئے ہیں۔

اب دیکھنا چاہئیے

کہ ہمارے ہیرو (حضرت ابوبکر) جنکو اکثر مسلمان آنحضرت صلعم کا خلیفۂ اول مانتے ہیں اس صفت میں کس حد تک آنحضرت صلعم کے حقیقی جانشین کہے جاسکتے ہیں۔ اور دونوں بزرگوں کے اس شرف میں کتنی نسبت ہے۔
پہلے حضرت کا شجرہ ملاحظہ ہو:۔

عدنان
معد
مضر
الیاس
مدرکہ
خزیمہ
کنانہ
نضر
مالک
فہر
غالب
لوی
کعب
مرہ

تیم	کلاب
سعد	قصی
کعب	عبدمناف
عامر	ہاشم
ابوقحافہ	عبدالمطلب
حضرت ابوبکر	

عبدالمطلب

ابوطالب	عبداللہ
حضرت علی	حضرت رسول خدا

(رسالہ النجف مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۹ تا ۲۰)

تحقیق قریش

حضرت ابوبکر کی سوانح عمری میں اس امر کی تحقیق کہ قریش سے عرب کی کون جماعت مراد ہے بہت ضروری، اہم اور نتیجہ خیز ہے محققین علم انساب اور مورخین ملک عرب نے اسمیں شدید اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ صرف جناب قصی کی اولاد اور نسل قریش ہے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ انکے بزرگ فہر کی پوری نسل قریش ہے۔

اس اختلاف کا اثر یہ ہوگا کہ اگر صرف جناب قصی کی اولاد قریش قرار پائیگی تو ان کے بھائیوں یا بزرگوں کی اولاد قریش سے خارج سمجھی جائیگی۔ اور اگر فہر کی اولاد قریش سمجھی جائیگی تو اسکی نسل کے سب لوگ قریش تسلیم کئے جائینگے

اُن کا قول جو کہتے ہیں کہ قریش صرف قصی کی اولاد ہیں

پہلی جماعت میں بہت بڑے بڑے مورخین و محققین علم انساب ہیں۔ سب کی عبارتیں نقل کرنے میں طول ہوگا چند اقوال ذکر کئے جاتے ہیں۔

علامہ ابن عبدربہ نے جو بہت قدیم نسب داں۔ ادیب اور مورخ گزرا ہے لکھا ہے۔

فجمعهم قصی بن کلاب فسموا قریشا والتقریش التجمیع وسمی قصی بن کلاب مجمعا فقال فیہ الشاعر۔

قصی ابوکم من یسمی مجمعا ۔ بہ جمع اللّٰہ القبائل من فہر

(عقد فرید جلد ۲ صـ ۳۵)

عربوں کو قصی بن کلاب نے جمع کیا۔ اس وجہ سے وہ سب قریش کہے گئے۔ تقریش کا معنے اچھی طرح جمع کرنا ہے۔ اور قصی کو خوب جمع کرنے والا کہتے تھے انھیں کے بارے میں شاعر نے کہا ہے کہ تمہارے باپ قصی کو لوگ جمع کرنے والا کہتے تھے کیونکہ انھیں کے ذریعہ سے اللہ نے فہر کے قبیلوں کو جمع کیا۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول ان ہی کو ملا۔ چنانچہ علامہ ابن عبدربہ نے عقد الفرید میں بھی لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لئے ان کو قریش کہتے ہیں کیونکہ تقریش کے معنے جمع کرنے کے ہیں۔ اسی بنا پر انکو مجمّع بھی کہتے تھے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

قصیٌ ابوکم من یسمی مجمعا ٭ بہ جمع اللّٰہ القبائل من فہر

قصی بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اول مطبوعہ لیڈن سنہ ۱۳۲۲ھ صفحہ ۳۶ سے لیکر ۴۲ تک ہے۔ قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنے جمع کرنے کے ہیں۔ قصی نے لوگوں کو

ایک رشتہ میں منسلک کیا۔ اس لئے قریش کہلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔ چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے اس لئے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی، عام خیال یہ ہے کہ قریش قصی یا کسی اور خاص شخص کا نام ہے لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے جس طرح قبائل عرب جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے" (سیرۃ النبیؐ مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ جلد ا صـ۱۱۹)

کل مورخین کی تحقیقات ذکر کی جائیں تو کئی صفحے بھر جائیں اس وجہ سے ہم سب کو چھوڑتے ہیں۔ البتہ اسلامی مورخین میں دو مورخ سب سے زیادہ معتبر مانے جاتے ہیں۔ ایک علامہ ابن اثیر جزری۔ دوسرے علامہ طبری بس انھیں دونوں کا قول ملاحظہ ہو:۔

علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے:۔

قیل لما جمعهم قصی قیل لهم قریش والتقرش التجمع وقیل لما ملك قصی الحرم وفعل افعالا جمیلة قیل له القرشی وهو اول من سمی به وهو من الاجتماع ایضا ای لاجتماع خصال الخیر فیه (تاریخ کامل جلد ۲ صـ۸)

لوگوں کا بیان ہے کہ جب عرب کو قصی نے جمع کیا تب ان لوگوں کو قریش کہنے لگے۔ تقرش کا معنے جمع ہونا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کا قول ہے کہ جب قصی حرم کے سردار ہوئے اور بہت اچھے اچھے کام کئے تو لوگ ان کو قرشی کہنے لگے اور پہلی مرتبہ یہ نام انھیں قصی کا رکھا گیا اور یہ لفظ اجتماع سے بھی نکلا ہے یعنی قصی میں اچھی صفتیں جمع تھیں اس سے ان کو قریش کہنے لگے۔

اور مورخ جلیل الشان علامہ طبری نے لکھا ہے۔

ان عبد الملك بن مروان سأل محمد بن جبیر متی سمیت قریش قریشا قال حین اجتمعت الی الحرم من تفرقها فذلك التجمع التقرش فقال عبد الملك ماسمعت هذا ولكن سمعت ان قصیا كان یقال له القرشی ولم تسم قریش قبله۔

خاندان بنو امیہ کے مشہور خلیفہ عبد الملک بن مروان نے محمد بن جبیر سے پوچھا کہ قریش کا یہ نام کب سے پڑا اس نے کہا جب سے یہ لوگ الگ الگ رہنے کے بعد حرم میں اکٹھے ہو گئے۔ کیونکہ تقرش کا معنے تجمع ہے۔ اس جواب پر خلیفہ عبد الملک نے کہا میں نے تو آج تک یہ نہیں سنا بلکہ یہ سنتا آتا ہوں کہ قصی کو قرشی کہتے تھے اور اُن کے پہلے کسی کا نام قریش ہوا ہی نہیں۔

اسکے بعد ہی یہ روایت بھی لکھی ہے:۔

لما نزل قصی الحرم و غلب علیه فعل افعالا جمیلة فقیل له القرشی فهو اول من سمی به (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۸۵)	جب قصی حرم (مکہ معظمہ) میں آکر مقیم ہوئے اور اس پر غالب آئے اور وہاں بڑے اچھے اچھے کام کئے تو سب لوگ ان کو قرشی کہنے لگے لہٰذا وہی

پہلے شخص ہیں جو اس نام سے پکارے گئے۔

قرآن مجید کے مفسرین نے بھی ان روایتوں کو لکھا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی کی تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۹۶ میں مذکور بالا روایتیں موجود ہیں خود صحیح بخاری کی سب سے زیادہ مقبول اور معتبر شرح فتح الباری میں بھی عبدالملک کے انکار والی روایة موجود ہے [۱] جس سے یقین ہو جاتا ہے کہ خلیفہ عبدالملک کا یہ قول صحیح ہے اور اس میں کسی طرح کچھ شک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ علامہ ابن حجر اسلام میں بہت بڑے محدث گزرے ہیں۔ وہ علم حدیث کے بہت بڑے امام محقق اور مصنف تھے۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے ان کے بارے میں لکھا ہے "حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۷۸) پس ان روایتوں میں عبدالملک کا سوال محمد بن جبیر کا جواب پھر عبدالملک کا کہنا کہ قصی کے پہلے کسی شخص کا نام قریش ہوا ہی نہیں۔ بہت فیصلہ کن ہے۔ اس لئے کہ یہ خلفاء بنی امیہ کا بہت معزز۔ زبردست اور حالات عرب سے پورا واقف خلیفہ گزرا ہے۔ یزید ۶۴ھ میں مرا تو مروان چند دنوں کے لئے خلیفہ ہوا اسکے مرنے پر اس کا بیٹا یہی عبدالملک دنیائے اسلام کا بادشاہ ہوا اس نے ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک سلطنت کی اور دنیا کے بہت کامیاب بادشاہوں میں گزرا۔ جب وہ خود کہتا ہے کہ قصی کے پہلے کوئی شخص قریش نہیں کہا جاتا تھا تو اب کسی مورخ یا محدث کے قول کا کیا وزن رہتا ہے؟ [۲] درصورتیکہ وہ مورخین و محدثین بہت بعد پیدا ہوئے۔

---

[۱] فتح الباری مع صحیح بخاری پارہ ۱۴ صفحہ ۳۰۲ مطبوعہ دہلی

[۲] اس اختلاف کا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر صرف جناب قصی کی اولاد قریش قرار پاتی ہے تو حضرت ابوبکر قریش سے خارج ہو جاتے اور بہت بڑے شرف سے محروم ہوتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے

قریش صلاح الناس ولا یصلح الناس الا بهم (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۹۶)	لوگوں کی خوبی اور بھلائی قریش ہیں۔ بغیر قریش کے لوگ درست رہ ہی نہیں سکتے ہیں۔
الناس تبع لقریش فی الخیر والشر۔	اچھائی اور برائی میں سب لوگ قریش کے پیرو ہیں۔
اعطیت قریش مالم یعط الناس	قریش کو وہ فضیلتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰ پر ملاحظہ ہو)

اُن کا قول جو کہتے ہیں کہ قریش فہر کی اولاد ہیں

بعض مورخین و محدثین ایسے بھی ہیں جو قریش کو جناب قصی کی اولاد میں منحصر نہیں سمجھتے بلکہ فہر کی اولاد کو بھی قریش کہتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹)

فضل اللہ قریشا بسبع خصال لم یعطها احد قبلهم ولا یعطاها احد بعدهم (" ")	خدا نے قریش کو سات باتوں کی وجہ سے سب پر فضیلت دی ہے وہ باتیں ایسی ہیں کہ کسی اور کو نہ اب تک ملیں اور نہ آیندہ ملینگی۔
من یرد هوان قریش اهانه اللہ۔	جو شخص قریش کی ذلت چاہیگا اُسی کو اللہ ذلیل کریگا
قریش علی مقدمة الناس یوم القیامة۔	بروز قیامة قریش سب لوگوں سے آگے آگے رہینگے
قریش خالصة اللہ تعالیٰ۔	قریش اللہ کے خالص اور پسند کیئے ہوئے ہیں۔
قریش اهل اللہ۔ قریش اهل اللہ۔ قریش اهل اللہ فاذ اخالفتها قبیلة من العرب صار واحزب ابلیس۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۰۰)	قریش اللہ کے اہل ہیں۔ قریش اللہ کے اہل ہیں قریش اللہ کے اہل ہیں۔ جب عرب کا کوئی قبیلا انکی مخالفت کریگا تو شیطان کا گروہ ہوجائیگا۔

دوسرا بہت زبردست اثر جناب ممدوح کی خلافة پر ہوتا ہے کیونکہ حضرات اہلسنت کے اعتقاد اور بیان کے مطابق حضرت رسولخدا صلعم نے بار بار فرمایا تھا کہ میری خلافة یا مسلمانوں کی حکومت صرف قریش میں رہیگی۔ جس کا مطلب صاف ہے کہ جو شخص قریش سے نہ ہو وہ میرا خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا کوئی شخص میری جگہ ہوجائے تو لوگوں کو اسے واقعاً میرا خلیفہ نہیں ماننا چاہئیے اسکے متعلق چند حدیثیں ملاحظہ ہوں

قریش ولاة هذا الامر	میری خلافة یا اس حکومت کے اہل صرف قریش ہیں۔
اما بعد یا معشر قریش فانکم اهل هذا الامر مالم تعصوا اللہ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۶۸)	اے قریش والو۔ اس خلافة کے مستحق تم ہی لوگ ہو جبتک تم اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم کے خلفاء میں دو شرطیں ضروری تھیں ایک قریشی ہونا دوسرے معصوم ہونا پس جو قریشی ہوں مگر معصوم نہ ہوں وہ آنحضرت کے خلیفہ نہیں ہوسکتے۔

ان هذا الامر فی قریش لا یعادیهم احد الا اکبه اللہ تعالیٰ علی وجهه ما اقاموا الدین۔	اس امة (اسلام) کی حکومت و امامت قریش ہی میں رہیگی۔ جو شخص ان کو دشمن رکھیگا۔ اللہ اسکو منہ کے بل (جہنم میں) جھونکیگا۔ یہ صفت ان میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱ پر ملاحظہ ہو)

اس صورت میں حضرت ابوبکر کا شمار بھی قریش میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ آپ کے بزرگ تیم فہر کی اولاد میں ہیں۔ علم انساب و تاریخ کی ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش ہونے پر بھی حضرت ابوبکر حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰)
اس وقت تک رہیگی جب تک یہ دین کو قائم رکھیں گے۔

یکون من بعدی اثنا عشر امیرا کلھم من قریش۔	میرے بعد مسلمانوں کے دینی و دنیوی حاکم بارہ بزرگ ہونگے جو سب قریش ہی سے ہونگے۔
الامراء من قریش الامراء من قریش الامراء من قریش۔	مسلمانو! سُن لو کہ تمہارے دینی و دنیوی حاکم قریش ہی سے ہوں گے۔ تمہارے امام
تمہارے پیشوا قریش ہی سے ہوں گے۔	
الائمۃ من قریش۔	امام سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔
لا یزال علی الناس وال من قریش۔	لوگوں پر قریش سے کوئی نہ کوئی امام ہمیشہ موجود رہیگا۔
لا تزال ھذہ الامۃ مستقیما امرھا ظاھرۃ علی عدوھا حتی یمضی منھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش ثم یکون المرج والھرج۔	اس امۃ (اسلام) کا دین اُس وقت تک درست رہیگا اور یہ اُس وقت تک اپنے دشمنوں پر غالب رہیگی جب تک اسمیں بارہ خلیفہ ہوتے رہینگے جو سب قریش سے ہونگے۔ اسکے بعد فتنہ و فساد پھیل جائیگا
لا یزال امر امتی صالحا حتی یمضی منھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش۔	میری امت کا دین اُس وقت تک درست رہیگا جب تک اسمیں میرے بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے
جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔	
لا یزال ھذا الدین عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش۔	یہ دین اُس وقت تک غالب اور مستحکم رہیگا جب تک اس میں میرے بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو
سب کے سب قریش سے ہوں گے۔	
لا یزال امر ھذہ الامۃ ظاھرا حتی یقوم اثنا عشر کلھم من قریش۔	اس امۃ کا دین اُس وقت تک غالب رہیگا جب تک اس میں بارہ بزرگ قائم رہیں گے۔ جو
سب قریش سے ہوں گے۔	

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ ہو)

رسولخدا صلعم کے خاندان سے بہت دور پڑتے ہیں یعنی مرہ میں دونوں بزرگ ملتے ہیں۔ اس طرح کہ مرہ کے ایک بیٹے کلاب کی اولاد میں حضرت رسولخدا صلعم تھے اور مرہ کے دوسرے بیٹے تیم کی اولاد

(بقیہ حاشیہ صدا۲)

لایزال الدین قائماً حتے یقوم الساعۃ اویکون اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش	ہمیشہ یہ دین اسلام قائم رہے گا جب تک اسمیں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب قریش

سے ہوں گے یا قیامۃ آجائے (کہ اس وقت ختم ہوگا)

یکون من بعدی اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش۔	میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے جو سب قریش ہی سے ہوں گے۔
لن یزال ھذا الدین قائماً الی اثنی عشر من قریش فاذا ھلکوا ماجت الارض باھلھا	یہ دین اُس وقت تک قائم رہے گا جب تک اسمیں بارہ حضرات رہینگے جو سب قریش سے ہونگے

جب وہ بارہ حضرات ختم ہوجائیں گے تو زمین اور اسکے سب باشندے تہ وبالا ہوجائیں گے۔

ھذا الامر الی قریش۔	یہ خلافۃ وامامۃ قریش ہی میں رہے گی۔
قال رسول اللہ لقریش ان ھذا الامر لایزال فیکم وانتم ولاتہ مالم تحدثوا امورا تذھب بہ منکم۔	آنحضرت صلعم نے قریش سے فرمایا کہ یہ امر خلافۃ ہمیشہ تم لوگوں ہی میں قائم رہیگا اور تم ہی اسکے مستحق رہو گے۔ جب تک ایسی باتیں نہ کرو گے

جن کی وجہ سے یہ شرف تم سے جاتا رہے گا۔

(مذکورہ بالا حدیثیں کنز العمال جلد ۶ صـ ۱۹۸ تا ۲۰۲ وجلد ۷ صـ ۱۳۸ تا ۱۴۰ صحیح بخاری پ ۱۴ باب مناقب قریش وغیرہ میں ہیں)

جابر بن سمرہ قال سمعت النبیؐ یقول یکون اثنا عشر امیرا فقال کلمۃ لم اسمعھا فقال ابی انہ قال کلھم من قریش (صحیح بخاری کتاب الفتن پ ۲۹ صـ ۶۲۹)	حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ (میرے بعد اسلام کے) بارہ سردار اور حاکم ہونگے اور وہ سب قریش ہی سے ہونگے (کسی اور قبیلہ سے نہیں)
عن جابر بن سمرہ قال دخلت مع ابی علی النبیؐ فسمعتہ یقول ان ھذا الامر لا ینقضی حتی	جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں

ہیں حضرت ابوبکر تھے ۔ مرہ حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابوبکر دونوں کا ساتواں بزرگ تھا۔

(۱) محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف

(۲) ابوبکر بن ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد

(بقیہ حاشیہ صد ۲۲)

یمضی فیہم اثنا عشر خلیفۃ کلہم من قریش (صحیح مسلم مطبوع دہلی جلد ۲ صد ۱۱۹ اس کتاب میں اس مضمون کی سات حدیثیں لکھی ہوئی ہیں)

حاضر ہوا تو سُنا کہ حضرت فرمارہے ہیں اس دین اسلام میں جب تک بارہ خلیفہ رہینگے یہ مٹ نہیں سکے گا ۔ وہ سب قریش ہی سے ہونگے ۔

جامع ترمذی صد ۲۶۹ سنن ابی داؤد صد ۵۸۸ مشکوۃ جلد ۸ صد ۹۳ ۔ تفسیر درمنثور۔ تفسیر معالم التنزیل جامع الاصول وغیرہ بکثرت کتابوں میں یہ حدیثیں بھری ہوئی ہیں جن سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کی خلافۃ قریش ہی میں رہیگی اور حضرت کے خلفاء ۱۲ ہی ہونگے ۔ پس اگر قریش صرف قصی کی اولاد ہیں تو حضرت ابوبکر کی خلافۃ کا جو حال ہوسکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

اس مضمون کی صرف روایتیں ہی نہیں ہیں بلکہ عقائد کی کتابوں میں بھی اس حدیث کو درج کرکے اسکے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے ۔ اسی سبب سے علماء اہلسنت کو ان بارہ خلفاء کی تعیین کرنے میں بڑی دقتیں ہوتی ہیں مگر بات بنتی نہیں ۔ اسلئے کہ خلفاء راشدین ۴ خلفاء بنی امیہ ۱۴ خلفاء بنی عباس ۳۶ کل ۵۴ خلفاء صرف پہلے دور میں ہوجاتے ہیں ۔ پھر مصر میں خلفاء ہوئے ۔ پھر ٹرکی میں خلفاء ہوتے رہے جن کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے ۔ دوسری پریشانی ان حضرات کو یہ ہوئی کہ ٹرکی میں جو خلفاء ہوئے وہ قریش سے نہیں تھے حالانکہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمادیا تھا کہ خلفاء سب قریش ہی سے ہوں گے ۔ اب اگر اس حدیث کو مانتے ہیں تو خلفاء ٹرکی کی خلافۃ باطل ہوتی ہے اور ان کو خلیفہ مانتے ہیں تو حدیث رسولؐ کی مخالفۃ لازم آتی ہے ۔ اس مصیبت کا علاج یہ سوچا گیا کہ کتابوں سے الائمۃ من قریش کی حدیث اور اسکی بحث ہی نکال دیجائے ۔ چنانچہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "قسطنطنیہ میں کتابوں کے چھپنے سے پہلے یہاں کے جانچ کے محکمہ میں جس کا نام معارف ہے اصل کتاب پیش کیجاتی ہے اور جو عبارت اس محکمہ کے افراد قلمزد کردیتے ہیں وہ نہیں چھاپی جاسکتی ۔ میرے سامنے ایک مطبع میں شرح عقائد نسفی چھپ رہی تھی معارف نے اس کتاب کی وہ تمام عبارت قلمزد کردی تھی جسمیں خلافۃ کی بحث ہے اور الائمۃ من قریش کی حدیث مذکور ہے ۔ میں نے اصل نسخہ جسمیں معارف نے یہ تصرف کیا تھا دیکھا اور مجھے یاد ہے کہ میں اُسوقت رنج و غصہ کیوجہ سے بے اختیار ہوگیا تھا" (سفرنامہ صد ۷۹)

بن قصی بن کلاب بن مرہ | بن تیم بن مرہ

کتابوں میں تیم وغیرہ کے حالات نہیں ملتے ۔ البتہ اتنا پتا چلتا ہے کہ یہ قبیلہ اُس زمانہ میں بہت گمنام اور بے اثر تھا ۔ اسکے واضح کرنے کے لئے ہم کچھ مختصر حالت مکہ معظمہ کی ذکر کرتے ہیں ۔ ایک عالم اہلسنت نے عربی کی تاریخی کتابوں سے جو خلاصہ اردو میں لکھا ہے اسی کو نقل کر دیتے ہیں ۔ وہ تحریر کرتے ہیں :۔

"عرب میں سب سے زیادہ مقتدر سب سے زیادہ باوقعت سب سے زیادہ معزز و ممتاز وہ لوگ گنے جاتے تھے جن کے ہاتھ میں خانہ کعبہ کی تولیت ہوتی تھی اور جن کو بیت اللہ کی خدمات سپرد تھیں ۔ اور یہ خدمات ایک زمانہ تک قریش کے علاوہ اور لوگوں سے متعلق رہیں حضرت اسمٰعیل پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد انکی اولاد اس مقدس معبد کی محافظ تھی مگر تھوڑے ہی دنوں میں زمانہ نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ بجز قیدار بن اسمٰعیل ؑ کے اسمٰعیل کی ساری اولاد عرب کے مختلف مقامات میں منتشر ہو گئی اور چونکہ بنی اسمٰعیل ؑ اور بنی جرہم میں پاس کی رشتہ داری تھی خانہ خدا کی تولیۃ بنی اسمٰعیل ؑ سے نکل کر بنی جرہم کے ہاتھوں میں چلی گئی ۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد بنو عمالیق بنو جرہم پر غالب ہو گئے اور خانہ کعبہ کی تولیۃ انکے ہاتھوں سے چھین لے گئے ۔ بنو جرہم نے جب دیکھا کہ بنو عمالیق نے ہماری برسوں کی محنت و جانفشانی پر ایک دم سے پانی پھیر دیا اور ہماری سالہا سال کی آبائی عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیا تو انھوں نے اپنی کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بنو اسمٰعیل کو اپنے ساتھ ملا لیا اور دونوں نے متفقہ کوشش سے بنی عمالیق کو خدا کے مقدس گھر سے بالکل بیدخل کر دیا مگر پھر قبیلہ بنو بکر جرہم کی مخالفت میں اُٹھ کھڑا ہوا اور ایک نہایت خوں ریزی کے بعد بنو جرہم ہمیشہ کے لئے مغلوب ہو گئے اور اب سے خانہ خدا کی تولیۃ بنو بکر اور بنو خزاعہ کے قبضہ میں آ گئی ۔ ایک زمانہ کے بعد قصی بن کلاب نے جو جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں پانچ پشت اوپر تھا بنو بکر اور بنو خزاعہ سے مکے کی حکومت اور خانہ خدا کی تولیت چھین لی اور ان کو بے دخل کر کے خود حاکم بن گیا ۔ اب سے قریش کے اقتدارات بڑھنے اور پھیلنے شروع ہوئے ... قصی مکے کا خود مختار اور مستقل حاکم تسلیم کیا گیا اور سقایۃ اور رفادۃ اور حجابۃ اور ندوۃ اور لواء اور قیادت کے تمام عہدے اسکے ہاتھ میں آ گئے ۔ اصل میں خانہ کعبہ کے متعلق یہی چھ بڑی خدمتیں تھیں جن کی وجہ سے متولی کعبہ ہمیشہ عظمت و بزرگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور سارا عرب اُس کا انتہا سے زیادہ ادب و احترام کرتا تھا (کتاب امہات الامہ مطبوعہ دہلی صہ ۳۳)

یہ عبارت خلاصہ ہے بڑے بڑے مورخین کی تصریحات کا جس سے واضح ہوا کہ جو لوگ خانہ کعبہ کی خدمت کا شرف حاصل کرتے تھے وہی عرب میں سب سے زیادہ معزز سمجھے جاتے اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے خاندان میں کبھی کسی شخص کو یہ عہدہ نہیں ملا۔ بلکہ اس کا بھی پتا نہیں چلتا کہ اس قبیلہ نے خود بھی کوئی قابل ذکر کام اس زمانہ میں کیا ہو۔ مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ جلیل القدر مورخ ابن خلدون کی تحریر سے بھی ہمارے بیان کی صحت واضح ہو جائیگی وہ لکھتا ہے "جس وقت اسمٰعیلؑ ۳۰ برس کے ہوئے ابراہیمؑ شام سے حجاز میں آئے اور بحکم باری بناء کعبہ کی بنا ڈالی۔ دونوں باپ بیٹے نے ملکر بیت الحرام بنالیا اور اسکو ابراہیمؑ نے خلوت عبادت اسمٰعیلؑ کا مقرر کیا اور جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا تھا اس کو لوگوں کا حج گاہ معین کر کے شام کی طرف واپس آئے... اسمٰعیلؑ عمالقہ اور جرہم اور اہل یمن کی طرف مبعوث ہوئے... تا آں کہ ۱۳۰ برس کی عمر میں آپ کا بھی انتقال ہو گیا... حسب وصیت آپ کے قیدار بن اسمٰعیل بیت اللہ کے متولی ہوئے لیکن بنو جرہم نے بیت اللہ کی تولیت اپنے قبضہ میں لے لیا... بعد چندے بنو جرہم آپس میں لڑنے لگے۔ پھر بنو حارثہ نے بنو جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور بیت اللہ کا متولی بنو خزاعہ کو مقرر کیا... اور وہی اس کے متولی رہے تا آں کہ ابو غبشان نے قصی بن کلاب کے ہاتھ فروخت کیا۔ علاوہ تولیت کعبہ کے کہ وہ بنو خزاعہ کے قبضہ میں تھی باقی یہ تین امور کے مالک بنو مضر تھے (۱) یوم عرفہ لوگوں کو اجازت دینا یہ کام بنو غوث بن مرہ کے سپرد تھا (۲) منا میں جو لوگ یوم النحر کی صبح کو جمع ہوتے تھے اُن کو کھلانا پلانا یہ کام بنو زید بن عدی کے متعلق تھا (۳) نسئی شہور حرام اس کام کے منصرم بنو مالک بن کنانہ تھے۔ ابن اسحاق کہتا ہے کہ اسی حالت پر بنو خزاعہ اور بنو کنانہ نے ایک مدت تک بسر کی۔ اس اثناء میں بطون کنانہ کی کثرت ہوئی۔ مختلف اور متعدد قبیلے اس سے متفرع و متشعب ہوئے۔ بنو مضر میں شرافت و عظمت بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ میں عزت و جلالت قریش کو اور قریش میں سطوت و ثروت بنو لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر کو حاصل تھی۔ ان کا سردار قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی ہی اس کو ابا عن جد عزت بھی حاصل تھی۔ اور لوگ کثرت سے اسکے قرابت دار بھی تھے... اس وقت بیت اللہ کی تولیت حلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو خزاعی کے قبضہ میں تھی قصی نے اس (حلیل) کی لڑکی حبی سے عقد کر لیا جسکے بطن سے عبدالدار۔ عبد مناف عبدالعزیٰ

عبد قصی چار لڑکے پیدا ہوئے ... حلیل نے بوقت انتقال تولیت کعبہ کی وصیت قصی کے حق میں کی
تھی جب موسم حج آیا اور قصی نے تنہا کعبہ کی تولیت پر تصرف کرنا چاہا بنو خزاعہ اور بنو بکر قصی سے
آمادہ بہ جنگ ہوئے۔ دونوں فریقوں میں کثرت سے کشت و خون ہوا آخرالامر یہ امر ثالثی پر
منحصر کیا گیا۔ یعمر فریقین کی رضامندی سے حکم مقرر ہوا۔ یعمر نے قصی کو کعبہ کا متولی قرار دیا۔ پس اسی
وقت سے قصی کعبہ کا متولی ہوا اور قریش کو اطراف و جوانب سے مجتمع کر کے ہر قبیلہ اور ہر بطن کو اُس
سرزمین مخصوص میں ٹھہرایا جہاں پر کہ وہ عہد اسلام میں پائے گئے۔ قصی بنو لوی بن غالب سے پہلا
وہ شخص ہے جسکی اطاعت اس کی کل قوم نے کی اور وہی لواء حرب کا مالک اور کعبہ کا متولی ہوا۔ قریش
کل کام اسکی رائے سے کرتے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کام میں اس سے مشورہ لیتے تھے۔
چنانچہ اسی غرض کے لئے کعبہ کے سامنے ایک مکان بنوایا اور اس کا نام دار الندوہ رکھا۔ اس کا
دروازہ مسجد حرام کی طرف تھا۔ قریش اس میں جمع ہوتے اور یہیں بیٹھ کر مشورہ کرتے تھے۔
پھر اس کے بعد قصی نے اس خیال سے کہ حجاج خدا کے مہمان اور اس گھر کے زائر ہیں۔
ان کے کھانے اور پینے کا انتظام کیا اور اسکے مصارف کے لئے قریش پر سالانہ خراج
مقرر کیا جس کو وہ بخوشی خاطر ادا کرتے تھے۔ یہی امور ایسے تھے جن سے قریش کا اعزاز
اور قبائل بنو عدنان سے بڑھ گیا اور قصی حجاورت و سقایہ و رفادہ و ندوہ و لواء حرب کا متولی
اور مالک ہو گیا۔ جب یہ ضعیف ہوا تو اپنے لڑکے عبد الدار کو کل امور میں جن کو خود کر رہا تھا بجائے
اپنے مقرر کیا اس وجہ سے کہ عبد مناف کی عزت و عظمت اسکی حالت حیات ہی میں قریش کرنے
لگے تھے۔ قصی کے بعد عبد الدار کعبہ کا متولی ہوا۔ بعد اسکے اس کا لڑکا بجائے اسکے مامور ہوا
اور ایک زمانہ تک اس حالت پر رہا تا آں کہ بنو عبد مناف نے بنو عبد الدار سے کعبہ کی تولیت
وغیرہ لینے کا قصد کیا۔ اسی بنا پر فریقین میں نزاع پیدا ہو گئی ... پھر فریقین کچھ سوچ سمجھ کر مصالحۃ
پر آمادہ ہوئے۔ چنانچہ بعد ردوکد فریقین اس امر پر راضی ہو گئے کہ بنو عبد مناف سقایہ اور
رفادۃ کے متولی رہیں اور بنو عبد الدار حجاورۃ اور لواء حرب کے مالک ہوں۔ چونکہ عبد الشمس کا
تجارت کی وجہ سے مکہ میں کم قیام رہتا تھا اکثر اوقات شام کی طرف چلا جاتا تھا۔ اس
وجہ سے بنو عبد مناف کی سرداری اور سقایہ و رفادۃ کا اہتمام ہاشم ابن عبد مناف کے سپرد
کیا گیا۔ ہاشم نے حاجیوں کے کھانا کھلانے اور ان کے وفود کی تعظیم و اکرام میں بہت بڑی سرگرمی

ظاہر کی" (ترجمہ تاریخ ابن خلدون مطبوعہ الہ آباد کتاب ثانی جلد ۲ ص ۳۲) لہ

لہ ص ۱۶ میں حضرت ابوبکر کا شجرہ ہم درج کر چکے ہیں مگر یہاں چند نئے نام اور آ گئے ہیں اس وجہ سے پھر زیادہ تفصیل سے یہ شجرہ درج کیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص کا تعلق دوسروں سے واضح ہو جائے۔

- فہر
  - غالب
    - لوی
      - کعب
        - عدی
          - رزاح
            - قرط
              - عبداللہ
                - رباح
                  - عبدالعزیٰ
                    - نفیل
                      - خطاب
                        - عمر (خلیفہ دوم)
                      - عمرو
                        - زید
        - مرہ
          - تیم
            - سعد
              - کعب
                - عمرو
                  - عثمان
                    - عبیداللہ
                      - طلحہ
                  - عامر
                    - ابوقحافہ
                      - ابوبکر (خلیفہ اول)
          - کلاب
            - قصی
              - عبدالدار
              - عبدمناف
                - نوفل
                - مطلب
                - ہاشم
                  - عبدالمطلب
                    - عبداللہ
                      - حضرت رسول خدا صلعم
                    - ابوطالب
                      - حضرت علیؑ
                  - اسد
                    - فاطمہ (مادر جناب امیرؑ)
                - عبدالشمس
                  - امیہ
                    - حرب
                      - صخر ابوسفیان
                        - معویہ
                        - یزید
                        - عتبہ
                        - ام حبیبہ
                    - ابوالعاص
                      - عفان
                        - عثمان (خلیفہ سوم)
                  - ربیعہ
                    - عتبہ
                      - ہند (مادر معویہ)
                    - شیبہ
              - عبدالعزیٰ

اس شجرہ اور مورخ ابن خلدون کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے بزرگوں نے عرب میں عزت و اقتدار کا کوئی کام نہیں کیا۔ بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خاندان ایسی نظروں سے دیکھا جاتا کہ بہت لوگ اس سے شادی بیاہ کے تعلقات پیدا کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ مثلاً

وفد قیس بن عاصم وفد بنی تمیم علے النبیؐ فقال انی وأدت اثنی عشرۃ بنتا فما اصنع۔ فقال اعتق عن کل مؤدۃ نسمۃ۔ فقال ابوبکر ما الذی حملک علے ذلک۔ قال مخافۃ ان ینکحھن مثلک۔ فتبسم النبیؐ وقال ھذا سید اھل الوبر (محاضرات امام راغب اصفہانی منقول از وجیزہ جناب مولانا سبحان علی خاں صاحب مرحوم)

بنی تمیم کی طرف سے ایک شخص قیس بن عاصم حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے اپنی بارہ لڑکیوں کو ان کے پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا تھا۔ اب اُن سب کا کفارہ کیا ادا کروں۔ فرمایا ہر لڑکی کے عوض ایک غلام آزاد کر دو۔ اس پر حضرت ابوبکر نے اس سے پوچھا تم نے یہ ظلم کیوں کیا تھا؟ وہ بولا اس خوف سے کہ کہیں وہ لڑکیاں تم جیسے لوگوں کے نکاح میں نہ آجائیں اس پر حضرت رسولخدا صلعم مسکرا دیئے اور حضرت ابوبکر سے فرمایا (تم پہچانتے نہیں؟) یہ شخص اہل وبر (صحرائی عربوں) کا سردار ہے۔

حضرت ابوبکر اور دغفل کی دلچسپ گفتگو

ایک بہت بڑے عالم انساب عرب جناب شہاب الدین احمد بن عبداللہ عرف ابن ابی غدہ گزرے ہیں جنھوں نے عرب کے انساب میں ایک مفصل جامع اور قابل قدر کتاب لکھی ہے۔ اس میں ممدوح نے نسب حضرت ابوبکر کے متعلق ذیل کی دلچسپ روایۃ لکھی ہے

وتدحکے صاحب الریحان والریعان عن ابی سلیمان الخطابی رحمہ اللہ تعالے انہ قال کان ابوبکر رضی اللہ عنہ نسابۃ۔ فخرج مع رسول اللہ

صاحب الریحان والریعان نے ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رض علم نسب کے بڑے عالم تھے۔ وہ ایک رات کو حضرت

صلے اللہ علیہ وسلم ذات
لیلۃ فوقف علے قوم من ربیعۃ
فقال ممن القوم۔
قالوا ربیعۃ۔
قال رضی اللہ عنہ وای ربیعہ انتم۔
امن ھامتھا ام من لھازمھا۔
قالوا بل من ھامتھا العظمی۔
قال ابوبکر رضی اللہ عنہ ومن ایھا۔
قالوا من ذھل الاکبر۔
قال ابوبکر رضی اللہ عنہ فمنکم عوف الذی
یقال لاحر بوادی عوف۔
قالوا لا۔
قال فمنکم بسطام بن قیس ابو القری
ومنتھی الاحیاء۔
قالوا لا۔
قال فمنکم الحوفزان قاتل الملوک
وسالبھا انعمھا۔
قالوا لا۔
قال فمنکم المزدلف الحر صاحب
العمامۃ المفردۃ۔
قالوا لا۔
قال فمنکم اخوال الملوک من کندہ۔
قالوا لا۔
قال فمنکم اصھار الملوک من لخم۔

رسولخدا صلعم کے ساتھ نکلے اور ربیعہ کی ایک
قوم کے پاس جاکر ٹھہرے اور حسب ذیل گفتگو ہوئی
حضرت ابوبکر۔ تم لوگ کس قبیلہ کس قوم سے ہو؟
وہ لوگ۔ قوم ربیعہ سے ہیں۔
ابوبکر۔ ربیعہ کی کس قسم سے۔ اس کے سرداروں
اور اشراف سے یا اُسکے اراذل اور پست لوگوں سے؟
وہ لوگ۔ ربیعہ کے سرداروں اور اشراف سے۔
ابوبکر۔ اسکے کن سرداروں اور بزرگوں سے تم لوگ ہو؟
وہ لوگ۔ ذہل اکبر سے۔
ابوبکر۔ تو کیا عوف تمہیں میں سے تھا جسکے بارے میں
کہا جاتا ہے کہ عوف کی وادی میں کوئی آزاد نہیں ہے؟
وہ لوگ۔ نہیں۔
ابوبکر۔ تو کیا بسطام بن قیس تم میں سے تھا
جو بڑی مہمانی کرنے والا تھا اور سب قبیلے اسکی طرف کھنچے ہوئے تھے؟
وہ لوگ۔ نہیں۔
ابوبکر۔ تو کیا حوفزان تم میں سے تھا جو بادشاہوں کا
قتل کرنے والا اور انکی نعمتیں چھیننے والا تھا؟
وہ لوگ۔ نہیں۔
ابوبکر۔ تو کیا مزدلف تم میں سے تھا جو بہت آزاد
اور یکتا عمامہ والا تھا؟
وہ لوگ۔ نہیں۔
ابوبکر۔ تو کیا تم ہی میں سے بادشاہان کندہ کے ماموں تھے؟
وہ لوگ۔ نہیں۔
ابوبکر۔ تو کیا تم ہی لوگوں میں سے بادشاہان لخم کے داماد تھے؟

قالوا لا۔
قال فلستم بذهل الاکبر بل ذهل الاصغر۔
فقام الیہ غلام من بنی شیبان یقال له دغفل حین بقل وجهه فقال ؎
ان علی سائلنا ان نسأله
والعِبء لا تعرفه او تحمله
یا هذا انک قد سألتنا فاخبرناک
ولم نکتمک شیئا من خبرنا
فممن الرجل۔
قال ابوبکر رض انا من قریش
قال بخ بخ اهل الشرف والریاسة
فمن ای القرشیین انت۔
قال۔ من ولد تیم بن مرة۔
قال الفتی امکنت والله من سواء الثغرة
فمنکم قصی الذی جمع القبائل کلها
وکان یدعی مجمعا۔
قال لا۔
قال فمنکم هاشم الذی هشم الثرید لقومه۔
قال لا۔
قال فمن اهل الندوة انت۔
قال لا۔

وہ لوگ۔ نہیں۔
ابوبکرؓ۔ تو معلوم ہوا کہ تم لوگ بڑے ذہل کی اولاد نہیں بلکہ چھوٹے ذہل کی اولاد ہو۔
یہ باتیں یہاں تک پہونچنے پائی تھیں کہ اس جماعت سے بنو شیبان کا ایک لڑکا دغفل نامی کھڑا ہو گیا جس کا ابھی سبزہ آغاز تھا اور اس نے کہا۔ اب ہم سے پوچھنے والے کی باری آئی کہ ہم اس سے دریافت کریں اور اس جوان کو تم نہیں پہچانو گے جب تک اسکے حملہ کا وار نہ برداشت کرلو۔
اے یار۔ تم نے ہم کو دریافت کیا تو ہم نے اپنا سب کچھ تم کو بتادیا اور تم سے کوئی بات نہیں چھپائی اب تم بھی بتاؤ کہ کون شخص ہو؟
حضرت ابوبکرؓ۔ میں قریش سے ہوں۔
دغفل۔ واہ سبحان اللہ۔ بے شک قریش شرف و ریاست والے ہیں مگر تم قریش کی کس شاخ سے ہو؟
ابوبکرؓ۔ تیم بن مرہ کی اولاد سے۔
دغفل۔ خدا کی قسم اب تم نے اپنے نسب کے شرف دکھانے کا موقع مجھے دیا۔ اچھا بتاؤ قصی جنھوں نے سب قبیلوں کو جمع کیا اور مجمع پکارے جاتے تھے تم ہی سے تھے؟
ابوبکرؓ۔ نہیں۔
دغفل۔ اچھا حضرت ہاشم جنھوں نے اپنی قوم کے کھلانے کو روٹیاں توڑی تھیں تم ہی میں سے تھے؟
ابوبکرؓ۔ نہیں۔
دغفل۔ تو کیا تم ان لوگوں سے ہو جو عرب کی انجمن کے ممبر ہوتے تھے؟

قال فمن اهل السقاية انت -
قال لا -
قال فمن اهل الحجابة انت - قال لا
واجتذب ابوبكر رضی الله عنه زمام ناقته فقال الفتى ؎

صادف درء السيل درءً يدفعه
يهيضه حينا وحينا يصدعه

اما والله يا اخا قريش لو ثبت لاخبرتك انك من زعيان قريش ولست من الذوائب - فاخبر رسول الله بذلك فتبسم - فقال علی رض يا ابا بكر لقد وقعت من الغلام على باقعة - قال اجل يا ابا الحسن ما من طامة الا فوقها طامة ودغفل هذا هو دغفل بن حنظلة النسابة الذى يضرب به المثل فی النسب وقد كان له معرفة بالنجوم وغيرها من علوم العرب قد مرة على معوية بن ابی سفيان رض فی خلافته فاخبره فوجده رجلا عالما -
فقال بم نلت هذا يا دغفل
قال بقلب عقول ولسان سئول

ابوبکر - نہیں -
دغفل - تو کیا تم ان لوگوں سے ہو جو حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں؟
ابوبکر - نہیں -
دغفل - تو کیا ان لوگوں سے ہو جو خانہ کعبہ کے کلید بردار ہیں؟ - اسکے بعد حضرت ابوبکر اپنے ناقہ کی مہار موڑ کر چلتے ہوئے - اس پر اس نوجوان نے ایک شعر پڑھا کہ ایک سیل کی موج دوسرے سیل کی موج سے ٹکرائی جو اسکو دھکے دیتی تھی کہ کبھی اسکو توڑتی اور کبھی پھاڑتی تھی - خدا کی قسم اے قریش والے اگر تم ٹھہرے رہتے تو میں ثابت کر دیتا کہ تم قریش کے چھوٹوں سے ہو اور اسکے شریفوں یا معززوں سے نہیں ہو - حضرت ابوبکر نے حضرت رسولخدا صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا تو حضرت مسکرانے لگے اس پر حضرت علیؑ نے کہا اے ابوبکر تم تو اس لڑکے سے بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے - انھوں نے کہا ہاں - اے ابوالحسن ہر آفت سے دوسری آفت بڑھ چڑھ کر ہے - اور یہ دغفل وہی دغفل بن حنظلہ ہے جو بڑا نسب داں تھا جسکی نسب دانی ضرب المثل ہے - وہ علم نجوم اور دوسرے علوم عرب میں بہت بڑا واقف اور ماہر تھا - ایک دفعہ وہ معویہ بن ابوسفیان کی خدمت میں بزمانہ خلافت پہونچا

وآفة العلم النسیان۔ قال
اذهب الی یزید فعلمه النسب
والنجوم۔
(کتاب سبائک الذهب مطبوعه
بمبئی ص۶)

معویہ نے اسکی معلومات کو جانچ کر معلوم کیا کہ
وہ بڑا عالم شخص ہے تو اس سے کہا اے دغفل
تم کو یہ علوم کیونکر حاصل ہوئے۔
دغفل نے کہا سمجھنے والے دل اور پوچھنے
والی زبان سے۔ اور علم کی آفت نسیان
(بھولنا) ہے۔ معویہ نے کہا جاؤ اور میرے بیٹے یزید کو بھی علم نسب و نجوم کی تعلیم دیا کرو انتہی
اس روایۃ سے جناب ممدوح کی جو نسبی حالت واضح ہوتی ہے اس پر کسی تبصرہ کی کیا ضرورت
ہے؟ ایک بڑے علامہ اور محقق پیشوا جناب محب طبری گزرے ہیں جنھوں نے حضرت ابوبکر
و عمر و عثمان بلکہ عشرہ مبشرہ کے حالات و فضائل میں ایک بہت مبسوط۔ معتبر اور قابل قدر کتاب
ریاض نضرہ لکھی ہے۔ اسکے بارے میں جناب شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "ریاض نضرہ
لمحب الطبری میں بھی حضرت عمر کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے
اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے" (الفاروق ص۱۶)
اس کتاب میں بھی یہ روایۃ منقول ہے مگر خفیف تغیر کے ساتھ۔ ایک یہ کہ سبائک الذہب
میں اس کو ابوسلیمان خطابی کے بیان سے لیا ہے اور ریاض نضرہ میں یہ روایۃ حضرت ابن
عباس ایسے جلیل القدر صحابی اور حبر امۃ سے بیان کی گئی ہے اور ممدوح سے حضرت علی ابن
ابیطالب علیہ السلام نے خود ارشاد فرمایا تھا جس کو اس طرح لکھا ہے۔

وعن ابن عباس قال حدثنی علی
ابن ابی طالب من فیه قال لما امر
الله تبارک وتعالی رسول الله صلی
الله علیه وسلم ان یعرض نفسه علی
قبائل العرب خرج وانا معه وابوبکر
فدفعنا الی مجلس من مجالس
العرب فتقدم ابوبکر۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے تھے کہ مجھ سے
حضرت علی ابن ابی طالب نے اپنے منہ
سے بیان فرمایا کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ
نے حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم
دیا کہ قبائل عرب پر اپنے کو بطور پیغمبر خدا
پیش کریں اور ان کو اسلام کی طرف دعوۃ
دیں تو حضرت نکلے۔ آپ کے ساتھ میں تھا
اور ابوبکر بھی تھے۔ ہم لوگ عرب کے ایک مجمع میں پہونچے تو حضرت ابوبکر نے بڑھکر باتیں شروع کیں۔

دوسرا تغیر یہ ہے کہ سبائک الذہب میں جناب ہاشم کے متعلق دغفل کا صرف یہ قول منقول ہے فمنکم هاشم الذی هشم الثريد لقومه مگر ریاض نضرہ میں یہ ہے کہ دغفل نے کہا۔

فمنکم هاشم الذی قال فيه الشاعر عمرو العلا هشم الثريد لقومه ورجال مكة مسنتون عجاف

تو کیا جناب ہاشم تم ہی میں سے تھے جن کے بارے میں شاعر نے کہا ہے بلند مرتبہ عمرو (ہاشم) نے اپنی قوم کے کھلانے کو روٹیاں توڑیں جب مکہ کے لوگ قحط زدہ اور دُبلے ہو رہے تھے۔

تیسرے یہ کہ سبائک الذہب میں جناب ہاشم کے سوال کے بعد دغفل کا صرف تین سوال ہے مگر ریاض نضرہ میں جناب ہاشم کے سوال کے بعد اس کا چھ سوال ہے اس طرح:-

قال فمنکم شيبة الحمد عبد المطلب مطعم طير السماء الذى كان وجهه كالقمر يضئ فى الليلة الداجية الظلماء۔

دغفل۔ تو کیا جناب شیبۃ الحمد یعنی عبدالمطلب جو آسمان کے پرندوں کو کھانا کھلایا کرتے اور جن کا چہرہ ایسا تھا جو اندھیری تاریک راتوں میں خوب چمکتا رہتا تھا تم ہی میں سے تھے؟

قال لا۔

ابوبکر۔ نہیں۔



قال فمن اهل الافاضة بالناس انت۔

دغفل۔ تو کیا تم اُن لوگوں سے ہو جن کے کہنے پر حاجی لوگ عرفات سے لوٹتے ہیں؟

قال لا

ابوبکر۔ نہیں۔

قال فمن اهل الحجابة انت۔

دغفل۔ تو کیا تم ان لوگوں سے ہو۔ جو خانہ کعبہ کے کلید بردار ہیں؟

قال لا۔

ابوبکر۔ نہیں۔

قال فمن اهل السقاية

دغفل۔ تو کیا تم ان لوگوں سے ہو جو

انت
قال لا۔
قال فمن اهل الندوة انت۔
قال لا۔
قال فمن اهل الوفادة انت
قال لا۔

حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔
ابوبکر۔ نہیں۔
دغفل۔ تو کیا تم ندوہ والوں سے ہو؟
ابوبکر۔ نہیں۔
دغفل۔ تو کیا تم وفادہ والوں سے ہو؟
ابوبکر۔ نہیں۔

اور جب دغفل کے آخری سوال پر حضرت ابوبکر نے اپنے ناقہ کی مہار موڑ کر واپسی کا ارادہ کیا ہے تو سبائک الذہب میں یہ ہے کہ دغفل نے کہا یا اخا قریش لو ثبت لاخبرتک انک من رعیان قریش۔ اے شخص اگر تم اور ٹھہرتے تو میں (تمہاری ہی زبان سے) ثابت کر دیتا کہ تم قریش کے شریف لوگوں سے نہیں بلکہ اُس کے چرواہوں سے ہو۔ مگر ریاض نضرہ میں اس جملہ کے عوض دوسرا جملہ لکھا ہے

اما واللہ لو ثبت لاخبرتک
من ای قریش انت۔
(ریاض نضرہ صـــ ۱۰۲)

خدا کی قسم اگر تم ٹھہرتے تو میں
بتا دیتا کہ تم قریش کے کس طبقہ
سے ہو۔

یہ جملہ بتاتا ہے کہ بدلا ہوا ہے کیونکہ دغفل تو کل سوالات کر چکا تھا اب اس کو یہی بتانا باقی تھا کہ تم کون ہو۔ لہذا اب اس کے منہ سے وہی جملہ نکلنا چاہیئے تھا جو سبائک الذہب میں ہے نہ یہ جملہ کہ تم ٹھہرتے تو میں بتا دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل روایۃ میں وہی جملہ ہے جو سبائک الذہب نے نقل کیا۔ پھر ریاض نضرہ کے جملہ کے متعلق کیا سمجھا جائے۔ خود مصنف نے اس روایۃ میں یہ تغیر کر دیا۔ یا مطبع والوں نے یہ تحریف کی ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ علامہ محب طبری نے ایسی جرءت نہیں کی بلکہ آخری جملہ کو اسی طرح لکھا جس طرح سبائک الذہب میں ہے اور مصر کے مطبع والوں نے اپنی مشق کردہ تحریف کے مطابق اس جملہ کو بدل دیا کیونکہ سلطنت ٹرکی کی طرح اہل مصر بھی بڑی دلیری سے کتابوں میں کاٹ چھانٹ کر دیتے ہیں [1]

[1] اہل مصر کا بھی مذہبی کتابوں کے طبع کرتے وقت ان میں تحریف کر دینا مشہور اور

لیکن اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دغفل نے یہ نہیں کہا کہ

انک من دعیان	میں ثابت کر دیتا کہ تم قریش کے شریف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴

مسلم الثبوت امر ہے۔ مثالاً صرف ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔ جب خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کو حکم دیا کہ :۔

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (پ ۱۹ - ع ۱۵)	اے رسول تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی طرف بلاؤ۔

توحضرت نے لوگوں کو جمع کر کے مذہب اسلام کی طرف بلایا۔ پھر فرمایا تم میں کون ایسا ہے جو پہلے میری بیعت کرے اور اس امر میں میرا معین و مددگار ہو اور میں اُس کو اپنا بھائی - وصی - وزیر اور خلیفہ بناؤں۔ اس پر سب چپ رہے مگر حضرت امیرالمومنینؑ بولے یا رسول اللہؐ میں حاضر ہوں۔ آخر آنحضرت صلعم نے حضرت امیرالمومنینؑ کو گلے سے لگالیا اور سب حاضرین سے کہا دیکھو یہی میرے بھائی - میرے وزیر - میرے وصی - میرے خلیفہ ہیں - تم سب ان کی بات کو ماننا اور ان کی اطاعۃ کرنا - یہ واقعہ تمام معتبر کتب حدیث و تاریخ و تفسیر میں صاف صاف لکھا ہے - تاریخ طبری میں بھی جو اسلام کی سب سے زیادہ معتبر اور مقبول تاریخ ہے - یہ عبارت موجود ہے کیونکہ یہ تاریخ پہلے یورپ میں چھپی اور اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا - بعد کو مصر والوں نے اُسی یورپ کے مطبوعہ نسخہ سے نقل کر کے اپنے ہاں بھی اسے چھاپا تو مجبوراً وہ عبارت اسی طرح چھاپنی پڑی جو یہ ہے :- ثم تکلم رسول اللہؐ فقال یا بنی عبد المطلب انی واللہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل مما قد جئتکم بہ انی قد جئتکم بخیر الدنیا والاٰخرۃ وقد امرنی اللہ تعالیٰ ان ادعوکم الیہ - فایکم یوازرنی علےٰ ھذا الامر علےٰ ان یکون اخی ووصیّی وخلیفتی فیکم فاحجم القوم عنہا جمیعا وقلت وانی لاحدثھم سنا وارمصہم عینا واعظمھم بطنا واحمشہم ساقا انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیہ فاخذ برقبتی ثم قال ان ھذا اخی ووصیّی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا قال

لوگوں سے نہیں بلکہ ان کے چرواہوں سے ہو	قریش۔
میں ثابت کردیتا کہ تم قریش کے کس طبقہ سے ہو۔	بلکہ یہی کہا کہ مِنْ اَیِّ قُرَیْشٍ اَنْتَ

تو پہلے سے زیادہ چوٹ کی۔ کیونکہ چرواہا ثابت کردینے سے تو آپ کی نسبی حالت پھر بھی محدود ہوجاتی کہ اگر شریفوں سے نہیں ہیں تو ان لوگوں سے بھی نہیں ہیں جو چراہوں سے بدتر ہوتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵)

فقام القوم یضحکون و یقولون لابی طالب قد امرک ان تسمع لابنک و تطیع (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۱۷) مگر انھیں علامہ طبری کی دوسری مشہور کتاب تفسیر طبری جب مصر میں چھپنے لگی تو چونکہ یہ کتاب پہلے یورپ میں نہیں چھپ چکی تھی ان لوگوں نے اس روایت کو اپنے مطلب کے موافق کاٹ چھانٹ کر درست کرلیا جس کی صورت اب یہ ہوگئی ثم تکلم رسول اللہ فقال یا بنی عبد المطلب انی واللہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل مما جئتکم بہ انی قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرۃ وقد امرنی اللہ ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ھذا الامر علی ان یکون اخی و کذا و کذا قال فاحجم القوم عنہا جمیعا و قلت وانی لاحدثھم سنا وارمصھم عینا واعظمھم بطنا واحمشھم ساقا انا یا نبی اللہ اکون وزیرک۔ فاخذ برقبتی ثم قال ان ھذا اخی و کذا و کذا فاسمعوا لہ واطیعوا قال فقام القوم یضحکون و یقولون لابی طالب قد امرک ان تسمع لابنک و تطیع (تفسیر طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۹ صفحہ ۶۹) یعنی حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا تم میں کون ایسا ہے جو اس امر میں میرا معین و مددگار ہو اور میں اس کو اپنا بھائی اور ایسا اور ایسا بناؤں۔ اس پر سب چپ رہے مگر حضرت امیر المومنینؑ بولے یارسول اللہ میں حاضر ہوں۔ آخر آنحضرت صلعم نے حضرت امیر المومنینؑ کو گلے سے لگالیا اور سب حاضرین سے کہا دیکھو یہی میرے بھائی اور ایسے اور ایسے ہیں۔ تم سب ان کی بات کو ماننا اور ان کی اطاعت کرنا۔ غرض اس واقعہ میں جو جملہ مذہب اہلسنت کے خلاف تھا اور جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ خدا کے حکم کے مطابق حضرت رسول خدا صلعم نے

لیکن "اَیِّ قُرَیْشٍ" "قریش کے کس طبقہ سے ہو" میں بہت زیادہ وسعت ہے کہ نہ معلوم اس نے اس جملہ سے کس قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ کر دیا اور حضرت ابوبکر کا ناقہ کی مہار موڑ کر فوراً وہاں سے روانہ ہو جانا اور دوسرا جملہ سُننے کے لئے نہ ٹھہرے رہنا بھی بتاتا ہے کہ وہ سمجھ گئے اب دغفل جو کہے گا وہ زیادہ پتے کی بات ہو گی جس کا

(بقیہ حاشیہ ص۳۶)

آیہ و انذر عشیرتک الاقربین کے نازل ہونے پر حضرت امیرالمومنینؑ کی خلافت بلافصل کا اعلان بھی کرا دیا تھا جو بعینہ شیعوں کا مذہب ہے۔ اس کو علماء مصر نے تفسیر طبری سے اُڑا کر اُس کی جگہ کذا وکذا کا پیوند لگا دیا جس سے آنحضرت صلعم کا قول مہمل سا ہو کر رہ گیا۔ اس لئے کہ اُس وقت حضرتؐ اپنا مددگار ڈھونڈھتے اور اس کی مدد کا صلہ قرار دے کر اس کا اعلان فرماتے تھے۔ ایسے موقع پر حضرت کو صاف صاف کہہ دینا تھا کہ وہ شخص میری مدد کرنے کے عوض فلاں عہدہ پائیگا جیساکہ حضرتؐ نے کیا کہ اپنا وصی اور خلیفہ بنا دیا۔ اُس وقت "ایسا" "ایسا" کہنے کا کون موقع تھا اور اس سے کوئی کیا سمجھتا کہ حضرت اسکی خدمات کا کیا انعام عنایت فرمائیں گے۔ اگر کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ مصر میں اور بہت سی کتابیں چھپی ہیں ان میں یہ روایۃ اسی طرح ہے کہ حضرت نے فرمایا ان ھذا اخی و وصیی و خلیفتی فیکم (دیکھو تاریخ کامل جلد۲ ص۲۲۔ تاریخ ابوالفدا جلد۱ ص۱۱۶۔ تفسیر معالم التنزیل جلد۵ ص۱۰۵ تفسیر لباب التاویل جلد۴ ص۳۷ وغیرہ) اگر علماء مصر کو اس روایت میں تحریف کرنی ہوتی تو ان کتابوں کی روایتوں میں بھی تحریف کر دیتے تو ہم عرض کرینگے کہ مصر میں مطابع بکثرت ہیں۔ کسی مطبع میں مذہبی علماء کی نگرانی میں کتابیں چھپتی ہیں اور کسی مطبع کے کارکن (مصحح وغیرہ) صرف علم ادب و تاریخ کے ماہر ہوتے ہیں ان کو ایسی چیزوں کی پروا نہیں ہوتی اس وجہ سے وہ ایسی تحریف کو خلاف دیانت سمجھتے اور کتابوں کو ان کی اصلی صورت میں چھپوا کر شایع کر دیتے ہیں۔ ہمیں تو صرف یہ دکھانا تھا کہ مصر میں بھی تحریف کی جاتی ہے جس کے لئے تفسیر طبری کا یہ نسخہ واضح دلیل ہے کہ انھیں علامہ طبری کی تاریخ میں وہ روایت اصلی حالت پر ہے اور انھیں کی تفسیر میں وہی روایت بدل دی گئی ہے ۱۲۔

نہ جھٹلانا آسان ہوگا اور نہ جس کا سُننا گوارا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس سے حاضرین کو آپ کے متعلق وہ بات معلوم ہو جاتی جس کے بعد وہ لوگ آپ کو دوسری نظروں سے دیکھنے لگتے جس کو آپ کسی طرح پسند نہیں کر سکتے تھے۔ اور حضرت رسولخدا صلعم کا اس واقعہ کو سنکر صرف مسکرانا اور حضرت امیر المومنینؑ کا یہ فرمانا کہ "اے ابو بکر تم تو اس لڑکے سے بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے" اور حضرت ابو بکر کا آپ کو یہ جواب دینا کہ "ہاں اے ابو الحسن! ہر آفت سے دوسری آفت بڑھ چڑھ کر ہے"۔ اس بات کی کافی دلیلیں ہیں کہ دغفل نے جو کہا وہ بالکل درست تھا اور اس میں کوئی بات بھی گرفت کی نہیں تھی۔ ورنہ حضرت رسولخدا صلعم اس پر مسکراتے نہیں بلکہ دغفل کی اس شوخی پر ناراض ہوتے۔ اُس کو بُرا کہتے اور اسکی تکذیب کرتے کہ اس نے ایسی بیہودہ بات کیوں کہی۔ اسی طرح حضرت امیر المومنینؑ بھی حضرت ابو بکر سے ہمدردی فرماتے اور کہتے کہ اے ابو بکر! اُس لڑکے نے بڑی بد تہذیبی کی۔ اُس نے تم پر افتراء کیا۔ یا خود حضرت ابو بکر اپنی زبان سے فرماتے کہ اس لڑکے نے مجھ پر اتہام کیا کہ مجھے چرواہا کہا۔ میں چرواہا کیونکر ہو گیا یا میں ایسا ویسا نہیں ہوں بلکہ میں فلاں ہوں۔ میری یہ عزت ہے۔ یہ شان ہے میرے شریف ہونے پر کون شبہ کر سکتا ہے۔ میرے نسب میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ لیکن جب یہ سب نہیں ہوا تو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ دغفل نے جو کہا وہ ایسی ہی بات تھی جس کا جواب نہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس تھا جس کی رد نہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کر سکتے تھے اور جس میں کسی قسم کا عذر خود حضرت ابو بکر کو بھی نہیں تھا۔ اسی وجہ سے علماء اہلسنت نے بھی اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں درج کر کے اس پر اپنی تصدیق کی مہر ثبت کر دی اور نہ اس کو غلط بتایا نہ اس کا جواب دیا۔ نہ اس پر کسی قسم کا اعتراض کر سکے۔

ایک عورت اور حضرت ابو بکر تاریخ و حدیث کی کتابوں میں اس قسم کے واقعات بکثرت بھرے ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ کسی عورت سے بھی آپ سے کچھ دیر تک گفتگو ہوئی اور گو اس نے دغفل سی بیہودہ باتیں نہیں کیں مگر آپ کو وہ

پہچان نہ سکی۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ خاندان یا نسب کے اعتبار سے کوئی ممتاز بزرگ نہیں تھے۔ علامہ علی المتقی نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے:-

عن زید بن وهب عن ابی بکر الصدیق انه اتی قبة امرأة فسلم۔ فلم تکلمه۔ فلم یترکها حتی کلمته۔ قالت۔ یا عبد الله من انت۔ قال۔ من المهاجرین۔ قالت۔ المهاجرون کثیر فمن این انت۔ قال۔ من قریش۔ قالت۔ قریش کثیر فمن ایهم انت۔ قال۔ ابوبکر۔ قالت۔ بابی انت وامی۔ کان بیننا و بین قوم فی الجاهلیة شئ فحلفت ان الله عافانا ان لا اکلم احدا حتی احج۔

زید بن وہب نے حضرت ابوبکر صدیق سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ ایک دفعہ میں کسی عورت کے قبہ تک پہونچا اور اس کو سلام کیا مگر اُس نے مجھ کو نہ سلام کا جواب دیا نہ کوئی بات کی لیکن میں اس سے باتیں کرتا ہی رہا یہاں تک کہ اس کو بولنا پڑا۔ اور اس طرح گفتگو ہونے لگی

وہ عورت۔ اے خدا کے بندے تو کون ہے؟

حضرت ابوبکر۔ میں مہاجرین سے ہوں۔

وہ عورت۔ مہاجرین تو کثرت سے ہیں۔ تم کن لوگوں سے ہو؟

حضرت ابوبکر۔ قریش سے ہوں۔

وہ عورت۔ قریش بھی بہت ہیں۔ تم کون ہو؟

حضرت ابوبکر۔ میں ابوبکر ہوں۔

وہ عورت۔ میرے باپ ماں تم پر فدا ہوں۔ بات یہ ہے کہ زمانہ جاہلیۃ میں میرے اور ایک قوم کے درمیان کچھ ہو گیا تھا اس پر میں نے قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے ہم لوگوں کو عافیت بخشی تو جب تک حج نہیں کرونگی کسی سے باتیں نہیں کرونگی۔

قال - ان الاسلام هدم ذلك فتكلمي -
(کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۴۲)

حضرت ابوبکر - اسلام نے ایسی قسموں کو باطل کر دیا ہے - پس اب تو باتیں کر -

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر اس عورت کے ہاں کسی ضرورت سے گئے اور اس کو سلام کیا مگر آپ ایسے تھے کہ وہ عورت آپکو پہچانتی نہیں تھی - اس نے نہ آپ کے سلام کا جواب دیا نہ آپ سے باتیں کیں - نہ آپ کی طرف کوئی توجہ کی لیکن آپ نے خود اس سے باتیں کرنے کی بہت کوشش کی اور جب وہ مجبور ہو گئی تب وہ آپ کی طرف مخاطب ہوئی اور پوچھا کہ اے بندۂ خدا تو کون ہے - جب اس کو آپکا نام معلوم ہوا تب اس نے پہچانا - قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت کی خلافت کے زمانہ کا ہے - کیونکہ آپ کا نام سُن کر اس عورت کا آپ سے کہنا کہ "میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں" غالباً اس خوف سے تھا کہ اگر میں اس وقت آپ کی عزت نہیں کرونگی تو آپ مجھے سزا دیں گے یا مجھ پر کوئی سختی کریں گے - پھر آپ کا آخر میں حکم دینا کہ "اب تو باتیں کر" بھی بتاتا ہے کہ یہ کلام عہد حکومت ہی کا تھا - بعض اوقات لوگوں کی زبان سے آپ کے عہد خلافت میں بھی آپ کے متعلق ایسی باتیں نکل جاتی تھیں جو آپ کی شان کے خلاف ہوتیں - اور غالباً اس کا سبب آپ کے خاندانی حالات کا مقتضےٰ ہوتا تھا - جیسا کہ روایت ذیل سے پتا چلتا ہے -

عن ابی برزة الاسلمی قال اغلظ رجل لابی بکر الصدیق فقال ابو برزة الا اضرب عنقه فانتهره فقال ما هی لاحد بعد رسول الله صلے الله علیه وسلم (منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۶۶)

ابو برزہ اسلمی بیان کرتے تھے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق کو ان کے منہ پر سخت یا برا کہا - اس پر ابو برزہ کہنے لگے کیا میں اس شخص کی گردن نہ اُڑا دوں؟ مگر حضرت ابوبکر نے ان کو جھڑکا اور کہا حضرت رسولخدا صلعم کے بعد یہ بات کسی شخص کو حاصل نہیں ہے -

ابتداء اسلام میں آپ کے ساتھ کفار کا سلوک بہت سے مورخین نے ابتداء اسلام کا ایک واقعہ لکھا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خاندان عرب میں کس حیثیت کا تھا۔ ہم اس واقعہ کو مورخ جلیل علامہ دیار بکری کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ممدوح نے لکھا ہے:-

وکان حمزة بن عبد المطلب اسلم یوم ضرب ابو بکر و ذلک ان اصحاب رسول اللہؐ و رضی عنھم لما اجتمعوا وکانوا تسعة وثلاثین رجلا الح ابو بکر علی رسول اللہ ص فی الظھور فقال یا ابا بکر انا قلیل۔ فلم یزل یلح علیہ حتی ظھر رسول اللہ ص فی نواحی المسجد وقام ابو بکر فی الناس خطیبا و رسول اللہ ص جالس وکان اول خطیب دعاء الی اللہ عز وجل والی رسولہ ص وثار المشرکون علی ابی بکر

جناب حمزہ بن عبد المطلب اُسی روز مسلمان ہوئے جس روز حضرت ابوبکر پیٹے گئے تھے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے اصحاب جب اکٹھے ہو گئے اور وہ سب تعداد میں ۳۹ شخص تھے تو حضرت ابوبکر نے حضرت رسولخدا صلعم سے اصرار کرنا شروع کیا کہ ہم لوگوں کو اب ظاہر ہو جانا چاہیئے مگر آنحضرت صلعم فرماتے تھے اے ابوبکر ہم لوگ ابھی بہت کم ہیں لیکن حضرت ابوبکر کی ضد بڑھتی ہی گئی۔ یہاں تک کہ حضرت رسولخدا صلعم خانہ کعبہ میں ظاہر ہو گئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے خطبہ بیان کرنے لگے اور حضرت رسولخدا صلعم اسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ خطبہ بیان کر کے خدا و رسولؐ کی طرف لوگوں کو بلانے میں حضرت ابوبکر پہلے شخص تھے۔ یہ دیکھکر کفار مکہ حضرت ابوبکر اور دوسرے مسلمانوں پر

وعلى المسلمين يضربونهم في نواحي المسجد ضربا شديدا ووطئ ابوبكر وضرب ضربا شديدا ودنا منه الفاسق عتبة بن ربيعة فجعل يضربه بنعلين مخصوفتين ويحرفهما بوجهه واثر على وجه ابي بكر حتى مايعرف انفه من وجهه۔ وجاءت بنوا تيم تتعادى فاجلوا المشركين عن ابي بكر وحملوا ابا بكر في ثوب حتى ادخلوه بيته ولا يشكون في موته۔

(تاریخ خمیس مطبوعہ مصر جلد۲ صـ۳۳۲)

ٹوٹ پڑے اور مسجد کے اندر اُن لوگوں کو مارنے لگے۔ بہت سخت مار مار ماری اور حضرت ابوبکر تو لاتوں سے روند ڈالے گئے اور ان کو لوگوں نے بہت سختی سے مارا اور بدمعاش عتبہ بن ربیعہ حضرت کے پاس جا کر آپ کو پیوند لگی ہوئی دو جوتیوں سے مارنے لگا اور ان دونوں کو آپ کے منہ پر اُلٹ پلٹ کر لگاتا جاتا تھا اس کا اثر آپ کے چہرے پر اس قدر ہو گیا کہ آپ کے چہرے پر آپکی ناک کا پتا ہی نہیں ملتا تھا۔

یہ سُن کر آپ کے خاندان تیم والے بگڑتے ہوئے اس جگہ آئے اور حضرت ابوبکر کے پاس سے کفار مکہ کو ہٹایا اور ایک کپڑے میں حضرت ابوبکر کو لپیٹ کر اُٹھالے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کو آپ کے گھر کے اندر داخل کر دیا ان لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اس مار سے ابوبکر بچے نہیں بلکہ مر گئے ہیں (گویا وہ لوگ اپنے خیال میں آپکی لاش اُٹھا لائے)

یہ واضح ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم مسلمانوں کے سردار تھے اور خاص حضرت ہی سے کفار مکہ کو اصلی دشمنی تھی۔ مسلمانوں سے تو صرف اسی وجہ سے عداوت ہو گئی تھی

کہ وہ حضرت کا جن کو وہ لوگ دشمن سمجھتے تھے ساتھ کیوں دیتے اور حضرت کا مذہب کیوں اختیار کرتے تھے۔ اس وجہ سے جس قدر مخالفت یا عداوت آنحضرتؐ سے کی گئی کسی اور شخص سے نہیں ہوئی۔ پس اس موقع پر بھی کفار کو آنحضرت صلعم ہی پر حملہ کرنا اور حضرت ہی کے ساتھ بے ادبی کرنا چاہئے تھی درصورتے کہ حضرت اس جگہ موجود تھے۔ جیساکہ دوسرے مواقع پر کفار نے آنحضرتؐ کو بہت ستایا اور پریشان کیا۔ مگر اس موقع پر کفار کا حضرتؐ کو چھوڑ کر خاص حضرت ابوبکر پر زیادہ حملہ کرنا اور اس ذلت سے پیش آنا بتاتا ہے کہ کفار کو آپ کی خاندانی حیثیت کے لحاظ سے ایسی جرءت کرنے پر زیادہ غصہ آیا۔ اور اگرچہ ان لوگوں نے وہاں کے کل مسلمانوں کو جو ۳۹ تھے مارا مگر حضرت ابوبکر پر سب سے زیادہ غیظ و غضب کرنے سے سمجھ میں آتا ہے کہ آپ ہی سب سے زیادہ کمزور اور حقیر سمجھے گئے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے آپ کو اس قدر مارا کہ ناک کا پتا نہیں ملتا تھا اور آپ کے قبیلہ والے تو آپ کو مردہ سمجھ کر وہاں سے اُٹھا لائے۔ حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ بھی کفار مکہ نے بہت بے ادبی کی مگر اس قسم کی توہین و تحقیر کا برتاؤ کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا۔ پس اگر حضرت ابوبکر کو بھی خاندانی وجاہت حاصل ہوتی یا آپ کا قبیلہ بھی عرب میں معزز سمجھا جاتا تو خاص آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی۔

حضرت ابوبکر نے تو صرف خطبہ شروع کیا تھا اس پر کفار مکہ نے آپ سے یہ سلوک کیا مگر اسی زمانہ میں حضرت حمزہ نے کفار پر حملہ کیا لیکن آپ کی خاندانی عظمت و جلالت کی وجہ سے کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ آپ کے مقابلہ میں آتا۔ علامہ دیار بکری نے لکھا ہے ان النبیؐ کان جالسا عند الصفا فمر به ابوجهل فشتمه واذاه وقال فيه بعض ما يكره من العيب لدينه والتضعيف لامره فلم يكلمه رسول اللهؐ واذا مولاة لعبد الله بن جدعان فی مسكن لها تسمع ذلكؕ ثم انصرف ابوجهل عنه فعمد الی نادی قريش عند الكعبة فجلس معهم فلم يلبث حمزه بن عبد المطلب ان اقبل متوشحا قوسه راجعا عن قنصه وكان اذا رجع

من قنصه لم یصل الی اهله حتی یطوف بالکعبة وکان اذا فعل ذلک لم یمر علی ناد من قریش الا وقف وسلم وتحدث معهم فلما مر بالمولاة وقد رجع رسول اللّٰہ الی بیته قالت له یا ابا عمارة لو رأیت ما لقی ابن اخیک محمد آنفا من ابی الحکم بن هشام ـ وجده ههنا جالسا فآذاه وسبه وبلغ منه ما یکره ثم انصرف عنه ولم یکلمه محمد ـ فاحتمل حمزة الغضب لما اراد الله به من کرامته وکان اعز فتی فی قریش واشدها شکیمة ـ فخرج یسعی لم یقف علی احد معد الا بی جهل اذ القیه ان یوقع به ـ فلما دخل المسجد نظر الیه جالسا فی القوم ـ فاقبل نحوه حتی اذا قام علی رأسه رفع القوس فضربه بها فشجه شجة منکرة وقال اتشتمه وانا علی دینه ـ اقول ما یقول فاردد ذلک علی ان استطعت ـ فقامت رجال من بنی مخزوم الی حمزة لینصروا ابا جهل فقال ابوجهل دعوا ابا عمارة فانی والله سببت ابن اخیه سبا قبیحا وتم حمزة علی اسلامه وعلی مبایعة النبی فلما اسلم حمزة عرفت قریش ان رسول اللّٰہ قد عز وامتنع وان حمزة سیمنعه فکفوا عن بعض ما کانوا ینالون من النبی ـ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم صفا کے پاس بیٹھے تھے ـ وہاں سے ابوجہل گذرا اس نے حضرتؐ کو گالی دی ـ اذیت پہونچائی اور حضرتؐ کے مذہب کو بُرا کہا ـ مگر حضرتؐ نے اس کو کچھ جواب نہیں دیا ـ اتنے میں (حضرت رسولخدا صلعم کے چچا) جناب حمزہ اس طرف سے گزرے آپکو خبر ہو گئی کہ ابوجہل نے یہ بے ادبی کی ہے تو آپ دوڑتے ہوئے ابوجہل کے پاس پہونچے اور اپنی کمان سے اس کے سر پر اس طرح مارا کہ اُس کا سر پھٹ گیا ـ اس پر بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد کو کھڑے ہو گئے مگر اس نے خود کہا کہ جناب حمزہ کو چھوڑ دو میں ہی نے ان کے بھتیجے کو بُرا کہا تھا ـ پھر فوراً جناب حمزہ مسلمان ہو گئے جس سے قریش کو معلوم ہو گیا کہ اب رسول اللہ اور مضبوط ہو گئے ـ آپ کے دین کو استحکام ہو گیا اور جناب حمزہ بھی آپ کی حمایت

کریں گے جن کی وجہ سے رسولؐ سے اُن کی بے ادبی اور گستاخی کم ہوگئی (تاریخ خمیس جلد ا صـ۳۳۱)

قابل ملاحظہ ہے کہ تقریباً ایک ہی زمانہ کے دونوں واقعہ ہیں حضرت ابوبکرؓ صرف کچھ خطبہ دینا چاہتے تھے مگر اس قدر پیٹے گئے - اور جناب حمزہ خود قریش کے معزز سردار کے سر کو زخمی کر دیتے ہیں لیکن کوئی شخص کچھ نہیں کرتا ہے - اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ قریش کو یقین ہوگیا کہ حضرت حمزہ کے اسلام سے جناب رسولخدا صلعم کی قوت بڑھ گئی اور آپ کا دین مستحکم ہوگیا - مگر کسی کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ابوبکر کے اسلام سے بھی قریش نے سمجھا ہو کہ حضرت رسولخدا صلعم کی قوت میں کچھ اضافہ ہوا اور غالباً اس کی وجہ یہی ہو کہ حضرت حمزہ قریش کے معزز ترین قبیلہ سے تھے اور حضرت ابوبکر معمولی قبیلہ سے -

اعلےٰ خاندان اور معمولی خاندان کا فرق

مذکورہ بالا دونوں واقعوں سے غور ہیں حضرات بسہولت اس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں کہ اگرچہ کفار قریش اسلام کی وجہ سے حضرت رسولخداؐ اور دوسرے بنی ہاشم کے بھی دشمن تھے اور حضرت ابوبکر کے بھی - مگر دونوں کی ایذا رسانی میں فرق تھا - حضرت رسولخدا صلعم یا دوسرے بنی ہاشم سے ان کی مخالفت دوسرے رنگ کی تھی - حضرت ابوبکر سے اور عنوان کی - حضرت رسولخدا صلعم کی مخالفت میں عظمت و جلالت کی شان نظر آتی ہے اور حضرت ابوبکر کے بارے میں نفرت و حقارت کا انداز دکھائی دیتا ہے - دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم یا دوسرے بنی ہاشم کی مخالفت سے واضح ہوتا ہے کہ کسی بادشاہ یا سردار سے اس کی رعایا یا ماتحت قوم بگڑ گئی ہے اور اس کے جدید احکام کی وجہ سے اس سے بغاوت پر آمادہ ہو کر ان احکام کو موقوف کرانا چاہتی ہے - اور حضرت ابوبکر کے ساتھ ان کا جو برتاؤ تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی مالک اپنی بے ادب رعایا کی سرتابی اور سرکشی سے غضب ناک ہو کر اس کو سزا دینی چاہتا اور بتانا چاہتا ہے کہ تجھ کو ہمارا مطیع ہو کر رہنا پڑے گا -

خود حضرت ابوبکر اپنے خاندان کو کیسا سمجھتے تھے ہمارے اس خیال کی تائید خود حضرت ابو بکر کے اقوال وافعال سے کافی طور پر ہوتی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے:۔

ان ابا سفیان اتے علے سلمان وصہیب وبلال فی نفر فقالوا ما اخذت سیوف اللہ من عنق عدو اللہ ماخذھا فقال ابو بکر اتقولون ھذا الشیخ قریش وسیدھم واتی النبیؐ فاخبرہ فقال یا ابا بکر لعلک اغضبتھم لئن کنت اغضبتھم لقد اغضبت ربک جلّ و علا ۔ ایک دفعہ ابو سفیان جناب سلمان وصہیب و بلال کے پاس آیا تو ان لوگوں نے کہا کیا خدا کی تلواروں نے اس دشمن خدا کا کام ابھی تک تمام نہیں کیا؟ اس پر حضرت ابو بکر بول پڑے ایں! تم لوگ ایسی بات اُس شخص کے بارے میں کہتے ہو جو قریش کا بزرگ اور سردار ہے۔ پھر وہ حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں آئے اور یہ واقعہ ذکر کیا۔ تو حضرتؐ نے فرمایا اے ابو بکر معلوم ہوتا ہے تم نے ابوسفیان کی مدح کر کے اُن لوگوں کو غضب ناک کر دیا۔ اگر واقعاً ان کو تم نے غضب ناک کیا تو یقیناً تم نے خدائے عزّ و جلّ کو غضب ناک کیا (استیعاب جلد ۲ صہ ۵۸۲ مطبوعہ حیدر آباد حال سلمان فارسیؓ۔ یہی روایت بعینہا صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۳۰۴ میں بھی ہے)۔ یہ روایت قابل غور ہے کہ جناب سلمان۔ جناب صہیب وغیرہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ ابوسفیان ابھی مسلمان نہیں ہوا ہے اور مسلمانوں کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا جاتا ہے۔ اس کو دیکھ کر جناب سلمان وغیرہ کی زبان سے اس کے متعلق ایک جملہ نکل جاتا ہے تو حضرت ابو بکر ان سب پر بگڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قریش کے سردار کی شان میں ایسی بات نہیں کہنی چاہیے کیا اس سے پتا نہیں چلتا کہ خود حضرت ابو بکر اپنے کو۔ اپنے خاندان کو اور اپنی قوم کو ابوسفیان کے مقابلہ میں کیا سمجھتے تھے!!!

صلح حدیبیہ میں عروہ ثقفی کا کلام مورخین و محدثین نے ذکر صلح حدیبیہ میں بھی ایک شخص کی گفتگو نقل کی ہے جس سے حضرت

کی نسبی حالت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ علامہ ابن اثیر کے الفاظ میں اس کو سنئے:۔
فقام عروۃ بن مسعود الثقفی فقال ان ھذا الرجل عرض علیکم خطۃ رشد فاقبلوھا دعونی آتہ۔ فقالوا آتہ۔ فاتاہ وکلمہ فقال لہ یا محمد جمعت اوباش الناس ثم جئت بھم وایم اللہ لکأنی بھولاء قد تکشفوا عنک غدا۔ فقال ابوبکر امصص بظر اللات انحن ننکشف عنہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں کفار مکہ کی طرف سے ایک شخص عروہ حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں آیا اور کہا اے محمد آپ ان اوباش کو لیکر مکہ والوں سے لڑنے آئے ہیں لے میں دیکھتا ہوں کہ کل لڑائی ہوگی تو یہ لوگ آپکو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر بولے امصص بظر اللات انحن ننکشف عنہ۔ جائیے آپ لات کا ... چوسئے۔ کیا ہم ایسے ہیں کہ حضرت کو لڑائی میں چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ (تاریخ کامل جلد ۲ صـ ۱۷۶ وغیرہ) علامہ طبری نے ان الفاظ میں اس کو لکھا ہے فواللہ انی لاری وجوھا واشوابا[۲] من الناس خلقا ان یفروا ویدعوک فقال ابوبکر امصص بظر اللات انحن نفر وندعہ عروہ نے کہا خدا کی قسم میں تو ایسے چہرے اور ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جن کی شان ہی بتاتی ہے کہ جنگ سے بھاگ جائیں گے اور آپ کو چھوڑ کر چل دینگے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے وہی جواب دیا (تاریخ طبری جلد ۳ صـ ۷۵)۔ مسند احمد میں ایک لفظ ایسا ہے جس سے اس روایت کے بہت سے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ قال وابوبکر الصدیق رضی خلف رسول اللہ صلعم قاعد فقال امصص الخ یعنی حضرت ابوبکر اُس وقت حضرت رسولخدا صلعم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے وہ بولے الخ (مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ۴ صـ ۳۲۴) جس سے واضح ہوا کہ عروہ نے آپ ہی کی طرف اشارہ کرکے وہ بات کہی اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکر ہی اس کے جواب میں بولے

لے جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے اَوباش۔ کمینے کم ذات لوگ (انوار اللغۃ پ ۲۶ صـ ۵) ۲ اشواب کا معنی بھی تقریباً وہی ہے۔ مولوی صاحب ممدوح نے لکھا ہے "اوباش لوگوں کو جمع کیا ہے جن کو اوشاب بھی کہتے ہیں (انوار اللغۃ پ ۲۶ صـ ۵)

اس گفتگو سے چند باتیں ثابت ہوئیں :- (۱) عروہ نے حضرت ابو بکر کو خاص طور پر اوباش ناس سے کہا (۲) اس کے اس کلام پر حضرت رسولخدا صلعم نے اعتراض نہیں کیا نہ اس کی تکذیب کی (۳) حضرت ابو بکر نے اس کے دوسرے جملہ کے متعلق اپنا جوش ظاہر کیا کہ بھلا ہم حضرتؐ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے مگر پہلے جملہ کے متعلق جو آپ کے خاندانی یا نسبی حال کے بارے میں تھا آپ کچھ نہ بول سکے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

ابو قحافہ کا اقرار خود حضرت کے والد ماجد جناب ابو قحافہ کے بیان سے بھی آپکی نسبی حالت پر روشنی پڑتی ہے ۔ مورخین و محدثین نے لکھا ہے ان اباقحافة لما سمع بولاية ابنه قال هل رضي بذلك بنو عبد مناف وبنو المغيرة قالو انعم ۔ قال لا واضع لما رفعت ولا رافع لما وضعت ۔ جب جناب ابو قحافہ نے سُنا کہ ان کے صاحب زادے ابو بکر خلیفہ بنا دیئے گئے ہیں تو انھوں نے (تعجب سے) پوچھا کیا انکی حکومت پر قبیلہ عبد مناف (بنی ہاشم و بنی امیہ) اور بنو مغیرہ راضی ہوگئے ہیں ؟ لوگوں نے کہا ہاں ۔ تب اُنھوں نے کہا دنیا جس کو بلند کرے اس کو کوئی پست نہیں کر سکتا اور جس کو دنیا پست کرے اس کو کوئی بلند نہیں کر سکتا (صواعق محرقہ ص۲ و تاریخ الخلفاء ص ـ) اور علامہ مسعودی نے لکھا ہے:۔

بلغ ابا بکرؓ عن ابی سفیان صخر بن حرب امر فاحضرہ واقبل یصیح علیه یعنی حضرت ابو بکر کو معلوم ہوا کہ ابو سفیان نے ان کے خلاف کوئی بات کہی ہے ۔ تو اس کو اپنے پاس بُلایا اور اس پر چیخنے لگے ۔

واقبل ابو قحافة فسمع صیاح ابی بکر فقال لقائدہ علی من یصیح ابنی ۔
فقال له علی ابی سفیان فدنا من ابی بکر وقال له اعلی

اتنے میں ابو قحافہ بھی وہاں آگئے اور ابو بکر کے چیخنے کو سُن لیا تو (چونکہ اندھے تھے) اپنے لکڑی پکڑنے والے سے کہا:۔

ابو قحافہ ۔ میرا بیٹا کس پر چیختا ہے ۔
لکڑی پکڑنیوالا ۔ ابو سفیان پر ۔

ابی سفیان ترفع صوتک یا عتیق - لقد تعدیت طورک وجزت مقدارک - فتبسم ابو بکر ومن حضرہ من المهاجرین والانصار و قال له یا ابت ان الله قد رفع بالاسلام قوما واذل به آخرین (تاریخ مروج الذهب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۵ ص۱۰۰)

یہ سُن کر ابو قحافہ ابو بکر کے پاس پہونچے اور کہا:-

ابو قحافہ - کیوں عتیق (ابو بکر) کیا تم ابوسفیان پر اپنی آواز بلند کر رہے ہو؟ یقیناً تم اپنے طور وطریقہ سے باہر ہو گئے اور اپنی حد سے بہت زیادہ بڑھ گئے !!!

اس پر حضرت ابو بکر اور ان کے پاس جو لوگ مہاجرین وانصار سے موجود تھے سب مسکرانے لگے۔

پھر حضرت ابو بکر نے ان سے کہا:-

ابو بکر - ابا جان! خدا نے اسلام کی وجہ سے ایک قوم کو معزز کر دیا اور اس کی وجہ سے دوسری قوم کو ذلیل کر دیا۔

اس گفتگو میں قابل غور امر یہ ہے کہ ابو قحافہ کو اس سے پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت ابو بکر خلیفۂ رسولؐ بنا دیئے گئے ہیں اور اس وقت پوری سلطنت اسلام ان کے قبضہ میں آ گئی ہے۔ اس سے وہ پہلے ہی سمجھ گئے ہونگے کہ اب حضرت ابو بکر سب کے حاکم وافسر اور دوسرے لوگ ان کے محکوم وماتحت ہو گئے۔ ان کو اختیار ہے کہ جس شخص کے ساتھ جو برتاؤ چاہیں کریں کوئی ان سے کچھ بھی پوچھنے والا نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ان پر دونوں خاندانوں کی عزت وذلت کا یہ گہرا نقش شروع سے قائم تھا کہ جب انھوں نے دیکھا کہ ان کے صاحب زادے ابوسفیان سے بلند آواز میں گفتگو کر رہے ہیں تو گھبرا گئے اور حضرت ابو بکر سے بگڑ کر کہنے لگے کہ تم اپنے کو بھول گئے کہ حقیقت میں کیا ہو اور ابوسفیان سے جو عزت میں تم سے کس درجہ بڑے ہیں اس طرح بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہے ہو؟

اس پر حضرت ابو بکر اور وہاں جو دوسرے مہاجرین وانصار تھے اونھوں نے ابو قحافہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ ابوسفیان سے کیوں بلند آواز میں گفتگو نہ کریں۔ وہ ہم سے کس بات میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ہم ان سے کب پست تھے جس کا اثر ہم پر ہو۔ اور نہ یہ کہہ سکے کہ ہم اپنے کس طور وطریقہ سے باہر ہو گئے اور اپنی کس حد سے بڑھ گئے

بلکہ جو جواب دیا وہ حقیقت میں اس کی تصدیق تھی کہ واقعاً ہم بہت پست تھے۔ ہماری کوئی عزت نہیں تھی۔ البتہ اسلام کی وجہ سے ہماری وہ خاندانی ذلت مٹ گئی اور آج خلیفہ مسلمین ہو جانے کی وجہ سے ہمارا درجہ بلند ہو گیا۔

ابو سفیان کا حضرت ابوبکر کو اذل قریش کہنا یہ واضح ہے کہ ابو سفیان قریش کا بڑا سردار اور بزرگ تھا اور حضرت ابوبکر سے اس کو کوئی خاص عداوت نہیں تھی۔ اسلام کے قبل وہ حضرت رسولخدا صلعم کا سخت اور دوسرے مسلمانوں کا معمولی دشمن تھا مگر اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے لئے سب مسلمان برابر تھے۔ اور حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تب بھی اُس کو اُن سے اختلاف کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی کیونکہ حضرت ابوبکر خلیفہ ہوتے یا حضرت علیؑ۔ دونوں ہی اسکے خاندان سے علیحدہ تھے۔ مگر حضرت ابوبکر کی خاندانی حالت کا ابو سفیان پر یہ اثر تھا کہ جب ان کے خلیفہ ہونے کی خبر سُنی تو اپنے آپے سے باہر ہو گیا اور شور مچاتا پھرتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہا:۔

ما بال هذا الامر فی اقل حیّ من قریش (طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۲)	اس خلافت کی کیا حالت ہو گئی کہ قریش کے سب سے گھٹیا شخص کو دے دی گئی؟

ایک دفعہ یہ کہا۔

ما لنا و لابی فصیل[1] انما هی بنو عبد مناف۔	ہم لوگوں کو اس اونٹ یا گائے کے بچے سے کیا واسطہ؟ یہ تو صرف خاندان بنی عبد مناف میں رہنا چاہیے۔

کسی وقت کی حالت لکھی ہے کہ وہ جوش میں بول اٹھتا تھا لما اجتمع الناس علے بیعة ابی بکر اقبل ابو سفیان و هو یقول واللہ انی لاری عجاجة لا یطفئها الا دم یا آل عبد مناف فی ما ابو بکر من امورکم۔ جب ابوبکر کی خلافت پر لوگوں کی رائے ہو گئی تو

---

[1] کئی دفعہ لوگوں نے حضرت ابوبکر کو ابو فصیل کہا ہے۔ فصیل کا معنے اونٹ یا گائے کا وہ بچہ جو اپنی ماں سے جدا کر دیا جائے۔ بکر بھی جوان اونٹ کو کہتے ہیں۔ شاید مطلب یہ ہو کہ یہ اونٹ کے باپ ہیں۔ (انوار اللغة پارہ ۸ ۲۰ صفحہ ۲۳)

ابوسفیان آگے بڑھا اور کہا خدا کی قسم میں ایسا غبار دیکھتا ہوں جس کو خون ریزی کے سوا کوئی چیز دبا ہی نہیں سکتی ہے۔ اے بنی ہاشم۔ اے بنی امیہ تم لوگوں پر ابوبکر کیسے خلیفہ ہو سکتے ہیں؟ (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۰۳) اور علامہ سیوطی نے لکھا ہے۔

جاء ابوسفیان ابن حرب الی علی فقال ما بال هذا الامر فی اقل قریش قلة واذلها ذلا یعنی ابا بکر (تاریخ الخلفاء ص ۴۵)	جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہو گئے تو ابوسفیان حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس خلافت کی کیا گت بن گئی جو قلت اور ذلت دونوں اعتبار سے قریش کے سب سے چھوٹے

اور سب سے ذلیل شخص یعنی ابوبکر کے سپرد کردی گئی !!!

اور علامہ علی متقی نے اس امر کی بہت سی روایتیں لکھی ہیں مثلاً:۔

ان اباسفیان جاء الی علی فقال یا علی بایعوا رجلا اذل قریش قبیلة (کنز العمال جلد ۳ ص ۱۴۰)	ابوسفیان حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہا اے علیؑ! کیا ان لوگوں نے ایسے شخص کی بیعۃ کرلی جو قریش میں سب سے زیادہ ذلیل ہے؟

ابوسفیان کو اسکی ایسی بے چینی تھی کہ صرف حضرت علیؑ ہی نہیں بلکہ دوسروں سے بھی اس اندھیر پر تعجب کرتا تھا۔ مثلاً علامہ مذکور ہی نے لکھا ہے:۔

دخل ابوسفیان علی علی والعباس فقال یا علی وانت یا عباس ما بال هذا الامر فی اذل قبیلة من قریش (کنز العمال جلد ۳ ص ۱۴۱)	ابوسفیان حضرت علیؑ اور حضرت عباس (عم رسولؐ) کے پاس آیا اور کہا اے علیؑ اے عباس اس خلافت کی مٹی کیسی پلید ہوگئی کہ یہ اس شخص کے حوالہ کردی گئی جو قریش میں

سب سے زیادہ ذلیل ہے۔

ابوسفیان حضرت ابوبکر کو صرف اذل قریش (قریش کے سب سے زیادہ ذلیل شخص) ہی نہیں کہتا بلکہ ارذل قریش (قریش کے سب سے رذیل شخص) ایسے سخت جملہ سے بھی یاد کرتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے اپنی مشہور کتاب در حالات صحابہ میں لکھا ہے:۔

لما بویع لابی بکر جاء ابوسفیان بن حرب الی علی فقال غلبکم علی هذا الامر	جب حضرت ابوبکر کی بیعۃ کرلی گئی تو ابوسفیان حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہا اس معاملہ میں

ارذل بیت فی قریش (استیعاب جلد ۱ صـ۳۴۵)	کیا وہ شخص تم پر غالب آگیا جو قریش میں سب سے زیادہ رذیل خاندان کا ہے؟ [۱]

اور علامہ ابن عبدربہ اندلسی نے لکھا ہے۔

اول من قدم مکۃ بوفاۃ رسول اللہ صلعم وخلافۃ ابی بکر عبد ربہ بن قیس بن السائب المخزومی فقال لہ ابو قحافہ من ولی الامر بعدہ۔ قال ابو بکر ابنک ۔ قال فرضی بذلک؟	حضرت رسول خدا صلعم کے انتقال پر مکہ معظمہ میں سب سے پہلے عبدربہ مخزومی پہونچا تو اس سے ابو قحافہ سے یہ باتیں ہوئیں:۔ **ابو قحافہ** ۔کیوں عبدربہ! رسولخدا کے بعد ان کا خلیفہ کون ہوا؟

[۱] ذلیل اور رذیل گو قریب قریب ایک ہی معنے میں مستعمل ہوتے ہیں مگر پھر بھی دونوں میں باریک سا فرق ہے۔ ذلیل ذلت سے نکلا ہے جس کا معنے پیشوائے اہلسنت جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے یہ لکھا ہے" ذُل۔ یا ذلالۃ ۔ یا ذلۃ ۔ یا مذلۃ یا ذلالۃ ۔ رسوائی ۔ بے آبروئی یہ ضد ہے عزت کی" (انوار اللغۃ پارہ ۹ صـ۲۴) اور رذیل نکلا ہے رذل سے۔ اسکے متعلق جناب مولوی صاحب موصوف نے لکھا ہے " رذل ۔ ذلیل کرنا ۔ رذیل کمینہ خوار ... ارذل کمینہ ۔ ہر خراب چیز" (انوار اللغۃ پ۱ صـ۶۷)۔ اس سے وہ خفیف فرق معلوم ہو سکتا ہے جو دونوں لفظوں میں ہے ۔یعنی جو شخص عزت سے محروم ہو۔ لوگ اس کی قدر نہ کریں ۔ اسکی تعظیم نہ کریں ۔ اس کو حقیر جانیں وہ ذلیل ہے۔ یعنی اس کی ذلت زیادہ تر دوسروں کے اس برتاؤ کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے جو اس شخص کے ساتھ کرتے ہیں۔ اگر دوسرے لوگ اس کو ذلیل نہ خیال کریں اسکو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں تو اس کی واقعی ذلت نمایاں نہ ہو۔ اور رذیل وہ شخص ہوا جس میں دوسروں کے برتاؤ سے قطع نظر کرکے ذاتی کمینگی اور خواری ہو۔ خواہ وہ کمینگی اس کے خاندان سے اس کو حاصل ہوئی ہو یا اس کے والدین کی طرف سے یا اس کے ذاتی افعال و حرکات سے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ رذیل کا درجہ ذلیل سے پست تر ہے واللہ اعلم بالصواب ۱۲

بنو عبد مناف - قال نعم - قال لامانع لما اعطى الله ولا معطى لما منع الله (عقل فرید جلد ۲ ص ۱۹۶)	عبد ربہ - تمہارے ہی صاحب زادے ابوبکر - ابوقحافہ - تو کیا اس پر بنو ہاشم اور بنو امیہ راضی ہو گئے؟

عبد ربہ - ہاں -
ابوقحافہ - بات یہ ہے کہ خدا جس کو دے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس کو نہ دے اس کو کوئی دے نہیں سکتا - انتھی

اس سے بھی واضح ہوا کہ جناب ابوقحافہ اپنے قبیلہ اپنے خاندان - اپنی ذات اور اپنے فرزند کی حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے اور جب دفعتہً یہ حیرت انگیز خبر سنی کہ انھیں کے صاحب زادے کو یہ حکومت مل گئی تو گھبرا گئے اور تعجب سے پوچھنے لگے کہ اور قبیلہ تو خیر مگر کیا اس پر بنو ہاشم اور بنو امیہ بھی راضی ہو گئے؟ جب اس کا جواب بھی اثبات میں ملا تو کہا خدا جس کو چاہے حکومت دے دے - کون روک سکتا ہے -

ابوسفیان کا مدینہ کی گلیوں میں گھوم کر کہتے پھرنا

ابوسفیان کو اس انتخاب سے جو غصہ تھا وہ پہلے مذکور ہو چکا - ایک عبارت اور ملاحظہ ہو جس سے کچھ اور حقیقتیں واضح ہونگی - علامہ ابن عبد ربہ اندلسی نے لکھا ہے :-

توفی رسول الله ؐ و ابو سفیان غائب فی مسعاۃ اخرجہ فیہا رسول الله ؐ فلما انصرف لقی رجلا فی بعض طریقہ مقبلا من المدینۃ فقال لہ مات محمد - قال نعم - قال فمن قام مقامہ - قال ابوبکر - قال ابو سفیان فما فعل المستضعفان علی والعباس قال جالسین - قال اما والله لئن بقیت لہما لارفعن من اعقابہما - ثم قال	جب حضرت رسول خدا صلعم نے انتقال فرمایا تو ابوسفیان مدینہ سے باہر ایک کام پر گیا ہوا تھا جہاں اس کو حضرت رسول خدا صلعم نے بھیجا تھا - جب وہاں سے پلٹا تو ایک شخص کو دیکھا کہ مدینہ سے آرہا ہے - اس سے اس طرح باتیں ہوئیں :- **ابوسفیان** - کیوں بھائی محمدؐ مر گئے؟ **وہ شخص** - ہاں - **ابوسفیان** - پھر ان کی جگہ کون حاکم ہوا؟ **وہ شخص** - حضرت ابوبکر -

انی لاری غبیرۃ لا یطفئہا الا الدم
فلما قدم المدینۃ جعل یطوف
فی ازقتہا و یقول ؎

بنی ہاشم لا تطمع الناس فیکم۔
ولا سیما تیم بن مرۃ او عدی
فما الامر الا فیکم والیکم۔
ولیس لہا الا ابو حسن علی

فقال عمر لابی بکر ان ہذا قد قدم وہو
فاعل شر او قد کان النبی صلعم یستألفہ
علی الاسلام فدع لہ ما بیدہ
من الصدقۃ۔ ففعل (عقد فرید
مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۹۶)

ابوسفیان۔ اس پر وہ دونوں جو بہت کمزور سمجھے گئے ہیں یعنی حضرت علیؑ و عباسؓ نے کیا!

وہ شخص۔ دونوں بیٹھ رہے ہے۔

ابوسفیان۔ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو ان دونوں کو بلند کر کے رہوں گا (پھر کہا) میں اب فتنہ و فساد کا وہ غبار دیکھ رہا ہوں جس کو خون ریزی کے سوا کوئی چیز بھی دبا نہیں سکتی۔

پھر جب ابوسفیان مدینہ میں پہونچا تو اس کی گلیوں کوچوں میں گھوم گھوم کر اس واقعہ پر اپنے غصہ اور تعجب کا اظہار کرتا اور چند اشعار پڑھتا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ اے بنو ہاشم! لوگوں کو تم اپنے بارے میں طمع نہ دلاؤ۔ خاص کر بنو تیم (ابوبکر کے قبیلہ) اور بنو عدی (عمر کے قبیلہ) کو۔ کیونکہ یہ خلافت تمہارے خاندان کے سوا کسی میں نہیں رہنی چاہیئے اور تمہاری ہی طرف اس کی بازگشت ہونی چاہیئے اور اس خلافت کا حقدار حضرت ابوالحسن علیؑ کے سوا کوئی نہیں ہے۔
اس کے شور و غل پر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ لو یہ بھی یہاں آگیا یہ بڑا فساد مچائیگا۔ اسی وجہ سے حضرت رسولخدا صلعم اس کی تالیف قلب فرماتے رہتے تھے۔ اب مصلحت یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں صدقہ کے جو امور ہیں ان کو اسی طرح رہنے دو۔ حضرت ابوبکر نے ایسا ہی کیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس طرح ابوسفیان حضرت ابوبکر کو خلافت کے لئے نا اہل اور انکی خاندانی حالت کی وجہ سے ناموزوں سمجھتا تھا اسی طرح اُس کو اس کا یقین بھی تھا کہ خلافت صرف بنو ہاشم کا حق ہے۔ اسی خاندان میں اس کو رہنا چاہیئے اور وہی لوگ اس خدمت کو انجام دے سکتے ہیں پھر صاف صاف کہدیا کہ بنو ہاشم میں بھی سوا حضرت امیرالمومنین علیؑ کے کوئی اس کا مستحق نہیں ہے۔ اگرچہ وہ بنو امیہ کا سردار تھا اور خاندان بنو امیہ کی عداوت خاندان بنو ہاشم سے مشہور ہے۔ ایسی حالت میں اس کو خوش ہونا چاہیئے تھا کہ اس کا دشمن

خاندان اس پر حاکم نہ ہو سکا۔ اس کو یہ عزت نہیں ملی اور وہ اب ہم پر جدید فخر نہیں کر سکتا ہے مگر حضرت ابوبکر کی خاندانی حالت اور نسبی درجہ نے اس کو ان تمام خیالات سے علحدہ کر کے خاص انھیں کی طرف متوجہ کر دیا کہ یہ کیوں اس جگہ پہونچ گئے۔ اسی نکتہ تک حضرت عمر ایسے دوربین کا دماغ بھی پہونچ گیا اور وہ ڈرے کہ ایسا نہ ہو اس کے فساد سے ہماری کل محنت ضائع و برباد ہو جائے۔ فوراً حضرت ابوبکر سے کہا پہلے اس کی روک تھام کرنی چاہئے۔ چنانچہ وہ تدبیر کارگر ہو گئی اور اٹھتا ہوا فتنہ دب گیا۔ مگر اس کی کل باتوں سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر کا نسب کیسا تھا اور قریش اس کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور یہی ہم کو یہاں دکھانا تھا۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ جب ابوسفیان حالت کفر میں بلکہ دشمن اسلام اور خون رسول خدا صلعم کا پیاسا تھا اور ملک عرب سے بہت دور گیا تھا۔ ہرقل کے سوال پر کہ محمد (مصطفےٰ) صلعم کیسے ہیں جھوٹ نہ بولا اور حضرتؐ کے متعلق کل باتیں صحیح صحیح بیان کر دیں[۱] حالانکہ وہاں اس کو اس کا اچھا میدان مل گیا تھا کہ حضرتؐ کے متعلق جس قدر چاہتا کذب و افتراء اور اتہام و بہتان کا پل باندھ دیتا۔ پھر بھی اس کی ذاتی عزت و شان نے اس کو اس برائی پر آمادہ نہیں کیا تو اب جب وہ مسلمان ہو چکا تھا اور خاص قریش کے حلقہ میں موجود تھا۔ حضرت ابوبکر کے متعلق کوئی جھوٹ بات زبان سے نہیں نکال سکتا تھا کیونکہ یہاں حضرت ممدوح کے جاننے والے بچے بچے تک موجود تھے۔ وہ فوراً اس کا جواب دیتے کہ تم غلط کہتے ہو حضرت ممدوح میں یہ عیب نہیں ہے۔ حضرت کی یہ عزت و شان ہے۔ حضرت ایسے معظم و محترم ہیں۔ مگر ابوسفیان کا تمام گلیوں اور سڑکوں پر چیخ چیخ کر کہنا کہ ابوبکر اذل قریش ہیں۔ ابوبکر ارذل قریش ہیں اور کسی کا اس پر چون و چرا نہ کرنا اس بات کو اچھی طرح واضح کرتا ہے کہ ابوسفیان جو کچھ کہتا تھا وہ بالکل واقعہ کے مطابق تھا اور کسی شخص کو اس پر اعتراض یا اس کی تکذیب کرنے کا موقع نہیں تھا۔ نہ اس کے بیان میں کسی قسم کا تامل کرنے کی گنجائش تھی۔

حضرت ابوبکر سے حضرت رسول خدا صلعم کی گفتگو ہم خود کچھ نہیں کہتے کہ حضرت ابوبکر ذلیل تھے یا عزیز مگر تاریخ و حدیث کی کتابوں سے

[۱] دیکھو کتاب ہذا ص ۹

معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے علاوہ بھی لوگ حضرت ممدوح سے اس طرح گفتگو کرتے تھے جو کسی شریف شخص کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ مثلاً حدیث و تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابوبکر میں ایک دفعہ اس طرح باتیں ہوئیں:۔

قال رسول اللہ ص یا ابا بکر ارأیت لو انک وجدت رجلا مع ام رومان کیف کنت صانعا۔ قال کنت واللہ فاعلا شرا (منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۴۶۲)

حضرت رسولخدا صلعم۔ کیوں ابوبکر! تمہارا کیا خیال ہے اگر تم اپنی بیوی ام رومان کے ساتھ کسی غیر مرد کو پاؤ تو تم اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرو گے۔

حضرت ابوبکر۔ یا حضرت خدا کی قسم میں اس کے ساتھ برا کروں گا۔

اگر یہ روایت کسی معمولی کتاب میں ہوتی تو ہم کو اس کے قبول کرنے میں تامل ہوتا مگر کنز العمال ایسے معتبر ذخیرہ احادیث میں ہونے سے اس پر یقین کرنا ضروری ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ آپ ایسے تھے کہ آپ کی بیوی کے متعلق اس قسم کا سوال کرنے میں کسی شخص کو تامل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے کہ اگر کسی شخص کو بھی یہ سوال برا معلوم ہوتا تو حضرت رسولخدا صلعم ایسے خلق مجسم بلکہ معلم مکارم اخلاق کو اور زیادہ برا معلوم ہوتا اور حضرت ان سے اس کو دریافت نہیں کرتے۔ بلکہ دوسرا شخص ایسی بات کہتا تو ناراض ہوتے۔

خاندان رسول سے خاندان حضرت ابوبکر کی عداوت زمانہ جاہلیت میں حضرت ابوبکر کے خاندان کو حضرت رسولخدا صلعم کے خاندان سے خاص عداوت بھی تھی۔ چنانچہ علامہ سیوطی و ابن حجر مکی و شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہ نے لکھا ہے:۔ ان بنی تیم و بنی عدی و بنی ھاشم کان بینھم فی الجاھلیۃ فلما اسلم ھولاء القوم تحابوا۔ یعنی (حضرت ابوبکر کے) قبیلہ بنو تیم اور (حضرت عمر کے) قبیلہ بنو عدی اور بنو ہاشم میں بزمانہ جاہلیت دشمنی تھی۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو ایک دوسرے کے دوست ہو گئے۔

(ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۲۰۱ و تفسیر درمنثور جلد ۴ ص ۱۰۱ و صواعق محرقہ ص ۳۱ وغیرہ)

مگر واقعات خلافت سے پوچھا جائے کہ کیا وہ دشمنی واقعاً زائل ہو گئی تھی؟

دوسری فصل

حالات اجداد و والدین و اخوات و دیگر اعزہ مخصوصین

جن بزرگ کی نسبی کیفیت وہ ہو جو اوپر لکھی گئی ان کے اجداد و آباء اور دوسرے رشتہ داروں کے حالات لکھنے کی کس کو فکر ہو سکتی ہے۔ اور آج ہم کسی خاص ضرورت سے ان کو تلاش کریں تو وہ ملیں کیونکر؟ ہم نے تاریخ و سیر کی کتابوں میں بہت جستجو کی مگر افسوس کچھ بھی کامیابی نہ ہو سکی۔ البتہ خاندان بنی ہاشم کی عظمت و جلالۃ ایسی تھی کہ ان کے ایک ایک شخص کی کچھ نہ کچھ حالت ضرور ملتی ہے۔ انھیں حضرات کے طفیل میں حضرت ابو بکر کے جد بزرگوار کا ایک قابل عبرت واقعہ ملتا ہے جس کو مورخ جلیل علامہ ابن اثیر جزری نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:۔

حضرت ابو بکر کے دادا کا ظلم اور حضرت عبد المطلب کا رحم

وکان لعبد المطلب جار یهودی یقال له اذینة یتجر وله مال کثیر فغاظ ذلک حرب بن امیة وکان ندیم عبد المطلب فاغری به فتیانا من قریش لیقتلوه ویاخذوا ماله فقتله عامر بن عبد مناف بن عبد الدار

حضرت عبد المطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام اذینہ تھا۔ وہ تجارت کرتا جس سے بہت دولت مند ہو گیا تھا۔ یہ بات حرب بن امیہ کو نہایت درجہ کھلی۔ اس کو بہت غیظ و غضب ہوا کہ اس یہودی کو اتنی دولت کیوں مل گئی۔ یہ حرب حضرت عبد المطلب کا مصاحب بھی تھا۔ اس نے اپنے حسد سے مجبور ہو کر قریش کے کچھ جوانوں کو آمادہ کیا کہ کسی طرح اس یہودی کو قتل کر دیں اور اس کا مال لوٹ لیں۔ اس پر دو شخصوں (۱) عامر بن عبد مناف بن عبد الدار اور (۲) حضرت ابو بکر کے جد بزرگوار صخر بن عمرو بن کعب تیمی نے مل کر اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔ حضرت عبد المطلب کو یہ حادثہ معلوم ہوا تو انھوں نے اس واقعہ

وصخر بن عمرو بن کعب التیمی جد ابی بکر رضی اللہ عنہ فلم یعرف عبد المطلب قاتلہ فلم یزل یبحث حتے عرفہما واذا ہما قد استجارا بحرب بن امیۃ۔ فاتے حرباً ولامہ وطلبہما منہ فاخفاہما۔ فتغالظا فی القول حتے تنافرا الی النجاشی ملک الحبشۃ۔ فلم ید خل بینہما۔ فجعلا بینہما نفیل بن عبد العزی العدوی جد عمر بن الخطاب۔ فقال لحرب یا ابا عمرو اتنافر رجلا ھو اطول منک قامۃ۔ واوسم وسامۃ۔ واعظم منک ھامۃ واقل منک ملامۃ۔ واکثر منک ولدا۔ واجزل

کی تحقیق شروع کی مگر ان کو کسی طرح پتا نہیں چلا کہ اس کا قاتل کون ہے۔ لیکن وہ برابر اپنی کوشش میں لگے رہے یہاں تک کہ پتا مل گیا کہ فلاں فلاں دو شخصوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ مگر وہ دونوں شخص (ابوسفیان کے باپ) حرب بن امیہ کی پناہ میں جا چکے تھے۔ تب حضرت عبد المطلب اسی حرب کے پاس گئے۔ اسکی ملامت کی کہ تم نے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے اور اس سے ان دونوں کو طلب کیا۔ لیکن حرب نے ان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا اور دونوں کو پوشیدہ کر دیا۔ اس پر جناب عبد المطلب اور حرب کے درمیان بات بڑھ گئی اور دونوں نے ایک دوسرے کو برا کہا اور اپنے کو دوسرے سے افضل بتایا۔ جب بات ختم نہیں ہوئی تو منافرۃ کی ٹھہری۔ دونوں نے کہا اچھا آؤ۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلیں اور اس سے فیصلہ کرائیں کہ ہم دونوں میں کس کا فخر بڑھا ہوا اور کون افضل ہے۔ یہ بات طے ہو گئی اور دونوں (جناب عبد المطلب و حرب بن امیہ) نجاشی کے ہاں گئے۔ مگر وہ ان کے بیچ میں نہیں پڑا اور فیصلہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ تب ان لوگوں نے مکہ معظمہ میں واپس آکر حضرت عمر بن الخطاب کے دادا نفیل بن عبد العزے عدوی کو پنچ مقرر کیا۔ اس نے فیصلہ دیتے وقت حرب ابن امیہ سے کہا کیوں ابو عمرو (حرب بن امیہ)! کیا تم ایسے بزرگ اور سردار سے مقابلہ و مفاخرہ کرنے چلے ہو جو قد و قامۃ میں تم سے بلند اور شان و شوکت جلال و جمال نیز

منك صفدا ۔ واطول منك مددا ۔ والى لاقول هذا وانك لبعيد الغضب رفيع الصوت فى العرب ۔ جلد المريرة لجبل العشيرة ولكنك نافرت منفرا ۔ فغضب حرب وقال من انتكاس الزمان ان جعلت حكما ۔ فترك عبد المطلب منادمة حرب ونادم عبد الله بن جدعان التيمى ۔ واخذ من حرب مائة ناقة فدفعها الى ابن عم اليهودى ۔ وارتجع ماله الاشيئا هلك ۔ فغرمه من ماله (تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۲)

عظمت و وجاہت میں تم سے افضل ہیں۔ جو عزت میں تم سے کہیں بڑھے چڑھے اور ذلت میں تم سے بہت ہی گھٹے ہوئے ہیں۔ جن کی اولاد تم سے زیادہ اور جن کی سخاوت و بخشش تم سے بڑھی ہوئی ہے۔ جو داد و دہش اور اقتدار و اختیار میں تم سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہیں۔

میں یہ سب کہہ رہا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم غیظ و غضب سے دور۔ عرب میں مشہور اور اپنی قوم کی حمایت کے لئے مضبوط رسّی ہو لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تم نے اس شخص سے مقابلہ و مفاخرہ کرنا چاہا جس کے سامنے تم بالکل ہی حقیر و ذلیل ہو (اس وجہ سے میرا فیصلہ بھی ایسا ہی ہوا) یہ سُن کر حرب بن امیہ کو غیظ آ گیا اور اس نے کہا یہ بھی اس منحوس زمانہ کا انقلاب ہے کہ تمہارے ایسا شخص اس معاملہ میں پنچ بنا دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت عبد المطلب نے حرب بن امیہ کو اپنی مصاحبت سے نکال دیا اور عبد اللہ بن جدعان تیمی کو مصاحب بنا لیا نیز آپ نے حرب بن امیہ سے سو اونٹنیاں وصول کیں اور ان سب کو اس مقتول یہودی کے چچازاد بھائی کے حوالہ کر دیا۔ اور اس یہودی کا کھویا ہوا مال سب بھی واپس مل گیا سوا چند چیزوں کے جو کسی طرح نہیں مل سکیں تو حضرت عبد المطلب نے اپنے مال سے ان چیزوں کا تاوان بھی اس یہودی کو ادا کر دیا (جس سے اس کی کل کمی پوری ہو گئی)

اس سے واضح ہوا کہ جب حرب بن امیہ نے قریش کے نوجوانوں کو آمادہ کیا کہ اس یہودی

کو قتل کر کے اس کا سب مال لوٹ لیں تو پورے قریش سے صرف دو شخصوں نے اسکو منظور کیا۔ ان دو سے ایک حضرت ابوبکر کے جد بزرگوار بھی تھے۔ قتل و غارت اور لوٹ مار ہر ملک اور ہر زمانہ میں رہا لیکن ہر جگہ اس کام کے لئے جس طبقہ کے لوگ آمادہ ہوتے ہیں انکی حالت محتاج بیان نہیں۔ قریش میں بھی اس شرمناک جرم کا ارتکاب کرنے کے لئے دو ہی آدمی طیار ہوئے جس سے یہ فیصلہ آسان ہے کہ وہ کس جماعت کے ہونگے۔

[1] خاص کر حضرت عبدالمطلب کو اس یہودی کی حمایۃ کا جوش کیوں پیدا ہوا۔ اس کی وجہ علامہ حلبی نے یہ لکھی ہے۔

فلما علم عبد المطلب بذلك ترك منادمة حرب ولم يفارقه حتے اخذ منه مائة ناقة دفعها لابن عم اليهودى حفظا للجوار (سیرۃ حلبیہ مطبوعہ مصر جلد ا صـ۴)

جب حضرت عبدالمطلب کو معلوم ہوا کہ حرب نے اس یہودی کو قتل کرا دیا تو اس کو اپنی مصاحبۃ سے الگ کر دیا۔ اور جب تک اس سے اس یہودی کا خوں بہا سو اونٹنیاں نہ لے لیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ اونٹنیاں انھوں نے اس یہودی کے چچازاد بھائی کے حوالہ کر دیں۔ اور یہ کارروائی آپ نے صرف پڑوس اور ہمسایگی کے حقوق کے پاس اور لحاظ میں کیا۔

حضرت رسولخدا صلعم نے ہمسایہ کے حقوق کو جس کثرت سے بیان کیا ہے اس کی تفصیل کرنے میں طول ہوگا۔ صرف ایک حدیث ملاحظہ ہو:۔

عن النبی ص قال ما زال جبرئیل ع یوصینی بالجار حتے ظننت انه سیورثه (صحیح بخاری پارہ ۲۴ صـ ۵۴۲)

حضرت رسولخدا صلعم ارشاد فرماتے تھے کہ جناب جبرئیل ع برابر مجھ سے ہمسایہ کے حقوق کے متعلق وصیتیں کرتے رہے یہاں تک کہ مجھ کو گمان ہونے لگا کہ اب شاید اس کی بھی وصیت کرینگے کہ ہمسایہ کو میراث سے بھی ملے گا۔

اس سے واضح ہوا کہ جن مکارم اخلاق کو پورا کرنے کے لئے حضرت رسولخدا صلعم مبعوث ہوئے تھے ان سے کچھ چیزوں کو حضرت کے آباء و اجداد پہلے ہی سے شائع کرتے رہتے

حضرت ابو قحافہ

حضرت ابو بکرؓ کے والد ماجد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے شروع ہی میں اسلام کا اعلان کر دیا حضرت رسول خدا صلعم کی صحبت میں رہنے لگے اور حضرتؐ سے اپنی بڑی خصوصیت ظاہر کی مگر کسی کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کو مسلمان کرنے کی کیا کوشش کی۔ اسلام کی حقیقت تسلیم کرنے اور حضرت رسول خدا صلعم کو دوست رکھنے کا مقتضےٰ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ حضرت ممدوح اپنے بزرگوں۔ اپنے اعزہ اور اپنے احباب کو خاص کر اسلام کی طرف بلانے اور شرک و بت پرستی سے باز رکھنے کی کوشش کرتے لیکن کل کتابوں کو چھان ڈالئے۔ تاریخ و سیرت کے ایک ایک حرف کو پڑھ جایئے کسی سے آپ کو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ حضرت ممدوح نے مسلمان ہو کر اپنے والدین کے مسلمان کرنے کی باقاعدہ جد و جہد کی ہو۔ آپ کوشش کرتے ان پر حقیت اسلام کے دلائل پیش کرتے۔ اس کے بعد وہ اپنے کفر پر مصر رہتے تو معلوم ہوتا کہ وہ اپنے خیال میں سخت تھے اور حضرت ممدوح بری الذمہ ہو جاتے لیکن کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے خود ہی اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ اسی وجہ سے ابو قحافہ یہ سمجھتے تھے کہ ابو بکرؓ خود مسلمان نہیں ہوئے نہ انھوں نے اسلام کو دین حق سمجھکر قبول کیا بلکہ لوگوں نے انکو بہکا کر مسلمان کرا دیا ہے جسکی تصدیق ذیل کی عبارت سے ہوتی ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی ایسے محدث جلیل نے لکھا ہے:۔

قال عبد اللہ لما خرج النبیؐ الی الغار ذہبت استخبر وانظر ھل احد یخبرنی عنہ فاتیت دار ابی بکر فوجدت اباقحافۃ	عبد اللہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم غار کی طرف تشریف لے گئے تو میں پتا لگانے اور یہ دیکھنے نکلا کہ کوئی شخص مجھے حضرت کے متعلق کوئی خبر دیتا ہے۔ یہ سوچ کر میں حضرت ابو بکرؓ کے گھر پہونچا۔ وہاں ان کے پدر بزرگوار ابو قحافہ کو پایا۔ انھوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰) اس سے آبا و اجداد انبیاء کے ایمان پر بھی روشنی پڑتی ہے ۱۲

فخرج علی ومعه ھراوۃ فلما رانی اشتد نحوی وھو یقول ھذا من الصباۃ الذین افسدوا علی ابنی (اصابہ جلد ۲ ص ۲۲)

مجھ کو دیکھا تو ایک ڈنڈا لئے ہوئے میرے پیچھے خوب تیز دوڑے اور کہتے تھے معلوم ہوتا ہے یہ بھی انھیں صابیوں[1] سے ہے جنہوں نے میرے بیٹے کو بہکا کر اس نئے دین میں داخل کر دیا ہے

اگر حضرت ابوبکر نے کبھی اپنے پدر بزرگوار سے اسلام قبول کرنے کو کہا ہوتا۔ ان کے سامنے حقیت اسلام اور بطلان کفر وبت پرستی کی دلیلیں بیان کی ہوتیں یا ان سے اس کے متعلق کسی قسم کا کلام کیا ہوتا تو وہ سمجھتے کہ ابوبکر نے خود غور وفکر کر کے اور سمجھ کر اس دین کو قبول کیا ہے۔ اور یہ نہ کہتے کہ لوگوں نے میرے بیٹے کو بہکا دیا ہے۔ ہاں جب فتح مکہ ہوا۔ حضرت رسولخدا صلعم کا وہاں قبضہ ہو گیا تو بہت سے اہل مکہ نے جان کے خوف سے اسلام قبول کر لیا۔ اسی وقت ابوقحافہ بھی مسلمان ہوئے۔

محبت مال کی ایک دلچسپ مثال جناب ابوقحافہ کا ایک واقعہ کتابوں میں مرقوم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو مال کی محبت کس درجہ ہوتی ہے اور اس کو لوگ اپنی اولاد سے بھی کس قدر زیادہ دوست رکھتے ہیں۔ علامہ علی متقی نے لکھا ہے:۔

کانت اسماء تقول لما صنعت لرسول اللہ وابی بکر سفرتھما وجد ابوقحافۃ ریح الخبز فقال ما ھذا۔ لای شئ ھذا۔ فقلت لا شئ۔ ھذا خبز عملناہ ناکلہ ثم انی لم اجد حبلا للسفرۃ فنزعت حبل منطقی وربطت

حضرت ابوبکر کی بیٹی اسمار کہتی تھیں کہ جب میں نے حضرت رسولخدا اور ابوبکر کے لئے ان کا کھانا طیار کیا اور دسترخوان میں باندھنا چاہا تو ابوقحافہ نے روٹی کی بو سونگھ لی۔ پوچھا یہ کیا ہے اور کیوں پکائی گئی ہے میں نے کہہ دیا کوئی چیز نہیں یہ روٹی ہے جس کو ہم لوگوں نے کھانے کے لئے پکائی ہے۔ پھر دسترخوان باندھنے کے لئے مجھے کوئی رسی نہیں ملی تو جس رسی سے میں اپنا پائجامہ باندھے ہوئے تھی اس کو کھینچ لیا اور

[1] کفار قریش مسلمانوں کو صابی کہتے تھے یعنی دین سے نکل جانے والے ۱۲

السفرۃ فلذلک سمیت ذات النطاقین فلما خرج ابوبکر جعل ابوقحافۃ یلتمسه ویقول قد فعلها خرج و ترک عیاله علی۔ و لعله قد ذهب بماله۔ وکان قد عمی۔ فقلت لا۔ فاخذت بیدہ فذهبت به الی جلد فیه اقط فمسه فقلت هذا ماله (منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۵۵)

دستر خوان باندھ دیا۔ اسی وجہ سے لوگ مجھ کو ذات النطاقین کہنے لگے۔ غرض جب حضرت ابوبکر مکہ سے جاچکے تو ابوقحافہ نے ان کو تلاش کرنا شروع کیا اور کہتے تھے کہ اس نے جو ارادہ کیا تھا آخر کرکے رہا۔ وہ ضرور ہجرت کرکے چلا گیا اور اپنے عیال کو میرے سر چھوڑ گیا اور غالباً وہ اپنا مال بھی ساتھ لیتا گیا۔ اس وقت ابوقحافہ اندھے ہو چکے تھے (اس وجہ سے مجھ کو موقع ملا) میں نے کہا نہیں وہ مال نہیں لے گئے ہیں۔ پھر میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ایک چمڑے میں کچھ پنیر رکھا تھا وہاں لے گئی۔ انھوں نے اس کو ٹٹولا تو میں نے کہا یہ کیا ان کا مال رکھا ہوا ہے۔

اس روایت کو دیکھکر، ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ ابوقحافہ نے روٹی کی بو سونگھی تو یہ کیوں پوچھا یہ کیا ہے اور کیوں پکائی گئی ہے؟ یہ تو وہاں پوچھتے ہیں جہاں کوئی نئی چیز پکی ہو اور کسی خاص تقریب میں پکی ہو۔ روٹی تو ہر روز پکتی ہے روزانہ اس کو کھاتے ہیں اور کوئی بھی نہیں پوچھتا کہ یہ کیا ہے اور کیوں پکی ہے؟ تو کیا یہ سمجھا جائے کہ اس گھر میں روٹی روزانہ نہیں پکتی تھی بلکہ کچھ اور چیزیں کھا کر لوگ بسر کرتے تھے۔ اور اس روز چونکہ حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابوبکر کے سفر کے لئے خاص طور پر روٹی پکائی گئی تھی اس وجہ سے اسکی نئی خوشبو جناب ابوقحافہ کے دماغ میں پہونچی اور گھبرا کر پوچھ بیٹھے کہ یہ کیا ہے اور کیوں پکی ہے۔ اور اسماء نے اصل وجہ کو چھپا کر کہہ دیا کوئی نئی بات نہیں ہے ہم لوگوں کا دل چاہا کہ آج روٹی کھائیں اس وجہ سے اس کو پکایا ہے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ انسان اپنے پوتوں کے خرچ کو اپنے اوپر بار ہونا ظاہر نہیں کرتا مگر ابوقحافہ اس سے پریشان ہیں کہ ابوبکر چلے گئے اور اپنے عیال کو ہمارے سر چھوڑ گئے۔

مسند احمد بن حنبل میں اس واقعہ کو دوسری طرح لکھا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:۔

اسماء بنت ابی بکر قالت لما خرج رسول اللہ وخرج معہ ابوبکر احتمل ابوبکر مالہ کلہ معہ خمسۃ آلاف درہم اوستۃ آلاف درہم قالت وانطلق بہا معہ قالت فدخل علینا جدی ابوقحافۃ وقد ذہب بصرہ فقال واللہ انی لاراہ قد فجعکم بمالہ مع نفسہ قالت قلت کلا یا ابت انہ قد ترک لنا خیرا کثیرا۔ قالت فاخذت احجارا فترکتہا فوضعتہا فی کوۃ البیت کان ابی یضع فیہا مالہ۔ ثم وضعت علیہا ثوبا ثم اخذت بیدہ فقلت یا ابت ضع یدک علی ہذا المال قالت فوضع یدہ علیہ فقال لا باس ان کان قد ترک لکم ہذا فقد احسن وفی ہذا لکم بلاغ

(مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۵۰)

اسماء دختر حضرت ابوبکر بیان کرتی تھیں کہ جب حضرت رسولخدا صلعم اور ابوبکر ہجرت کر کے چلے گئے تو ابوبکر اپنے ساتھ کل مال بھی جو پانچ چھ ہزار درہم تھا لیتے گئے۔ ان کے جانے پر میرے دادا ابوقحافہ ہم لوگوں کے پاس آئے۔ اس وقت وہ اندھے ہو چکے تھے۔ آکر انھوں نے کہا خدا کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ ابوبکر تم لوگوں کو مصیبت میں چھوڑ گئے کہ خود بھی گئے اور اپنا مال بھی لیتے گئے۔ اسماء کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی اے دادا وہ تو ہم لوگوں کے لئے بڑی دولت چھوڑ گئے ہیں۔ پھر میں نے کچھ پتھر لئے اور ان سب کو گھر کے ایک سوراخ میں جس میں اباجان اپنا مال رکھا کرتے تھے بھر دیا۔ اس کے بعد اس پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ اور دادا صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کہا داداجان ذرہ اپنا ہاتھ آپ اس مال پر رکھئے انھوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھ دیا۔ پھر کہا جب وہ تم لوگوں کے لئے اس قدر چھوڑ گئے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں بے شک وہ تم لوگوں پر احسان کر گئے ہیں اس میں تم لوگوں کی اچھی طرح سے بسر ہو جائیگی۔

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ اسماء نے پنیر پر ابوقحافہ کا ہاتھ رکھا اور دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے سوراخ میں پتھر بھر کر ان پر ممدوح کا ہاتھ رکھا اور دونوں روایتوں میں ہے کہ اسماء کی یہ چال کام کر گئی اور ابوقحافہ کو تسکین ہو گئی کہ ابوبکر اپنا مال چھوڑ گئے ہیں۔

مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ہوا کیوں کر۔ اس لئے کہ مال یا درہم ہوگا یا دینار۔ جو پنیر اور پتھر کی وضع صورت شکل سے بالکل علحدہ ہوتا ہے۔ پھر ان دونوں پر ہاتھ رکھنے سے ابوقحافہ کو یہ یقین کیوں کر ہو گیا کہ یہ مال ہے۔ آج کسی اندھے کا ہاتھ پنیر یا پتھر پر رکھکر اس سے کہا جائے کہ یہ روپیہ اور اشرفی ہے تو کیا وہ اس کو تسلیم کرے گا؟ ہاں ایسا ہی احمق اور بے عقل ہو تب شاید مانے۔

دوسری روایت سے ایک اور حیرت خیز بات معلوم ہوئی کہ باوجودیکہ ابوقحافہ اندھے ہو گئے تھے اور اپنی ضروریات میں دوسروں کے محتاج تھے پھر بھی حضرت ابوبکر ایسے سعید اور مالدار فرزند نے ان کو اپنے ساتھ نہیں رکھا بلکہ ان کو نا پرسانی اور بے بسی میں چھوڑ کر خود ان سے علحدہ دوسرے مکان میں صرف اپنے عیال کے ساتھ رہتے تھے۔ اسکی تائید دوسرے حالات سے بھی ہوتی ہے زمانہ حال کے ایک شیعہ عالم جلیل نے تحریر فرمایا ہے کہ "کتب تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پدر عالی مقدار خلیفہ اول کے چڑی ماری سے بسر اوقات کرتے تھے

وکان کسبہ من صید القماری والدباسی لا یقدر علی غیرہ فلما عمی وعجز ابنہ عن القیام بہ التجأ الی عبد اللہ بن جدعان من رؤساء مکۃ فنصبہ ینادی علی مائدتہ کل یوم لاحضار الاضیاف وجعل لہ علی ذلک ما یقوتہ من بقیۃ الطعام (رمی الجمرات جلد ۲ صـ ۳۰۲)	کسب جلیل ان کا شکار چڑیوں کا تھا اور قمری اور فاختہ پکڑ کر بیچتے تھے اور جب تک آنکھوں میں روشنی رہی تب تک اسی سے اوقات گزاری کرتے تھے۔ اور جب آنکھوں سے معذور ہو گئے اور خلف الصدق اُن کے حضرت صدیق ان کی خدمت گزاری سے عاجز ہوئے تو بناچاری ملتجی ہوئے طرف عبداللہ بن جدعان کے کہ وہ ایک مرد متنعم رؤساء مکہ سے تھا۔ پس اس نے یہ خدمت ان کے واسطے مقرر کی کہ ہر روز جب وقت کھانے کا ہوتا تھا تو اس کے کوٹھے پر چڑھ کر مہمانوں کو پکارتے تھے اور اجرت اس کی یہ تھی کہ جو کھانا پس خوردہ دستر خوان پر سے بچ جاتا تھا وہی کی کاسہ لیسی کرتے تھے (رمی الجمرات جلد ۲ صـ ۳۰۲)

مولانائے ممدوح نے اپنی اس کتاب میں جو لکھا ہے وہ اگرچہ معتبر کتب اہلسنت ہی سے ہے

اور اس کی جلد و صفحہ کا پتا بھی دیا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے ممدوح نے اس خاص واقعہ کے مشہور اور یقینی ہونے کی وجہ سے ان کتب تواریخ کے نام اور ان کی جلد و صفحہ کا حوالہ نہیں دیا جن میں خاص کر یہ واقعہ مرقوم ہے۔ اس وجہ سے ہم بھی ان کتابوں کا نام نہیں لکھ سکتے۔ اور حضرات اہلسنت کے بہت بڑے عالم جناب علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھا ہے:-

ان ارباب السیرة ذکروا انه لم یکن ینفق علی ابیه شیئا وانه کان اجیرا لابن جدعان علی مائدته یطرد عنها الذبان (شرح نہج البلاغه از علامہ ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۲۷۰)

مورخین اسلام نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر اپنے مال سے اپنے باپ کی کچھ بھی مدد نہیں کرتے تھے نہ ان کی کسی قسم کی خبر گیری کرتے تھے۔ بلکہ وہ بیچارے عبداللہ ابن جدعان کے ہاں خدمت گاری کر کے زندگی بسر کرتے ان کے متعلق یہ کام کیا گیا تھا کہ عبداللہ بن جدعان کھانا کھائے تو اس کے دسترخوان کی مکھیاں یہ ہانکا کریں۔

سخت تعجب ہے کہ حضرت ابوبکر نے اس ذلت کو کیوں کر گوارا کیا کہ باپ تو غیروں کے ہاں مکھی جھلنے پر خدمت گاری کریں اور آپ خوشحالی کی زندگی بسر کریں۔ حالانکہ قرآن مجید میں خدا نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے احسان کی تاکید بھی کی ہے فرماتا ہے:-

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا

اور تمہارے پروردگار نے حکم قطعی دے دیا ہے کہ لوگو! اس اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ اور اے مخاطب! اگر والدین میں کا ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہونچیں تو ان کے آگے اُف بھی نہ کرنا۔ اور نہ ان کو جھڑکنا۔ اور اگر ان سے کچھ کہنا سننا ہو تو ادب کے ساتھ کہنا سننا۔ اور محبت سے خاکساری کا پہلو انکے آگے جھکائے رکھنا اور اُن کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جس طرح انھوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے اور میرے حال پر رحم کرتے رہتے ہیں

سورۂ بنی اسرائیل (رکوع ۳) | اسی طرح تو بھی ان پر رحم کیجیو۔

اس آیت کی تفسیر میں ہے:۔

عن الحسن رضی اللہ عنہ انہ سئل ما بر الوالدین قال ان تبذل لھما ما ملکت وان تطیعھما فیما امراک بہ الا ان یکون معصیۃ (تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۷۱)

جناب حسن بصری رضؓ سے پوچھا گیا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا ہے۔ تو انھوں نے فرمایا یہ ہے کہ جو مال تمہارے پاس ہو وہ ان کی ذات میں خرچ کردو اور وہ جو حکم تم کو دیں اس کی تعمیل کرو سوا اس حکم کے جو گناہ ہو۔

اس آیت کے حکم کے مطابق حضرت ابوبکر کا فرض تھا کہ اپنے بوڑھے ناچار باپ کی خدمت کرتے ان کی مدد اپنے مال سے کرتے۔ ہاں مذہبی بات میں ان کا حکم نہ مانتے۔ والدین کے ساتھ احسان کرنے کی ایسی تاکید ہے کہ جب لوگوں نے حضرت رسولخدا صلعم سے سوال کیا کہ اپنا مال کس کام میں خرچ کریں تو خدا نے سب سے پہلے والدین کو بتایا۔

ارشاد باری ہے:۔

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ (پ ۲۔ رکوع ۱۰)

اے پیغمبر! لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کس کام میں مال خرچ کریں۔ تو ان کو سمجھا دو کہ جو مال تم خیر کے لئے خرچ کرو تو اول اپنے والدین پھر اپنے قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کی راہ میں خرچ کرو۔ اور تم کوئی سی بھلائی بھی لوگوں کے ساتھ کروگے تو اللہ اس کو جانتا ہے۔

انسان پر والدین کے اس قدر حقوق ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمادیا ہے تم اور تمہارا کل مال تمہارے والدین ہی کا ہے جس کا ثبوت ذیل کی حدیث سے ملتا ہے:۔

جاء رجل الی النبیؐ فقال یا رسول اللہ ان لی مالا وان لی عیالا ولابی مال ولہ عیال وان ابی یاخذ

ایک شخص حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میرے پاس مال ہے اور میرے عیال بھی ہیں اور میرے باپ کے پاس بھی مال اور عیال ہیں مگر میرا باپ میرے مال میں سے لے لیتا

مالی قال انت و مالک لابیک (تفسیر درمنثور جلد ۱ صفحہ ۳۴۷)

ہے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا خود تم اور تمہارا اسباب مال تمہارے باپ ہی کا ہے (تم کو کچھ بولنا نہیں چاہیئے)۔

سبحان اللہ کس قدر اعلےٰ درجہ کے اخلاق کی تعلیم ہے۔ مگر تعجب ہے کہ حضرت ابوبکر نے اخلاقی حیثیت سے کیوں نہ سمجھا کہ والدین کی خدمت کرنا بھی واجب ہے پھر ان آیات قرآن و احادیث رسولؐ سے کیوں اثر نہ لیا اور کیونکر گوارا کیا کہ ان کے پدر بزرگوار عبداللہ بن جدعان کی سخاوت پر بسر کریں۔ عبداللہ جناب ابوقحافہ پر جو احسانات کرتا تھا ان کا گہرا نقش اس خاندان کی افراد پر تھا اسی وجہ سے جناب عائشہ نے آنحضرتؐ سے اس کے متعلق سوال بھی کیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے:۔

سألت عنه عائشة نبی اللہؐ وذکرت له ما کان فیه من الجود فقال انه لم یقل رب اغفر لی خطیئتی یوم الدین (اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷)

حضرت عائشہ نے حضرت رسولخداصلعم سے عبداللہ بن بن جدعان کے متعلق سوال کیا کہ اس میں جو سخاوت و بخشش تھی اس سے اس کو بروز قیامت نفع پہونچیگا؟ حضرتؐ نے فرمایا اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ اے خدا تو میرے گناہوں کو بروز قیامت بخش دے۔

جناب ابوقحافہ کو اپنے فرزند کے اس برتاؤ کا جو صدمہ ہوگا اس کا اندازہ کرنا دشوار نہیں ہے۔ کون باپ ایسا ہے جو دیکھے اس کے فرزند کے پاس مال ہے اور وہ خود آرام کی زندگی بسر کرتا ہے مگر اس (باپ) کو نہیں پوچھتا اور وہ بیچارہ دوسروں کی خدمت گاری کرکے زندگی کے دن کاٹتا رہے اور پھر اس کے دل سے آہ نہ نکلے۔ غالباً اسی وجہ سے اُنھوں نے حضرت ابوبکر کا وہ سب مال بھی ان کی اولاد کو واپس کردیا جو ان کو وراثۃ سے پہونچا تھا۔ چنانچہ مورخین و محدثین نے لکھا ہے:۔

مات ابوبکر قبل ابیه دورث ابوقحافه السدس فرده علی ولد ابی بکر وکان له سبع وتسعون سنة (منتخب کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۴۳ و استیعاب جلد ۲ صفحہ ۳۶۲ وغیرہ)

حضرت ابوبکر اپنے باپ سے پہلے ہی مرگئے۔ ان کے مرنے پر ابوقحافہ کو ان کی میراث سے چھٹا حصہ مال ملا مگر انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ سب کچھ حضرت ابوبکر کی اولاد کے پاس واپس کردیا۔ ان کی عمر ۹۷ سال کی ہوئی

جس سال مکہ معظمہ فتح کیا گیا اسی وقت ابوقحافہ بھی مسلمان ہوئے مگر مسلمان ہونے کے پہلے اسلام کے ایسے مخالف تھے کہ حضرت رسولخداصلعم کو گالیاں تک دیتے تھے۔ علامہ محب طبری

نے لکھا ہے :-

عن ابن جریج ان اباقحافۃ سب النبیؐ (ریاض نضرہ صہ ۱۲۲)	ابن جریج بیان کرتے تھے کہ ابوقحافہ نے حضرت رسولخدا صلعم کو گالیاں دیں ۔

ابوقحافہ نے ۱۴ھ میں بزمانہ خلافت حضرت عمر انتقال کیا۔

حضرت ابوبکر کی والدہ کا نام سلمےٰ اور کنیت ام الخیر تھی۔ان کے متعلق اختلاف ہے کہ جناب ابوقحافہ سے ان سے پہلے کی کیا قرابت تھی ۔بعض لوگوں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انکی حقیقی چچا زاد بہن تھیں ۔جیسا علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ :-

امہ ام الخیر بنت صخر بن عامر بن کعب (استیعاب جلد ا صلہ ۳۴۱)	حضرت ابوبکر کی ماں ام الخیر تھیں جو بیٹی تھیں صخر کی اور صخر پوتا تھا کعب کا۔

اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے :-

امہ ام الخیر سلمےٰ بنت صخر بن عامر ابنۃ عم ابیہ (اصابہ جلد ۴ صلہ ۱۰۱)	حضرت ابوبکر کی ماں سلمےٰ دختر صخر تھیں جو ان کے باپ کی چچا زاد بہن تھیں ۔

اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کے اپنے چچا کی بیٹی اور آپ کے باپ کی حقیقی بھتیجی تھیں ۔یعنی ابوقحافہ نے اپنے حقیقی بھائی کی بیٹی ام الخیر سے شادی کی تھی جیسا کہ علامہ محب طبری نے لکھا ہے :-

ومن شذ فقال بنت صخر بن عامر بن عمر بن کعب فجعلھا ابنۃ عمہ (ریاض نضرہ صہ ۴۵)	ایک جماعۃ ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ ام الخیر بیٹی تھیں صخر کی اور صخر بیٹا تھا عامر کا اور عامر پوتا تھا کعب کا۔ اس رشتہ سے ام الخیر حقیقی بھتیجی تھیں ابوقحافہ کی ۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کے ایک قول سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے ۔لکھتے ہیں :-

وقیل بنت صخر بن عمرو بن عامر (اصابہ جلد ۸ صہ ۲۲۵)	بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ام الخیر بیٹی تھیں صخر کی ۔ اور صخر پوتا تھا عامر کا۔

ان دونوں میں اگر پہلا قول صحیح ہے کہ وہ ابوقحافہ کی چچا زاد بہن تھیں تو بہت خوب ہے

لیکن اگر دوسرا قول درست ہے کہ حقیقی بھائی کی بیٹی تھیں تو زمانہ جاہلیۃ میں اس قسم کے بکثرت تعلقات ہوتے ہی تھے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں سوائے خاندان بنی ہاشم کے کوئی خاندان ان نسبی خرابیوں سے محفوظ نہیں تھا جس کی تصدیق خود حضرت عمر نے کی ہے علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:۔

بلغ عمر بن الخطاب ان اناسا من رواۃ الاشعار وحملۃ الآثار یعیبون الناس ویسبونہم فی اسلافہم فقام علی المنبر وقال ایاکم وذکر العیوب والبحث عن الاصول فلو قلت لا یخرج الیوم من ھذہ الابواب الامن لا وصمۃ فیہ لم یخرج منکم احد (شرح نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۴)

حضرت عمر کو خبر پہونچی کہ اشعار کے کچھ راوی اور تاریخی حالات کے کچھ جاننے والے ایسے ہیں جو لوگوں میں عیب لگاتے ان کے نسب کو برا کہتے اور ان کے بزرگوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ یہ سنکر آپ منبر پر کھڑے ہو گئے اور کہا خبردار جو تم لوگوں نے عیوب ذکر کئے یا خاندانی خرابیوں کو چھیڑا (اس لئے کہ اس سے کوئی بھی بچا نہیں ہے) اگر آج میں حکم دوں کہ ان دروازوں سے کوئی شخص باہر نہ جائے سوائے ان لوگوں کے جن کے نسب میں کوئی عیب نہیں ہے تو تم لوگوں سے کوئی شخص باہر نہیں نکلے گا (یعنی تم سب لوگوں کے نسب میں عیوب بھرے ہوئے ہیں)

حضرت ابوبکر کے دوسرے اعزہ: حضرت ابوبکر کی بہن ام فروہ اشعث سے بیاہی گئیں جو مسلمان ہو کر مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہوا۔ ام فروہ کی شادی اشعث سے کس طرح ہو گئی۔ ذیل کی عبارت سے واضح ہے:۔

کان الاشعث قد ارتد فی من ارتد من الکندیین واسر فاحضر الی ابی بکر فاسلم فاطلقہ وزوجہ اختہ ام فروۃ (اصابہ جلد ۱ صفحہ ۵۰)

قبیلہ کندہ کے جو لوگ دین اسلام سے پھر گئے تھے ان میں اشعث بھی تھا۔ یہ قید کر کے حضرت ابوبکر کے پاس لایا گیا تو اس نے کہ دیا میں پھر اسلام قبول کر لیتا ہوں۔ اس پر حضرت ابوبکر نے اس کو رہا کر دیا اور اس سے اپنی بہن ام فروہ کو بیاہ دیا۔

اس اشعث نے اسلام میں بڑے فساد پھیلائے جس سے خود حضرت ابوبکر بھی پریشان رہے۔ علامہ علی متقی نے لکھا ہے کہ آپ نے اپنے مرض موت میں فرمایا:۔

وددت انی لم اکن اکشف بیت فاطمۃ وترکتہ... فوددت انی یوم اتیت بالاشعث اسیرا ضربت عنقہ فانہ یخیل الیّ انہ لا یری شرا الا اعان علیہ (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۵)

میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ کاش حضرت فاطمہ کے گھر کو نہ وا کیئے ہوتا۔ اور اس کو بھی پسند کرتا ہوں کہ جس روز اشعث قید کر کے میرے پاس لایا گیا اس کو قتل کر دیئے ہوتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ جس شر و فساد کو دیکھتا ہے اس میں ضرور مدد کرتا (اور اس کو بڑھا دیتا) ہے۔

اسی اشعث کی اولاد کے ہاتھوں حضرات اہلبیت بھی بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہوتے رہے۔ اسی کی بیٹی جعدہ نے (جو حضرت ابوبکر کی بھانجی تھی) بحکم معویہ ایک لاکھ درہم انعام کے وعدہ پر حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر سے ہلاک کر دیا (استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۴۴) اس کے بیٹے محمد بن اشعث نے جو حضرت ابوبکر کا بھانجا تھا یزید کی طرف سے حضرت امام حسین علیہ السلام پر بڑے بڑے ظلم کئے۔ اسی محمد بن اشعث نے جناب مسلم بن عقیل کو بھی قتل کرایا۔ علامہ طبری نے لکھا ہے:۔

اصبح ابن تلک العجوز وھو بلال بن اسید الذی آوت امہ ابن عقیل فغدا الی عبد الرحمن بن محمد بن الاشعث فاخبرہ بمکان ابن عقیل عند امہ فاقبل عبد الرحمن حتی اتی اباہ وھو عند ابن زیاد فسارہ فقال لہ ابن زیاد ما قال لک قال اخبرنی ان ابن عقیل فی دار من دورنا فنخس فی جنبہ ثم قال قم فاتنی بہ الساعۃ (طبری ج ۶ صفحہ ۲۱۰)

جس عورت (طوعہ) کے ہاں جناب مسلم نے شب کو پناہ لی تھی اُس کا لڑکا صبح کو عبد الرحمن بن محمد بن اشعث کے پاس گیا اور خبر کر دی کہ مُسلم میری ماں کی پناہ میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ سُنتے ہی عبد الرحمن اپنے باپ محمد بن اشعث کے پاس گیا جو ابن زیاد کے دربار میں موجود تھا اور اس سے کان میں کچھ کہنے لگا۔ اس پر ابن زیاد نے پوچھا یہ لڑکا کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا مجھ سے بیان کرتا ہے کہ مسلم بن عقیل ہمارے گھر میں موجود ہیں۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد نے اپنی لکڑی سے اس کے پہلو میں ٹھوکر دے کر کہا بس اُٹھ اور فوراً مسلم کو میرے پاس لا۔

محمد بن اشعث فوراً کھڑا ہو گیا۔ لشکر ساتھ لیا اور جناب مسلم کے گرفتار کرنے کو طوعہ کے گھر پہونچ گیا جب حضرت کی شجاعت سے کسی طرح کامیاب نہ ہو سکا تو دھوکہ فریب سے کام لینے لگا۔ طبری نے لکھا ہے:۔

خرج علیہم مصلتا بسیفہ

جب محمد بن اشعث نے طوعہ کا مکان گھیر لیا تو حضرت مسلم اپنی

فی السکة فقاتلهم فاقبل علیه محمد بن الاشعث فقال یا فتی لک الامان لا تقتل نفسک (جلد ۶ صفحہ ۲۶)	تلوار کھینچے ہوئے گھر سے باہر گلی میں نکل پڑے اور تن تنہا پوری فوج سے لڑنا شروع کر دیا۔ آخر محمد بن اشعث ان کی طرف بڑھا اور کہنے لگا اے بہادر تم کو امان دی جاتی ہے تم اپنے کو ہلاک نہ کرو۔

آخر جناب مسلم مان گئے مگر جب دربار ابن زیاد میں آئے تو وہ سب عہد و پیمان وغیرہ غائب ہو گیا اور حضرت قتل کر دیئے گئے۔ تاریخ کی کتابوں سے ثابت ہے کہ یہ محمد بن اشعث ابن زیاد کے خاص مصاحبین اور اعوان و انصار سے تھا۔ جو کچھ ابن زیاد کرتا اسکی تائید اسکی طرف سے کی جاتی اور یہ ہر کام میں اسکی اطاعت کرنے کے لئے طیار رہتا۔ اس کو اس قدر دخل ابن زیاد کے کام میں ہو گیا تھا کہ خاص خاص اہم موقع پر دو آدمی کو بھی مشورہ کے لئے ابن زیاد بلاتا تو ان میں محمد بن اشعث بھی ہوتا۔ مثلاً جب کوفہ میں ابن زیاد پہنچا تو جناب ہانی اسکے ہاں برابر آتے جاتے مگر جب حضرت مسلم ان کے ہاں مہمان ہوئے تو ہانی کی آمد و رفت ابن زیاد کے ہاں کم ہو گئی۔ اس نے تعجب کیا کہ کیوں ہانی اب نہیں آتے اسکا راز دریافت کرنے کے لئے اس نے صرف دو شخصوں کو تجویز کیا۔ طبری نے لکھا ہے:۔

فقال ابن زیاد لجلسائه مالی لا اری هانئا فقالوا هو شاک فقال لو علمت بمرضه لعدته۔ قال دعا عبید الله محمد بن الاشعث و اسماء بن خارجه (تاریخ طبری ج ۶ صفحہ ۲۰۲)	ابن زیاد نے اپنے درباریوں سے کہا کہ کیا بات ہے میں ان دنوں ہانی کو نہیں دیکھتا ہوں لوگوں نے کہا وہ بیمار ہیں۔ اس نے کہا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کیا بیمار ہیں تو انکی عیادت کو جاتا۔ پھر اس نے محمد بن اشعث اور اسما ابن خارجہ کو اسکے لئے بلایا۔

اسکے بعد جب ہانی گرفتار ہو کر دربار ابن زیاد میں آئے ہیں اور ان کو سخت سزا دی گئی ہی اس وقت محمد بن اشعث کی حالت یہ لکھی ہے:۔

واما محمد بن الاشعث فقال قد رضینا بما رای الامیر لنا کان ام علینا (طبری ج ۶ صفحہ ۲۰۶)	محمد بن اشعث نے کہا کہ ہماری حالت تو یہ ہے کہ جو رائے امیر کی ہو اس پر راضی ہیں۔ ہمارے موافق ہو یا مخالف۔

اس طرح اس محمد بن اشعث اور اشعث کی بقیہ اولاد کے حالات تاریخوں میں بھرے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ خاندان رسول کی مصیبتوں میں ان سب نے اپنا ہاتھ لگایا بلکہ بعض مواقع پر خود ہی ان مصیبتوں کے باعث ہوئے جن سب کے ذکر میں طول ہوگا

تیسری فصل

خاندانی پیشہ

حضرت کے پیشہ کے متعلق پتا چلتا ہے کہ کئی تھا مگر کسی کتاب سے نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ کا وہ پیشہ خاندانی تھا یا ذاتی۔ لیکن ایک بڑھئی کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ اس کے باپ دادا بھی بڑھئی تھے یا سونار کو دیکھ کر عقل کہتی ہے کہ اس کے باپ دادا ہی سے یہ پیشہ چلا آرہا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر کا پیشہ جو کچھ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے اس سے ذہن میں بھی رائے قائم ہوتی ہے کہ غالباً یہ کام آپ کے خاندان میں پہلے سے چلا آتا تھا۔

بکریاں بھیڑیاں چرایا کرتے تھے دغفل نسابہ کا قول پہلے (ص۳۱) میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے آپکو قریش کا چرواہا کہا اور کسی نے اس کی رد نہیں کی۔ اور حضرت کے خلیفہ ہونے پر ابوسفیان نے جو کہا:-

مالنا ولابی فصیل (طبری جلد۴ ص۲۰۲)	ہم لوگوں کو ابوفصیل سے کیا واسطہ یا کیا تعلق ہے؟

اس سے بھی شبہ ہوتا ہے کہ دغفل کا قول صحیح تھا ورنہ حضرت ابوبکر کو ابوفصیل کہنے کی کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔ فصیل گائے یا اونٹ کے اس بچے کو کہتے ہیں جو اپنی ماں سے جدا کردیا اور اس کا دودھ چھڑادیا گیا ہو (انوار اللغۃ پارہ ۲۰ ص۷۲) اور عرب کا دستور تھا کہ جو لوگ جانوروں کی خدمت زیادہ کرتے تھے ان کو اسی جانور کا ابا کہتے تھے۔ جیسے مشہور صحابی ابوہریرہ اس نام سے صرف اس وجہ سے مشہور ہوئے کہ آپ نے بلی پالی تھی۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:-

عن ابی ھریرۃ لاکنیت اباھریرۃ لانی وجدت ھرۃ فحملتھا فی کمی فقیل لی ابوھریرۃ۔ (اصابہ جلد۷ ص۱۹۹) ایک اور قول ہے:-	حضرت ابوہریرہ کہتے تھے کہ میری کنیت ابوہریرہ اس وجہ سے ہو گئی کہ میں نے ایک بلی پائی اس کو اٹھا کر اپنی آستین میں رکھنے لگا۔ اس پر لوگ مجھ کو ابوہریرہ کہنے لگے۔

قلت لابی ھریرۃ لم کنیت بابی ھریرۃ قال کنت ارعی غنم اھلی وکانت لی ھرۃ صغیرۃ فکنت اضعھا باللیل فی شجرۃ واذا کان النہار ذھبت بھا معی فلعبت بھا فکنونی اباھریرۃ (اصابہ صہ ۱۹۹)۔

ایک شخص نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ یہ تمہاری کنیت کیونکر ہوگئی۔ انھوں نے کہا میں اپنے اہل کی بکریاں اور دنبیاں چرایا کرتا اور میری ایک چھوٹی بلی تھی اس کو رات کے وقت ایک درخت میں رکھ دیا کرتا۔ پھر جب دن ہوتا تو اس کو اپنے ساتھ لئے پھرتا اور اس سے کھیلا کرتا۔ اس وجہ سے لوگوں نے مجھے ابوہریرہ پکارنا شروع کر دیا۔

بزازی کرتے تھا دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت بزاز تھے۔ حضرت کی بزازی کی دوکان آج تک مکہ معظمہ میں موجود ہے۔ عالم اہلسنت احمد حضراوی نے لکھا ہے:۔

ان اھل مکۃ یمشون فی المولید من دار خدیجہ الی مسجد یقولون انہ دکان ابی بکر الصدیق رض کان یبیع فیہ الخز (کتاب عقد ثمین مطبوعہ مصر صہ ۲۱۰)

مکہ والے میلادوں میں حضرت خدیجہ کے مکان سے ایک مسجد کی طرف جاتے ہیں جس کو کہتے ہیں کہ وہ حضرت ابوبکر کی دوکان ہے۔ ممدوح اسی میں خز کا کپڑا بیچا کرتے تھے۔ (خز ایک کپڑا ہے جو اون اور ریشم ملا کر بنا جاتا ہے اور خالص ریشمی کپڑے کو بھی کہتے ہیں (انوار اللغۃ پ صہ ۳۴)

اور علامہ دمیری ایسے محقق جلیل نے ان لوگوں کے پیشوں کے متعلق لکھا ہے:۔

کان ابوبکر الصدیق رض بزازا وکذلک عثمان وطلحہ وعبدالرحمن بن عوف رض وکان عمر رض دلالا یسعی بین البائع والمشتری وکان سعد بن ابی وقاص یبری النبل وکان الولید بن المغیرۃ حدادا وکذلک ابوالعاص اخو ابی جھل وکان عقبہ بن ابی معیط خمارا وکان ابوسفیان بن حرب یبیع الزیت وکان عمرو بن العاص جزارا وکذلک ابوحنیفہ (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صہ ۱۱۶)

حضرت ابوبکر صدیق بزاز تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان طلحہ اور عبدالرحمن بن عوف بزاز تھے۔ اور حضرت عمر دلال تھے کہ دوکانداروں اور خریداروں کے درمیان دوڑا کرتے اور سعد بن ابی وقاص تیر سازی کا کام کرتے۔ اور ولید بن مغیرہ لوہار تھے۔ اسی طرح ابوجہل کے بھائی ابوالعاص بھی لوہار تھے۔ اور عقبہ بن ابی معیط شراب بیچا یا بنایا کرتے۔ اور ابوسفیان (والد معویہ) زیتون کا تیل بیچا کرتے اور عمرو بن العاص قصاب تھے۔ اسی طرح حضرت ابوحنیفہ بھی قصاب تھے۔

(اس فہرست میں بنی ہاشم کے کسی شخص کا کوئی ذکر نہیں بلکہ نام تک نہیں ہے)

دودھ دوہا کرتے تھے معلوم نہیں یہ بطور پیشہ تھا یا اعزازی خدمت کہ لوگوں کی بکریوں اور دنبیوں کا دودھ حضرت دوہا کرتے۔ علامہ علی متقی و علامہ طبری وغیرہ نے ممدوح کے حال میں لکھا ہے اور چونکہ ممدوح کی تجارت کے سلسلہ میں اسکو لکھا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ کام بھی بطور پیشہ کے تھا۔

وکان رجلا تاجرا فکان یغدو کل یوم السوق فیبیع ویبتاع وکانت له قطعة غنم یروح علیها وربما خرج هو بنفسه فیها وربما کفیها فرعیت له وکان یحلب للحی اغنامهم فلما بویع له بالخلافة قالت جاریة من الحی الآن لا یحلب لنا منائح دارنا۔ فسمعها ابو بکر فقال بلی لعمری لاحلبنها (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۰ و تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۵۳)

حضرت ابوبکر تجارت پیشہ شخص تھے۔ وہ ہر صبح بازار میں نکل جاتے اور خرید و فروخت میں مشغول رہتے۔ اس کے ساتھ ان کے پاس بکریوں دنبیوں کا ایک گلہ بھی تھا جس کو چرایا کرتے۔ اس کے چرانے کو کبھی خود جاتے اور کبھی کوئی اور شخص چرا دیتا۔ اس کے ساتھ وہ قبیلہ کی بکریوں اور دنبیوں کا دودھ دوہا کرتے۔ جب وہ خلیفہ بن گئے اور لوگوں سے اس پر بیعت لی تو اس قبیلہ کی ایک لونڈی نے کہا اب تو وہ ہماری بکریاں اور دنبیاں نہیں دوہیں گے۔ اس بات کو حضرت ابوبکر نے سنا تو کہا مجھے اپنی زندگی کی قسم اب بھی میں اس کام کو چھوڑوں گا نہیں بلکہ دوہتا رہوں گا۔

چوتھی فصل

خاندانی پیشے کے نتائج

ہندوستان میں بکریوں بھیڑیوں کے چرواہے جس علم و عقل و تہذیب و ادب کے ہوتے ہیں واضح ہے۔ اسی پر ہم عرب کے چرواہوں کو بھی قیاس کر سکتے ہیں۔ کم از کم اتنا ضرور ہے

کہ چرواہوں کی زندگی زیادہ تر میدانوں جنگلوں میں بسر ہوتی ہے - انسانی آبادی
سے ان کے تعلقات بہت قلیل رہتے ہیں - آدمیوں سے ان کی معاشرت کم ہوتی ہے۔
شریف اور معزز لوگوں سے ملنے اور مبادلہ خیالات کرنے کا موقع شاذونادر ملتا ہے۔
شہری یا دیہاتی زندگی کی خوبیوں سے وہ زیادہ تر علحدہ ہی رہتے ہیں - ان میں مدنیّت
کا پیدا ہونا دشوار ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ان کے علم وعقل میں بھی کوئی ترقی نہیں ہوتی۔
البتہ بزازی کے پیشہ میں کوئی عیب نہیں۔ حلال اور طیب و طاہر معاش کا ذریعہ ہے
اس سے دولت میں ترقی ہوتی اور آسودگی حاصل رہتی ہے مگر جناب ممدوح کی تجارت
اور بزازی کی جو شان کتب تاریخ میں لکھی ہے وہ آپ کی کچھ معزز حیثیت نہیں ثابت کرتی
مثلاً علامہ سیوطی و علامہ علی متقی وغیرہ نے لکھا ہے۔

لما بویع ابوبکر اصبح وعلی ساعده
ابراد وهو ذاهب الی السوق
فقال عمر این ترید قال الی السوق
(تاریخ الخلفاء ص۵۲ و
کنز العمال جلد ۳ ص۱۲۹)

جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہوگئی تو وہ صبح کو اپنے
کاندھوں پر چادروں کی گٹھری لاد کر بازار کی طرف
تشریف لے چلے - اس حالت کو حضرت عمر نے
دیکھ لیا - پوچھا کہاں کا ارادہ ہے - کہا بازار جاتا ہوں
(کہ ان سب کو بیچوں)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ممدوح اپنے کاندھوں پر کپڑا لادے ہوئے پھیری کرکے بیچا کرتے
تھے - رہا دودھ دوہنے کا پیشہ تو یہ بہت ہی چھوٹا کام معلوم ہوتا ہے - اور نہایت حقیر لوگ
اس پیشہ کو اختیار کرتے ہیں - بہت سے مقام میں یہ پیشہ ایسے کاہل اور ناکارہ لوگ
کرتے ہیں جن کو دنیا کا کوئی اور کام نہیں ملتا - یا اُن کی عقل و فہم کسی اور کام کے مناسب
نہیں ہوتی -

پانچویں فصل

حالات ولادت

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "حضرت عمر مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی
کے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے - ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں - حافظ

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن العاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتہً ایک غل اُٹھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا" (الفاروق ص۲۷)۔ اس سے امید تھی کہ حضرت ابوبکر کی ولادت کے متعلق بھی کتب تاریخ میں کوئی ذکر ہوگا مگر افسوس بہت کچھ تلاش کرنے پر بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ البتہ بعض روایتوں سے اس کا پتا چلتا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کس سال ہوئی۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے:۔

ولد بعد مولد النبیؐ بسنتین واشہر، فانہ مات ولہ ثلث وستون سنۃ (تاریخ الخلفاء ص۲۱)	حضرت ابوبکر حضرت رسولخدا صلعم کی ولادت کے دو سال چند مہینوں کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب وہ مرے ہیں تو ان کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔
اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے:۔ ولد بعد الفیل بسنتین و ستۃ اشہر (اصابہ جلد ۴ ص۱۰۱)	عام الفیل کے دو سال اور چھ مہینہ کے بعد آپ کی پیدائش ہوئی۔

جس سال ابرہہ نے کعبہ پر حملہ کیا ہے اس کو عام الفیل کہتے ہیں۔ اس سال حضرت رسولخدا صلعم کی ولادت ہوئی تھی اور یہ سنہ ۵۷۰ء تھا۔ اس طرح آپکی ولادت سنہ ۵۷۳ء میں واقع ہوئی مگر علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے:۔

کان مولدہ بعد الفیل بثلاث سنین (تاریخ کامل جلد ۲ ص۱۶۱)	حضرت ابوبکر کی پیدائش عام الفیل کے تین سال بعد ہوئی۔

اس طرح آپ کی ولادت سنہ ۵۷۳ء میں ثابت ہوتی ہے لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوبکر جناب رسالتمآب صلعم سے بڑے تھے۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے۔

ان النبی قال لابی بکر انا اکبر او انت۔ قال انت اکبر و انا اسن منک (تاریخ الخلفاء ص۲۱)	حضرت رسولخدا صلعم نے جناب ابوبکر سے پوچھا کہ میں بڑا ہوں یا تم۔ موصوف نے جواب دیا کہ آپ بڑے ہیں اور میں آپ سے عمر میں زیادہ ہوں۔

اگر یہ روایت تسلیم کی جائے تو آپ کی ولادت سنہ ۵۶۹ء میں ثابت ہوتی ہے۔

چھٹی فصل

حلیہ (آپکی صورت شکل)

اکثر مورخین و محدثین نے حضرت ابو بکرؓ کے حالات میں حضرت کے حلیہ (صورت شکل) کو بھی بہت اہمیت سے ذکر کیا ہے اس وجہ سے ہم بھی اس کا نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے:۔

کان ابیض نحیفا خفیف العارضین معروق الوجہ ناتئ الجبھۃ (اصابہ جلد ۴ صـ۱۰۲)

حضرت سفید رنگ کے دُبلے پتلے تھے۔ آپ کے دونوں رخسارے پچکے ہوئے تھے۔ چہرے پر گوشت بہت کم تھا۔ اور پیشانی آگے کو نکل گئی تھی۔

کان ابیض لطیفا جعدا مسترق الورکین ؎ (اصابہ جلد ۴ صـ۱۰۲)

حضرت سفید رنگ کے لطیف تھے۔ آپ کے بال گھونگر والے اور آپ کی دونوں ران ننھی ننھی تھی۔

مگر سب سے زیادہ صحیح حلیہ وہ ہے جو اولاد بتائے۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے:۔

عن عائشۃ رضہ ان رجلا قال لھا صفی لنا ابا بکر فقالت رجل ابیض نحیف خفیف العارضین احنا

ایک شخص نے حضرت عائشہ سے فرمایش کی کہ مجھ سے حضرت ابو بکر کی صورت شکل بیان کیجئے۔ انھوں نے کہا کہ وہ ایک شخص سفید رنگ کے کمزور اور دُبلے پتلے تھے۔ ان کے دونوں رخسارے پچکے ہوئے

؎ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے ورک کا معنے سرین لکھا ہے (انوار اللغۃ جلد ۳ صـ۳۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دونوں سرینیں چھوٹی یا ناقص یا کمزور یا ننھی ننھی یا نازک تھیں ۱۲

لا یستمسک ازارہ
یسترخی عن حقویہ معروق
الوجہ غائر العینین
ناتی الجبھۃ عاری
الاشاجع ھذہ
صفتہ (تاریخ الخلفاء
ص۲۲ واستیعاب
جلد ۱ ص۳۴۴ وغیرہ)

تھے آگے یا پیچھے کو جھکی ہوئی (یعنی کبڑ نکلی ہوئی) پشت تھی۔
آپ اپنے پائجامہ یا لنگ کو روک نہیں سکتے تھے۔
اور وہ آپ کے دونوں کولھوں سے ڈھیلا ہو ہو
کر گرا پڑتا تھا۔ آپ کے چہرے پر گوشت بہت
کم تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ پیشانی
آگے کو نکل گئی تھی۔ آپ کی انگلیوں میں گوشت بالکل
نہیں تھا (صرف چمڑا اور ہڈیاں تھیں)، یہی ان کی صورت
شکل تھی۔

مگر علامہ محب طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ احنا نہیں بلکہ اجنا ہی
(ریاض نضرہ جلد ۱ ص۵۱) اس کا معنے بھی کبڑا ہے۔ جناب مولوی وحید الزماں خاں
صاحب نے لکھا ہے "کان ابوبکر ابیض نحیفا خفیف العارضین اجنأ
ابوبکر صدیق سفید رنگ۔ دبلے۔ پتلے۔ پچکے گال والے۔ جھکے ہوئے آدمی تھے"۔
"ابیض اجناء خفیف العارضین۔ سفید رنگ۔ کبڑے۔ ہلکے رخساروں والے"۔
(انوار اللغۃ پ۵ ص۸)

اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے:۔

ان ازاری یسترخی احیانا
فکان شدہ کان ینحل اذا
تحرک بمشی او غیرہ بغیر
اختیارہ۔
(پ۱۴ ۲ ص۲۴۹)

حضرت ابوبکر کہتے تھے کہ میرا پائجامہ کبھی کبھی ڈھیلا ہو جاتا
ہے۔ شاید ان کا مطلب یہ تھا کہ جب وہ کہیں چلنے وغیرہ
کے لئے ہلتے بھی تو اُن کے پائجامہ کی گرہ بے اختیاری
میں کھل جایا کرتی تھی اور وہ اس کو کسی طرح روک
نہیں سکتے تھے۔

اور امام بخاری نے لکھا ہے:۔

قدم النبیؐ و لیس فی
اصحابہ اشمط غیر ابی بکر فغلفہا
(صحیح بخاری پ۱۵ ص۲۸۲)

حضرت رسول خدا صلعم تشریف لائے اور حضرتؐ کے صحابہ میں
ابوبکر سے زیادہ کوئی اشمط نہیں تھا۔ پھر اس کو انھوں نے
(خضاب وغیرہ سے) چھپا دیا۔

جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب اشمط کے معنے میں لکھتے ہیں "لیس فی اصحابہ اشمط غیر ابی بکر۔ آپ کے اصحاب میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ادھیڑ ہو یعنی جس کے بال کچھ سفید ہوں کچھ کالے سوا ابوبکر صدیق رض کے" (انوار اللغۃ پ ۱۳ ص ۱۱۴)۔ اوپر کئی قول میں اس کا ذکر ہے کہ موصوف سفید رنگ کے تھے مگر علامہ دیار بکری لکھتے ہیں :۔

رایتہ رجلا اسمر خفیف اللحم ۔۔۔ وفی روایۃ کان آدم طویلا (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۲۲۲)	میں نے حضرت ابوبکر کو ایسا شخص پایا جن کا رنگ گندم گوں اور جن کے بدن میں گوشت بہت کم تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ممدوح سانولے رنگ کے لمبے آدمی تھے ۔

ساتویں فصل

نام۔ کنیت۔ القاب اور اُنکے وجوہ اسباب

نام حضرت ابوبکر کا نام اب عبداللہ مشہور ہے۔ مگر اسلام سے قبل آپکا نام نامی عبدالکعبہ تھا۔ یعنی جس طرح زمانہ جاہلیۃ میں لوگ بتوں کی نسبت سے عبداللات عبدالعزے وغیرہ نام رکھتے اسی طرح آپکا نام بھی عبدالکعبہ رکھا گیا تھا۔ اور یہی نام رہا۔

علامہ محب طبری نے لکھا ہے :۔

کان اسمہ رض عبداللہ وقیل عبدالکعبۃ فلما اسلم سماہ النبیؐ عبداللہ قالہ جمہور اھل النسب ۔ (ریاض نضرہ ص ۴۷)	حضرت ابوبکر کا نام عبداللہ تھا۔ اور لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ان کا اصلی نام عبدالکعبہ تھا جب وہ مسلمان ہوئے تو حضرت رسولخدا صلعم نے ان کا نام عبداللہ رکھ دیا جمہور اہل نسب یہی کہتے ہیں ۔

اور اسد الغابہ میں ہے "ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں عبدالکعبہ تھا" (جلد ۵ ص ۲۷۹) اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے :۔

کان اسمہ قبل الاسلام عبدالکعبہ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۵۴)	ان کا نام اسلام کے پہلے عبدالکعبہ تھا۔

اور علامہ عینی لکھتے ہیں:۔

کان اسمہ فی الجاھلیۃ عبد الکعبہ وسمی فی الاسلام عبد اللہ و کانت امہ تقول ؎ یارب عبد الکعبہ - امتع بہ ما ربہ فھو بصخر اشبہ (عمدۃ القاری ج ۷ ص۵۰۵)

حضرت ابوبکر کا نام زمانہ جاہلیہ میں عبد الکعبہ تھا اور اسلام میں عبد اللہ رکھا گیا - انکی ماں یہ تین مصرع پڑھا کرتیں اے (میرے فرزند) عبد الکعبہ کے پروردگار - تو اسکو اسکی آرزویں پوری کرکے مالا مال کردے - کیونکہ یہ اپنے نانا صخر سے بہت مشابہ ہے -

استیعاب میں بھی یہی ہے کہ ان کا نام جاہلیہ میں عبد الکعبہ تھا (جلد ۱ ص۳۴۱)

کنیت عرب میں دستور تھا کہ جب کسی کی شادی ہو جاتی اور اُس کے لڑکا پیدا ہوتا تو لوگ اس لڑکے کا باپ کہکر اس کو پکارتے - جیسے ابوطالب یعنی طالب کے باپ ابو الحسنؑ (حضرت امیر المومنینؑ کی کنیت) امام حسنؑ کے والد - ابو القاسم (حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت) قاسم کے پدر بزرگوار - تہذیب وادب کے موقع پر اسکی بڑی پابندی کی جاتی کہ لوگ اصلی نام نہیں لیتے بلکہ کنیت ہی سے اس کو یاد کرتے اور بعض موقع پر کسی جانور کی خصوصیت سے کنیت رکھ دی جاتی جیسے ابوہریرہ یا ابو الجمل (یہ بھی صحابی تھے استیعاب جلد ۲ ص۶۵۳) اور بعض وقت کسی شخص کے خاص وصف کی مناسبت سے اس کی کنیت رکھ دی جاتی تھی - جیسے ابو جہل - مگر کسی طرح یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ابوبکر کی یہ کنیت کس وجہ سے تھی - اگر کسی لڑکے کے سبب سے ہوتی تو ممدوح کی اولاد میں اس نام کا کوئی فرزند ہونا ضروری تھا - حالانکہ آپ کے صرف تین بیٹے عبد اللہ و عبد الرحمان و محمد بن ابی بکر اور تین بیٹیاں حضرت عائشہ و اسماء و ام کلثوم تھیں (ریاض نضرہ جلد ۱ ص۱۸۷) اور کوئی لڑکا بکر نامی نہیں تھا - ماننا پڑے گا کہ اس اصول پر یہ کنیت نہیں تھی - اور کسی خاص وصف کی مناسبت سے بھی یہ کنیت نہیں تھی کیونکہ بکر میں کوئی معنی ایسا نہیں ہے جس سے کوئی کنیت اختیار کی جائے - پس اس کنیت کی کوئی وجہ اس کے سوا سمجھ میں آتی ہی نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر شاید اونٹ وغیرہ چراتے ہوں اور اس جہتہ سے لوگوں نے آپ کو ابوبکر کہنا شروع کردیا ہو جیسا دغفل کا بیان پہلے لکھا جاچکا - دغفل کا قول اور دعوے کچھ معمولی نہیں تھا بلکہ بڑے بڑے مورخین محققین نے

اس کو نہایت اہمیت سے ذکر کیا ہے اور مختلف مواقع پر اس سے استدلال کیا ہے جیسے علامہ مسعودی ایسے جلیل القدر مورخ نے لکھا ہے :-

قولہ ؐ عند عرضہ لنفسہ علی القبائل بمکۃ وابو بکر و قومہ علی بکر بن وائل وتقدم ابی بکر الیھم وما جری بینہ وبین دغفل من الکلام فی النسب البلاء موکل بالمنطق۔ (مروج الذہب ج ۵ ص۹۱)

جب حضرت رسولخدا صلعم نے مکہ کے قبیلوں پر اپنی رسالت کو پیش کیا اور حضرت ابوبکر اور ان کی قوم قبیلہ بکر بن وائل کے سامنے ہوئے اور حضرت ابوبکر ان لوگوں کی طرف بڑھے اور انکے اور دغفل کے درمیان نسب کے متعلق تقریر ہوئی تو اُس کے بارے میں حضرت رسولخدا صلعم نے (حضرت ابوبکر سے) فرمایا تھا کہ زبان اور بولی پر بھی بلاء اور آفت مسلط رہتی ہے (یعنی انسان جو بولے سمجھ کر اور سنبھل کر بولے ورنہ آفت میں گرفتار ہو جائیگا)

آپ کی کنیت صرف ابوبکر ہی نہیں بلکہ ابوفصیل بھی تھی۔ جیسا کہ پہلے کئی دفعہ لکھا گیا۔ اور فصیل کا معنے گائے یا اونٹ کا وہ بچہ ہے جو اپنی ماں سے جدا کر دیا جائے۔ اس معنے سے ابوفصیل کا معنے اونٹ کا باپ ہوا۔ ابوبکر کا معنے بھی لغت کے اعتبار سے اونٹ کا باپ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت ممدوح اونٹ کے باپ کسی طرح نہیں تھے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اونٹ چرانے کی وجہ سے لوگ اس نام سے پکارنے لگے ہوں فاضل طنطاوی نے بھی لکھا ہے کنیتہ ابوبکر وھی من البکر وھو الفتی من الابل حضرت کی*

القاب آپ کے القاب میں دو لقب بہت مشہور ہیں۔ ایک عتیق۔ دوسرا صدیق۔ عتیق کے متعلق بہت سی وجہیں لکھی ہیں کہ آپ کو کیوں اس لفظ سے یاد کیا جاتا تھا کوئی کہتا ہے آپ کی خوبصورتی کی وجہ سے۔ کوئی کہتا ہے رسولخدا صلعم کے ارشاد کی وجہ سے۔ مگر خوبصورتی کی حالت تو ممدوح کے حلیہ سے ظاہر ہے۔ رہا رسولخدا صلعم کا ارشاد فرمانا تو خود حضرت عائشہ کے قول سے اس بات کی تکذیب ہوتی ہے جنھوں نے کہا ہے کہ ان کے دادا نے یہ نام رکھا تھا۔ جناب ممدوحہ فرماتی ہیں :-

ان اباقحافۃ کان لہ ثلاثۃ

ابوقحافہ کے تین بیٹے تھے۔ ایک کا نام انھوں نے عتیق

* کنیت ابوبکر تھی یہ بکر سے ہے جس کا معنی جوان اونٹ [illegible] (ابوبکر الصدیق ص۲۸)

اولاد فسمی واحد اعتیقا والثانی معتقا والثالث عُتَیقًا (اصابہ ج ۴ صـ۱۰۲)

رکھا۔ دوسرے کا معتق۔ اور تیسرے کا عُتیق۔

جس سے واضح ہوا کہ ابوقحافہ کو لفظ عتق پسند آیا۔ اسی سے انھوں نے اپنے تینوں بیٹوں کا وہ نام رکھا جو اس سے مشتق تھا۔ اور علامہ ابن حجر نے خاص اس نام کی جو وجہ تسمیہ بیان کی ہے وہ زیادہ قرین عقل معلوم ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

کان امہ کان لایعیش لھا ولد فلما ولد استقبلت بہ البیت فقالت اللھم ھذا عتیقک من الموت۔ (فتح الباری ج ۳ صـ۳۵)

بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی ماں کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ اس وجہ سے اونھوں نے یہ کیا کہ جب حضرت ابوبکر پیدا ہوئے تو اُن کو خانہ کعبہ کے پاس لائیں اور اُس کے سامنے رکھ کر کہا اے معبود یہ بچہ تیری موت سے آزاد شدہ ہو۔

مطلب یہ کہ اے خدا تو اس بچے کو موت سے بچا دینا اور زندہ رکھنا۔

اس قول کے مطابق اس لقب کی کوئی خوبی باقی نہیں رہتی جس ماں کی اولاد زندہ نہیں رہتی ہے وہ یہی چاہتی ہے کہ اس کا کوئی لڑکا بچ جائے اور وہ نعمت اولاد سے محروم نہ رہے اس وجہ سے اُس وقت ابوقحافہ کا جو لڑکا ہوتا اس کو اس کی ماں خانہ کعبہ کے پاس لے جا کر یہی کہتی۔ اور ممدوح کا نام بھی علامہ ابن حجر کی مذکور بالا توجیہ کی تائید کرتا ہے کہ چونکہ ماں نے ان کو خانہ کعبہ کے سامنے لاکر زندہ رہنے کی دعا کی۔ اس وجہ سے انکو عتیق بھی کہا اور ان کا نام بھی عبد الکعبہ رکھا۔ جو دونوں ایک دوسرے کے مناسب ہیں۔

صدیق

آپ کا دوسرا اور سب سے زیادہ مشہور لقب صدیق ہے۔ اس کی وجہ مورخین ومحدثین نے یہ لکھی ہے:۔

لقب الصدیق لسبقہ الی التصدیق النبیؐ وقیل کان ابتداء تسمیتہ بذلک صبیحۃ الاسراء (فتح الباری پ ۱۴ صـ۳۵)

حضرت ابوبکر کا لقب صدیق اس وجہ سے مقرر کیا گیا کہ آپ نے رسول خدا صلعم کی تصدیق میں سبقت کی۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ شب معراج کی صبح کو آپ پہلی دفعہ اس لقب سے سرفراز کئے گئے۔

مگر اس پر سب مورخین ومحدثین اہلسنت کا اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ سب سے پہلے

مسلمان ہوئیں۔ اس کے بعد دوسرے لوگ اس دین میں داخل ہوتے گئے۔ غرض حضرت ابوبکر کو اولیۃ نہیں حاصل تھی بلکہ مورخ طبری کی روایۃ کے مطابق آپ پچاس شخصوں کے بعد مسلمان ہوئے۔ پھر آپ کا لقب صدیق کیوں ہوتا؟ رہی دوسری وجہ تو واقعہ معراج کی تصدیق بھی تنہا حضرت ابوبکر نے نہیں کی بلکہ اور صحابہ نے بھی اس کو مان لیا۔ اور ایک ہی کام کی وجہ سے صرف ایک شخص کو کسی خاص لقب سے سرفراز کرنا اور دوسروں کو محروم کرنا عدل کے خلاف ہے جس سے آنحضرتؐ کی شان کہیں ارفع تھی۔ علاوہ بریں حضرت ابوبکر نے فوراً نہیں مانا بلکہ پہلے حضرت سے اس پر بحث کی۔ علامہ محب طبری نے لکھا ہے کہ:۔

اقبل حتے انتھی الی رسول اللہ وقال یا نبی اللہ حدث ھولاء انک جئت بیت المقدس ھذہ اللیلۃ قال نعم قال یا نبی اللہ فصفہ لی فانی قد جئتہ (ریاض نضرۃ ج ۱ ص ۴۹)

جب حضرت ابوبکر نے واقعہ معراج کی خبر سنی تو رسولخداؐ کے پاس آئے اور کہا یا حضرت یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ رات کو بیت المقدس گئے تھے۔ حضرت نے فرمایا ہاں۔ انھوں نے کہا ذرہ مجھ سے بیان کیجئے کہ آپ کس طرح وہاں گئے تھے۔

یہ ظاہر ہے کہ بحث کرنے اور دلیل حاصل ہونے کے بعد تو مخالف بھی دعوے کو قبول کر لیتا ہے اس میں حضرت ابوبکر کی کیا خصوصیت ہوئی جس کی وجہ سے آپ اس لقب سے موصوف ہوتے۔ ہاں بغیر ثبوت طلب کئے آپ تصدیق کر دیتے تو پھر بھی کچھ گنجایش تھی۔ دوسری مصیبت یہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ صدیق صرف تین ہیں۔ سب سے بڑے مفسر اہلسنت علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے:۔

عن رسول اللہ انہ قال الصدیقون ثلاثۃ حبیب النجار مؤمن آل یاسین ومومن آل فرعون الذی قال اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ والثالث علی بن ابی طالب وھو افضلھم (تفسیر کبیر سورہ مومن ع ۹ ج ۷ ص ۳۱۷)

حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ صدیق تین ہیں۔ اول حبیب نجار مومن آل یاسین۔ دوسرے مومن آل فرعون جنھوں نے کہا تھا کہ کیا تم ایسے شخص کو قتل کر دوگے۔ جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔ تیسرے علی بن ابی طالب۔ اور وہ ان تینوں میں سب سے افضل ہیں۔

اور علامہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے :۔

عن معاذة بنت عبد الله العدوية قالت سمعت علی بن ابیطالب علے منبر رسول الله انا الصديق الاكبر آمنت قبل ان يومن ابوبكر واسلمت قبل ان يسلم ابوبكر (معارف مطبوعہ مصر صفحہ ۵۶)	معاذة عدویہ دختر عبد اللہ کہتی تھیں کہ میں نے سُنا حضرت علے ابن ابی طالب حضرت رسولخدا صلعم کے منبر پر کہتے تھے کہ میں صدیق اکبر ہوں ابوبکر سے پہلے میں ایمان لاچکا ہوں اور ابوبکر سے پہلے مسلمان ہو چکا ہوں۔

اور علامہ محب طبری نے لکھا ہے :۔

ويلقب بيعسوب الامة والصديق الاكبر... وعن علی انه كان يقول انا عبد الله واخو رسول الله وانا الصّديق الاكبر وعن ابی ذر قال سمعت رسول الله يقول لعلی انت الصّديق الاكبر وانت	اور حضرت علے کا لقب یعسوب الامتہ اور صدیق اکبر ہے ۔ اور حضرت علیؑ کا معمول تھا کہ فرمایا کرتے میں خدا کا بندہ ۔ حضرت رسول اللہ صلعم کا بھائی اور صدیق اکبر ہوں۔ اور جناب ابوذر صحابی بیان کرتے تھے کہ میں نے سنا کہ حضرت رسولخدا صلعم حضرت علیؑ سے فرماتے تھے کہ تم صدیق اکبر ہو[1] اور

[1] ریاض نضرہ مطبوعہ مصر میں یہ روایت اسی طرح ہے ۔ مگر درحقیقت اس میں تحریف کردی گئی ہے اصل روایۃ میں انت الصدیق الاکبر کے پہلے آنحضرت صلعم کا یہ جملہ بھی ہے انت اوّل من آمن بی وصدق ۔ یعنی اے علیؑ تم ہی سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے اور تم ہی نے سب سے پہلے میری تصدیق کی ہے ۔ چنانچہ عالم اہلسنت مولوی عبید اللہ صاحب امرتسری نے اپنی کتاب ارجح المطالب صفحہ ۲۱ میں اس روایۃ کو ریاض نضرہ سے اس جملہ کے ساتھ نقل کیا ہے ۔ وہ ریاست رام پور کے کتب خانہ میں رجسٹرار تھے ۔ وہاں ان کو غالباً ریاض نضرہ کا قلمی نسخہ مل گیا اس سے صحیح عبارت نقل کردی اور مصر والوں نے چھاپتے وقت یہ جملہ نکال دیا ۱۲

الفاروق الذی تفرق بین الحق والباطل (ریاض نضرہ ج ۲ ص ۱۵۵)	تم وہ فاروق ہو جو حق و باطل کے درمیان فرق کردو گے۔

اور علامہ نسائی نے جن کی کتاب سنن نسائی صحاح ستہ میں داخل ہے اپنی کتاب خصائص نسائی میں لکھا ہے:۔

قال علی رض انا عبد اللہ واخو رسولہ وانا الصدیق الاکبر۔ لایقولہا بعدی الا کاذب آمنت قبل الناس بسبع سنین (خصائص نسائی مطبوعہ مصر ص ۳)	حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ کا بندہ حضرت رسو خدا کا بھائی اور صدیق اکبر ہوں اس بات کو میرے بعد جو شخص کہے گا وہ جھوٹا ہے۔ میں سب لوگوں سے سات سال پہلے ایمان لاچکا تھا۔

اور علماء اہلسنت سے فن مناظرہ میں جو بزرگ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ یعنی جناب شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے:۔

و در احادیث صحیحہ کنیت شان بابوتراب و ابوالریحانتین و تلقیب الشان بہ ذی القرنین و یعسوب الدین و صدیق و فاروق و سابق و یعسوب الامۃ و یعسوب المومنین و یعسوب قریش و بیضۃ البلد و امین و شریف و ہادی و مہدی وغیرہ مروی و ثابت است (فتاوے عزیزی جلد ۲ ص ۱۸)	اور صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ کی کنیت ابوتراب۔ ابوالریحانتین تھی اور آپ کے القاب یہ تھے ذوالقرنین۔ یعسوب الدین صدیق۔ فاروق۔ سابق۔ یعسوب الامۃ۔ یعسوب المومنین۔ یعسوب قریش۔ بیضۃ البلد امین۔ شریف۔ ہادی اور مہدی ان سب کی روایتیں موجود اور ثابت ہیں۔

اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے:۔

الصدیقون ثلاثۃ حزقیل مومن آل فرعون و حبیب النجار صاحب آل یسین و علی بن ابی طالب۔	صدیق تین ہیں حزقیل مومن آل فرعون و حبیب النجار صاحب آل یسین اور علی ابن ابی طالب۔

یہ بھی لکھا ہے:۔

الصدیقون ثلاثة حبیب النجار مؤمن آل یسین قال یا قوم اتبعوا المرسلین وحزقیل مؤمن آل فرعون الذی قال اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله وعلی ابن ابیطالب وهو افضلهم۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۲)	صدیق تین ہیں۔ اول حبیب نجار جو مومن آل یسین تھے جنھوں نے کہا اے قوم پیغمبروں کی پیروی کرو۔ دوسرے حزقیل مومن آل فرعون۔ جنھوں نے کہا اے قوم کیا تم لوگ اس شخص کو قتل کروگے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ تیسرے علی بن ابی طالب اور وہ سب میں افضل تھے۔

حضرت رسولخدا صلعم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے :۔

ان هذا اول من آمن وهو اول من یصافحنی یوم القیامة وهذا الصدیق الاکبر وهذا فاروق هذه الامة یفرق بین الحق والباطل وهذا یعسوب المؤمنین والمال یعسوب الظالمین قاله لعلی (کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۶)	حضرت علی کے بارے میں ارشاد نبی ہوتا ہے کہ یہی وہ ہیں جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے اور یہی وہ ہیں جو سب سے پہلے قیامتہ میں مجھ سے مصافحہ کریں گے۔ یہی صدیق اکبر ہیں اور یہی اس امت کے فاروق ہیں جو حق و باطل کے درمیان فرق کریں گے۔ اور یہ مومنین کے سردار ہیں اور مال ظالموں کا سردار ہوتا ہے۔

یہی علامہ علی متقی یہ بھی لکھتے ہیں :۔

عن عباد بن عبد الله سمعت علیا یقول انا عبد الله واخو رسوله وانا الصدیق الاکبر لا یقولها بعدی الا کذاب مفتر ولقد صلیت قبل الناس سبع سنین (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۴)	عباد بن عبداللہ کہتا تھا کہ میں نے حضرت علی کو سنا کہ فرماتے تھے میں اللہ کا بندہ۔ اس کے رسول کا بھائی اور صدیق اکبر ہوں۔ اس بات کو میرے بعد نہیں کہے گا مگر وہی شخص جو بڑا جھوٹا اور افترا کرنے والا ہوگا۔ میں سب لوگوں سے سات سال پہلے سے نماز پڑھتا رہا ہوں۔

ممدوح ہی نے یہ حدیث بھی لکھی ہے:-

قال رسول اللہ صلعم یا علی لیس فی القیامۃ راکب غیرنا ونحن اربعۃ فقام رجل من الانصار فقال فداک ابی وامی فمن هم قال انا علے البراق واخی صالح علے ناقتہ التی عقرت وعمی حمزۃ علے ناقتی العضباء واخی علی علے ناقۃ من نوق الجنۃ بیدہ لواء الحمد ینادی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ فیقول الآدمیون ما هذا الا ملک مقرب او نبی مرسل او حامل عرش فیجیبهم ملک من بطنان العرش یا معشر الآدمیین لیس هذا ملکا مقربا ولا نبیا مرسلا ولا حامل عرش هذا الصدیق الاکبر علی ابن ابیطالب (کنز العمال ج ۶ صفحہ ۴۰۲)

حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے علی قیامت میں اونٹ پر سوا ہم لوگوں کے کوئی سوار نہیں ہوگا۔ اور ہم لوگ صرف چار شخص ہوں گے۔ اس پر انصار سے ایک شخص کھڑا ہوگیا اور کہا میرے باپ ماں حضور پر فدا ہو جائیں وہ کون چار حضرات ہیں۔ فرمایا میں براق پر ہوں گا اور بھائی صالح اپنی اس اونٹنی پر ہوں گے جو پے کی گئی تھی۔ اور چچا حمزہ میری عضباء اونٹنی پر ہونگے اور میرے بھائی علی بہشت کی ایک اونٹنی پر ہوں گے اور ان کے ہاتھ میں لواء حمد ہوگا وہ پکار کر کہتے ہوں گے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس پر آدمی لوگ کہنے لگیں گے ہو نہ ہو یہ شخص یا خدا کی درگاہ کا کوئی مقرب فرشتہ یا عرش کا اوٹھانے والا (فرشتہ) ہے۔ اُس وقت عرش کے نیچے سے ایک فرشتہ پکار کر جواب دے گا کہ اے لوگو! یہ شخص نہ تو کوئی مقرب فرشتہ ہے اور نہ کوئی نبی مرسل ہے اور نہ عرش کا اٹھانے والا ہے بلکہ یہ صدیق اکبر علی ابن ابی طالب ہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ خود حضرت رسول خدا صلعم نے متعدد مواقع پر تصریح سے ارشاد فرمایا کہ حضرت علیؑ صدیق ہیں اور آپ ہی صدیق اکبر ہیں۔

آٹھویں فصل

عہد طفولیۃ و تعلیم و تربیۃ

اس فصل کو خالی ہی سمجھنا چاہئے کیونکہ ممدوح کے نہ بچپن کے حالات ملتے ہیں نہ تعلیم و تربیت کے تاریخ و حدیث وغیرہ کی مشہور اور مطبوعہ کتابوں میں تو پتا ہی نہیں ہے زمانہ حال میں ایک عالم اہلسنت شیخ علی طنطاوی نے حضرت کی بہت مفصل سوانح عمری عربی زبان میں لکھی ہے جو دمشق میں چھاپی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ملک شام میں عربی کتابوں کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں کا جو ذخیرہ موجود ہے وہ کتنا عظیم الشان ہوگا اور وہاں کے جید عالم حضرت کے حالات لکھنا چاہیں تو کس قدر کامیابی ہوگی۔ یہ سوانح عمری ۳۶۰ صفحوں میں تکمیل ہوئی ہے مگر افسوس اس میں بھی ممدوح کی طفولیۃ اور تعلیم و تربیت کا کوئی ذکر نہیں ملا۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے:-

وکان منشأہ بمکۃ لایخرج منہا الا لتجارۃ (تاریخ الخلفاء صـ۲۱)	حضرت کی نشو و نما مکہ میں ہوئی۔ اس سے باہر کبھی نہیں جاتے۔ البتہ تجارت کے لئے باہر جاتے۔

مگر جب خلیفہ ہوتے وقت تک آپکی تجارت پھیری کی تھی کہ چادروں کو کاندھے پر رکھ کر بازار میں نکل جاتے۔ تو ابتداء عمر کی تجارت کس شان کی ہوگی۔ جب حضرت رسولخدا صلعم کا سن ۱۲ سال کا ہوا تو جناب بوطالب نے تجارت کے لئے ملک شام کو جانا چاہا اور آنحضرت صلعم کو مکہ ہی میں چھوڑ دینے کا ارادہ کیا مگر آنحضرت صلعم چچا سے لپٹ گئے اور چلائے کہ ہم کو بھی ساتھ لیتے چلئے۔ جناب ابوطالب کا دل تڑپ گیا۔ حضرتؐ کو ساتھ بٹھالیا اور لیگئے۔ شام پہونچے تو عیسائی مذہب کے عالموں اور راہبوں نے جناب ابوطالب اور آنحضرت صلعم کی بہت خاطرداری کی۔ علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ اس سفر میں حضرت ابوبکر بھی چلے گئے تھے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں:-

لما خرج رسول اللہ مع عمہ الی الشام فی تجارۃ ابی طالب وھو ابن اثنتی	جب حضرت رسولخدا صلعم اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ تجارت کے لئے شام گئے اور اُس وقت

عشرۃ سنۃ ومعہما ابوبکر وبلال۔

(مروج الذہب ج ۱ ص ۱۸)

حضرت ۱۲ سال کے تھے اور حضرتؐ کے ساتھ ابوبکر و بلال بھی تھے۔

طبری جلد ۲ ص ۱۹۶ میں بھی جناب ابوبکر کا اس سفر شام میں جانا مذکور ہے۔ اُس وقت آپکی عمر ۱۰ سال کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان بنی ہاشم کا احسان شروع ہی سے حضرت ابوبکر کے اوپر رہا کیونکہ ظاہر ہے کہ جناب ابوطالب ہی جناب ابوبکر کو لے گئے۔ اگر اپنی خدمت کے لئے لے گئے تو یہ بھی احسان تھا کہ بے کاری کی زندگی سے نکالا۔ کھانے پینے کی صورت پیدا کر دی۔ اور اگر تجارت سکھانے کو لے گئے تو یہ احسان بالائے احسان تھا۔

نویں فصل

ذریعہ معاش

چوتھی فصل میں آپکا خاندانی پیشہ لکھا گیا ہے۔ یہ فصل اُس سے علحدہ اس سبب سے لکھی گئی کہ جو چیزیں جناب ممدوح کے ذریعہ معاش کی ایسی معلوم ہوں جن کا تعلق خاندانی پیشہ سے نہ ہو وہ بھی ذکر کر دی جائیں۔ مثلاً معتبر کتابوں میں ہے کہ آپکا غلام محنت مزدوری کرتا اور جو کما کر لاتا اس پر جناب ممدوح نے ٹیکس مقرر کر دیا تھا اس سے وصول کر کے خود کھایا کرتے علامہ علی متقی نے لکھا ہے:۔

عن عائشۃ قالت کان لابی غلام یخرج لہ الخراج وکان ابی یاکل من خراجہ فجاء یوما بشئی فاکل منہ ابوبکر فقال الغلام اتدری ما ھذا فقال ابوبکر ما ھو۔ قال کنت تکہنت لانسان

حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ میرے باپ کا ایک غلام تھا جس کی کمائی پر میرے والد نے ٹیکس مقرر کر دیا تھا اور وہ اس کو برابر ادا کرتا اور میرے والد اس کے ٹیکس سے کھایا کرتے۔ ایک دفعہ وہ غلام اسی ٹیکس کی کوئی چیز لایا۔ والد صاحب نے اس کو بھی لے کر کھالیا۔ اس پر وہ غلام بولا آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ہے کیا؟ حضرت ابوبکر نے پوچھا کیا ہے؟ اس نے کہا

فی الجاھلیة وما احسن الکھانة - الا انی خدعته فلقینی فاعطانی بذلک فھذا الذی اکلت منه - (منتخب کنز العمال ج ۴ ص ۳۲)	میں نے زمانہ جاہلیۃ میں ایک شخص کے لئے کہانتہ[1] کی تھی - اور مجھے کہانتہ کرنے آتا تو ہے نہیں مگر میں نے اس شخص کو دھوکا دیا اور کہ دیا کہ میں کہانتہ کا علم جانتا ہوں - پس وہ شخص مجھ سے ملا - اور اس نے مجھ کو یہی چیز دی جس سے آپ نے ابھی کھایا ہے -

یہی روایت بجنسہا صحیح بخاری پ ۱۵ ص ۴۳۰ باب ایام الجاہلیۃ میں بھی ہے - اس کی شرح میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں :-

قوله یخرج الخراج ای یاتیه بما یکسبه والخراج ما یقرره السید علی عبده من مال یحضره له من کسبه	صحیح بخاری میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ غلام خراج دیتا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو مزدوری یا کمائی کرتا تھا وہ انھیں دیتا تھا - خراج کا معنے وہ ٹیکس ہے جو مالک اپنے بندہ کے مال پر مقرر کر دیتا ہے کہ کما کر اس کو دیا کرے -
پھر لکھتے ہیں :-	
کان لابی بکر غلام فکان	حضرت ابوبکر کا ایک غلام تھا جو کما کر اپنی مزدوری

[1] جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں " کہانتہ غیب کی بات یا آیندہ ہونے والی بات بتانا - کاہن - وہ شخص جو آیندہ ہونے والی باتیں بتلائے اور معرفت اسرار کا دعوٰے کرے - اور عرب میں زمانہ جاہلیت میں کئی کاہن تھے بعضے تو یہ دعوے کرتے تھے کہ جن ان کے تابع ہیں وہ خبریں لا کر سناتے ہیں اور بعضے قرائن اور علامات سے آیندہ ہونے والی بات دریافت کر لیتے .. ہمارے زمانہ کے نجومی اور پنڈت اور جفار اور رمال یہ سب بھی کاہن ہیں اور ان کا پیشہ حرام اور خبیث ہے - اور جو مال وہ اس کے بدل کمائیں وہ بھی حرام اور خبیث ہے "
(انوار اللغۃ پ ۲۲ ص ۱۰۴)

يجيئ بكسبه فلا
يا كل منه حتى يسأله
فاتاه ليلة بكسبه فاكل
منه ولم يسأله ثم
سأله -
(فتح الباری پ۱۵ ص۱۳۰)

کا کھانا وغیرہ ان کو دیا کرتا مگر جب تک آپ اس
سے پوچھ نہیں لیتے اس کو کھاتے نہیں تھے۔
ایک رات کو وہ اسی طرح اپنی مزدوری کا کھانا لایا
تو آپ نے اس سے کھالیا اور غلام سے پوچھا
نہیں بعد کو (جب غلام نے ٹوکا تو) اس سے
پوچھ لیا۔

اور علامہ علی متقی نے دوسری روایت اس طرح لکھی ہے:-

عن زيد بن ارقم قال
كان لابی بكر مملوك يغل عليه
فاتاه ليلة بطعام فتناول
منه لقمة فقال له المملوك
مالك - كنت تسألني كل ليلة
ولم تسألني الليلة قال حملني
على ذلك الجوع - من
اين جئت بهذا - قال
مررت بقوم في الجاهلية
فرقيت لهم فوعدوني.
فلما ان كان اليوم
مررت بهم - فاذا
عرس لهم فاعطوني
(منتخب كنز العمال

جناب زید بن ارقم صحابی بیان کرتے تھے کہ
حضرت ابوبکر کا ایک غلام تھا جو برابر ان کے
لئے کما کر کھانا لایا کرتا حسب معمول ایک رات
کو وہ کچھ کھانا لایا تو حضرت ابوبکر نے فوراً اس
سے ایک لقمہ لے کر کھالیا۔ اس پر دونوں میں
حسب ذیل گفتگو ہونے لگی۔
غلام۔ آپکو کیا ہو گیا ہے؟ آپ ہر رات مجھ سے پوچھ لیا
کرتے تھے۔ پھر آج کیوں نہیں پوچھا؟
حضرت ابوبکر۔ میں بھوک سے بہت پریشان تھا اسی بے چینی
میں بے پوچھے کھالیا[1] اچھا اب بتاؤ اس کھانے کو کہاں سے لائے ہو؟
غلام۔ میں جاہلیۃ میں ایک قوم کے پاس سے گزرا اور
ان لوگوں کے لئے جھاڑ پھونک کی تو ان لوگوں نے مجھے
کچھ دینے کا وعدہ کیا۔ وعدہ کے دن میں ان کے ہاں
گیا تو کوئی شادی درپیش تھی۔ ان لوگوں نے

[1] اس جملہ سے بڑا تعجب ہوا کیونکہ لوگ بڑے شد ومد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر بڑے مالدار تھے
ان کے پاس بہت دولت تھی جس سے اسلام اور مسلمانوں کی مدد کرتے رہتے تھے حالانکہ ممدوح کی یہ حالت تھی ۱۲

جلد ۴ صفحہ ۳۶۰) | یہی کھانا مجھے دیا جو آپ کے پاس لایا ہوں۔

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو اپنے طعام کی طرف سے پورا اطمینان تھا کہ غلام مزدوری کر کے اپنا کھانا لایا کرتا اور آپ اس کو نوش فرمایا کرتے۔

دسویں فصل

حضرت رسولخدا صلعم سے برتاؤ

حضرت رسولخدا صلعم سے حضرت ابوبکر کی دوستی ثابت کرنے کے لئے بعض مورخین و محدثین اسلام نے لکھا ہے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم نے دس سال کے سن میں حضرت ابوطالب کے ساتھ سفر شام کیا ہے اور راہب نے حضرت ابوطالب کو خوف دلایا کہ یہود و نصاریٰ سے آپ کی حفاظت کرنی چاہیئے تو حضرت ابوطالب نے راہ سے معاودت کی اور اپنا مال بصرے میں بیچ کر مکہ چلے آئے مگر بعض روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابوطالب نے کچھ لوگوں کو ساتھ کر کے حضرتؐ کو مکہ بھیج دیا۔ اور خود آگے بڑھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے شام سے آنحضرتؐ کے ساتھ بلال کو کر دیا تھا۔ علامہ طبری نے لکھا ہے:۔

و بعث معه ابو بکر رض بلالا (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۹۶)	حضرت رسولخدا صلعم کے اس سفر میں واپسی کے وقت حضرت ابوبکر نے بلال کو آپ کے ساتھ کر دیا تھا۔

مگر اس کے متعلق جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے:۔

در بعض طرق وارد شدہ کہ فرستاد ابوبکر بلال را ہمراہ آں حضرت صلعم بمکہ و ایں درست نمی آید زیرا کہ ابوبکر دریں سفر ہمراہ نہ بود و بلال را ہنوز نہ خریدہ	بعض حدیثوں میں ہے کہ شام سے واپسی کے وقت حضرت ابوبکر نے حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ جناب بلال کو بھیج دیا تھا۔ مگر یہ بات صحیح نہیں ہوسکتی اس لئے کہ حضرت ابوبکر اس سفر میں حضرت صلعم کے ساتھ گئے

بود وابوبکر خرد تر از حضرت ؐ بود و آں حضرت ؐ دوازدہ سالہ بود (مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۳۳)

ہی نہیں تھے۔ اور بلال کو ابھی خریدا بھی نہیں تھا۔ اور ابوبکر آنحضرت صلعم سے چھوٹے تھے اور آں حضرت صلعم اُس وقت بارہ سال کے تھے۔

علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ محض غلط ہے۔ کیونکہ بلال اُس وقت پیدا بھی نہ ہوئے ہوں گے (زاد المعاد) اور عیون الاثر میں ہے کہ بلال اس قصہ کے تیس برس بعد حضرت ابوبکر کی ملک میں آئے۔ تو اُس وقت اونھوں نے کیونکر ان کو ساتھ کر دیا۔ رہے خاندان بنی ہاشم سے تعلقات تو وہ اچھے نہیں تھے۔ علامہ ابن حجر مکی اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہ نے لکھا ہے:۔

ان بنی تیم وعدی وبنی ہاشم کان بینہم شئ فی الجاہلیۃ (صواعق محرقہ صہ ۳۲ وازالۃ الخفاء ح ۲)

بنو تیم وعدی اور خاندان بنی ہاشم میں بزمانہ جاہلیت عداوت تھی۔

گیارہویں فصل

حضرت عمر سے تعلقات

اگرچہ قبیلہ بنو تیم و بنو عدی میں اتفاق و اتحاد تھا اور دونوں خاندان بنو ہاشم کے مخالف تھے مگر حضرت عمر و ابوبکر کے درمیان کسی تعلق کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کے ابتدائی حالات جاننے کی دلچسپی کسی کو بھی نہیں تھی۔ حالانکہ اگر دِغفل کے قول کے مطابق حضرت ابوبکر چرواہے تھے تو دونوں میں بچپن کے زمانہ سے کچھ تعلقات ضرور ہوں گے۔ اس لئے کہ حضرت عمر کا شغل بھی اس وقت یہی تھا۔ جناب مولوی شبلی صاحب نے حضرت عمر کے حال میں لکھا ہے "سن رشد کو پہونچکر خطاب ان کے باپ نے اُن کو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا۔ لیکن خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن

اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی اُس کا نام ضجنان تھا جو مکہ معظمہ سے قریب، قدید سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافت کے زمانہ میں ایک دفعہ حضرت عمر کا ادھر گزر ہوا تو ان کو نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں (طبقات ابن سعد)"۔ (الفاروق ص۲۸) یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر نے اُس وقت عمداً کوئی تعلق حضرت عمر سے نہ پیدا کیا ہو۔ کیونکہ شروع سے آپ سخت مزاج تھے اور حضرت ابوبکر آپکی اس حالت سے واقف تھے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے اور اُن کو حضرت عمر سے کچھ اختلاف ہوا تو حضرت ابوبکر نے اُن کی جاہلیۃ کی حالت بھی واضح کر دی۔ علامہ محب طبری نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت ابوبکر سے بغاوت کی ان کے بارے میں حضرت عمر نے ممدوح سے کہا:-

یا خلیفۃ رسول اللہ تألف الناس وارفق بھم فقال اجبار فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام (ریاض نضرہ ص۶۷ وغیرہ)	اے خلیفہ رسول ان لوگوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کیجئے اور نرمی سے پیش آئیے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا تم زمانہ جاہلیت میں تو سرکش تھے اور اب اسلام میں بودے[1] ہو گئے۔

[1] جناب مولوی وحید الزمان خاں صاحب نے لکھا ہے اَجَبَّارٌ فِی الْجَاھِلیۃ وَخَوَّارٌ فی الاسلام - حضرت صدیق رض نے حضرت عمر رض سے فرمایا کیا جاہلیۃ کے زمانہ میں تو تم سرکش اور سخت تھے اسلام میں آکر ناتوان اور کمزور ہو گئے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد عرب کے کئی قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ حضرت صدیق نے کہا میں اُن سے لڑوں گا۔ حضرت عمر نے یہ رائے دی کہ تم کو تالیف قلوب چاہیئے تب حضرت صدیق نے یہ فرمایا" (انوار اللغۃ پ ص۱۳۲)

غرض جو سبب بھی ہو مگر کوئی تعلق ظاہر نہیں ہوتا حالانکہ زمانہ اسلام اور زمانہ خلافت میں دونوں بزرگ دو قالب اور ایک روح معلوم ہوتے تھے۔

دونوں بزرگوں کے درمیان زمانہ جاہلیت میں کسی قسم کا تعلق نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت عمر اونٹ چرانے کے علاوہ دوسرے معزز اشغال میں بھی لگے جن سے حضرت ابوبکر شاید علحدہ رہے ہوں۔ چنانچہ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمر اُن شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً معمول تھے... پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل کیا یہاں تک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے... علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں بسند یہ روایت نقل کی ہے کہ عکاظ کے دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا" (الفاروق ص ۲۹) لیکن حضرت ابوبکر کے متعلق اس کمال کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ پھر دونوں میں ارتباط کس وجہ سے پیدا ہوتا۔ بلکہ مسلمان ہونے پر کبھی کبھی دونوں میں رنج و ملال پیدا ہونے کا پتا بھی ملتا ہے۔ مثلاً علامہ سیوطی نے لکھا ہے:-

عن ابی الدرداء قال کنت جالسا عند النبیؐ اذا قبل ابوبکر فسلم وقال انی کان بینی و بین عمر بن الخطاب شئی فاسرعت الیہ ثم ندمت فسألتہ ان یغفر لی فابی علی۔ فاقبلت الیک فقال یغفر لک یا ابابکر ثلاثا۔ ثم ان عمر ندم فاتی منزل ابی بکر فلم یجدہ فاتی النبیؐ

ابو درداء بیان کرتے تھے کہ میں حضرت رسولخدا صلعم کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں حضرت ابوبکر آئے سلام کیا اور کہا یا حضرت میرے اور عمر بن الخطاب کے درمیان کچھ جھگڑا ہوگیا تھا اس پر میں ان کی طرف بڑھا کہ ان پر حملہ کروں) پھر (اپنے اس ارادہ پر) نادم ہوا اور ان سے درخواست کی کہ مجھے معاف کردیں مگر انھوں نے اس سے انکار کیا تب میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے تین مرتبہ فرمایا اے ابوبکر تم کو بخش دیگا۔ پھر حضرت عمر نادم ہوئے تو وہ حضرت ابوبکر کے گھر پہونچے مگر وہاں ان کو نہیں پایا

فجعل وجه النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتمعر لہ (تاریخ الخلفاء ص۳۷)

تو آنحضرت صلعم کے پاس حاضر ہوئے مگر (حضرت عمر کو دیکھ کر) آنحضرت صلعم کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا۔

بارہویں فصل

زمانہ جاہلیت کے کارنامے

مورخین و محدثین نے زمانہ جاہلیۃ کے متعلق آپ کے بڑے بڑے کارنامے لکھے ہیں مثلاً

دیت کی خدمات علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے:۔

کان الیہ الدیات والغرم (تاریخ الخلفاء ص۲۱)

حضرت کے متعلق دیتوں اور تاوانوں کی خدمتیں رہتی تھیں۔

اور علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے:۔

والیہ کانت الاشناق فی الجاہلیۃ والاشناق الدیات کان اذا حمل شیئا فسألت فیہ قریش صدقوہ وامضوا حمالتہ وحمالۃ من قام معہ ابوبکر وان احتملہا

زمانہ جاہلیۃ میں حضرت ابوبکر کے ذمہ اشناق کی خدمت تھی۔ اور اشناق دیتوں کو کہتے ہیں۔ معمول یہ تھا کہ جب وہ کسی ایسی بات کے ذمہ دار ہوجاتے تھے جس کے بارے میں قریش گفتگو کرتے تو وہ حضرت ابوبکر کی تصدیق کرتے اور ان کی کفالت کو اور جس کے ساتھ ابوبکر کھڑے ہوتے اسکی کفالت کو قبول کرلیتے۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص اسکی کفالت کرتا تھا تو قریش اس کو

لہ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "فتمعر وجہ رسول اللہ آنحضرتؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا (آپکو غصہ آگیا)" (انوار اللغۃ پ ۲۴ صـ۶۶)۔

غیرخذ لوہ ولم یصدقوہ (استیعاب جلد ۱ ص۳۴۲)	چھوڑ دیتے اور اس کی تصدیق نہیں کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر نے بھی تقریباً یہی مضمون لکھا ہے (اصابہ جلد ۴ ص۱۰۱)

جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کو واضح طور پر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:-

والیہ کانت الاشناق فی الجاھلیۃ۔	زمانہ جاہلیۃ میں اشناق کی خدمت حضرت ابوبکر ہی کے ذمہ تھی۔
و معنے اشناق آں ست کہ چوں قتلے واقع می شد و فتنہ درمیان قبیلہ قاتل و قبیلہ مقتول برمی خواست ابوبکر صدیق کفیلِ دیت می شد و آں فتنہ را فرو می نشاند و اگر دیگرے کفیل می شد اعتداد نمی کردند و فتنہ تسکین نمی یافت۔ (ازالۃ الخفا، مقصد ۲ ص۷)	اور اشناق کا معنے یہ ہے کہ جب کوئی قتل واقع ہوتا اور کوئی فتنہ قاتل کے قبیلہ اور مقتول کے قبیلہ کے درمیان قائم ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیق دیت (خوں بہا) کے کفیل ہوتے تھے اور وہ فتنہ دب جاتا تھا اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کا کفیل ہوتا تو اس کو لوگ شمار نہیں کرتے تھے اور فتنہ دبتا نہیں تھا۔

اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے "زمانہ جاہلیۃ میں دیت کے فیصلے انھیں کے متعلق تھے۔ جب یہ کسی بات کی ذمہ داری کر لیتے تو تمام قریش اس کو مانتے اور انکی ذمہ داری کا پاس و لحاظ کرتے۔ اور اگر کوئی اور ذمہ داری کرتا تو اس کی بات نہ مانتے تھے"۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۵ ص۲۸۰)۔ مگر تاریخ کی کتابوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ عرب میں یہ خدمت کسی عزت یا شرف کی نظروں سے دیکھی جاتی ہو۔ وہاں تو پانچ صیغے قابل احترام سمجھے جاتے جیسا علامہ ابن اثیر جزری نے جناب قصی کے بارے میں لکھا ہے:-

وکان الیہ الحجابۃ والسقایۃ والرفادۃ والندوۃ واللواء	حجابۃ (خانہ کعبہ کی کلید برداری) سقایۃ (حاجیوں کے پانی پلانے) رفادہ (حاجیوں کے کھانا دینے) ندوہ (مجلس شوریٰ میں صدارت)

فحاز شرف قریش کله
(تاریخ کامل ج ۲ صث)

اور لواء (علمبرداری) کرنے کے کل عہدے جناب قصی کے متعلق تھے اس طرح وہ قریش کے کل شرف کے مالک ہو گئے تھے۔

مطلب یہ کہ قریش کا جو کچھ شرف تھا وہ انھیں پانچ عہدوں سے۔ اور ان سب پر قصی فائز تھے (جن سے حضرت ابو بکرؓ کو کوئی تعلق نہیں تھا)

ترک شعر آپکا دوسرا کارنامہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے شعر نہیں کہے علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے:۔

کان ابو بکر اعف الناس فی الجاھلیۃ اخرج ابن عساکر بسند صحیح عن عائشۃ رض قالت واللہ ما قال ابو بکر شعراً قط فی جاھلیۃ ولا اسلام
(تاریخ الخلفاء صـ۲۲)

حضرت ابو بکر زمانہ جاہلیت میں سب سے زیادہ پارسا شخص تھے۔ ابن عساکر نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عائشہ سے روایت کی ہے وہ کہتی تھیں خدا کی قسم ابو بکر نے کوئی شعر کبھی نہیں کہا۔ نہ زمانہ جاہلیت میں اور نہ ہی اسلام میں۔

اس عبارت کے پہلے جملہ کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابو بکر عفت میں حضرت رسولخدا صلعم سے بھی بڑھے ہوئے تھے مگر تمام محدثین و مورخین و علماء سیر کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم جمیع محاسن اخلاقیہ میں از ابتداء ولادت تا آخر عمر سب لوگوں سے افضل تھے۔ اسی طرح خاندان بنی ہاشم کی دوسری فردوں کی بھی حالت تھی۔ آنحضرت صلعم کے والد جناب عبد اللہ کی عفت کی یہ حالت لکھی ہے کہ نہایت حسینہ وجمیلہ اور معزز عورتیں خود آپ سے شربت وصال کی درخواست کرتیں اور ممدوح سب کے سوال کو حقارت سے ٹھکرا دیتے۔ اسلام تک کی تصریح ہے کہ:۔

قالت لہ یا فتی ھل لک ان تقع علی الآن واعطیک مائۃ من الابل... قال لھا لا اقدر

ایک عورت نے جناب عبد اللہ سے کہا کہ اے جوان کیا تم اس پر آمادہ ہو کہ اس وقت اگر میرے ساتھ مباشرت کرو۔ اس کے عوض میں تم کو سو اونٹ دے دوں گی۔ آپ نے فرمایا مجھ سے

(تاریخ کامل جلد ۲ ص۳) | یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔

دعوے عفت کے بعد حضرت عائشہ کی روایت لکھی گئی ہے کہ ممدوح نے کبھی کوئی شعر نہیں کہا مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو اوپر کی عبارت سے کیا ربط ہے؟ کیا شعر نہ کہنا ہی عفت کی دلیل ہے؟ کیا خود عفت۔ طہارت و دیگر مکارم اخلاق کے متعلق شعر نہیں کہے جاتے؟ کیا زمانہ جاہلیۃ و زمانہ اسلام کی کل شاعری فسق و فجور۔ عیاشی۔ رندی اور منافی عفت باتوں ہی میں منحصر تھی؟ ایام جاہلیۃ کے متعدد شعراء کے دیوان موجود ہیں۔ جن میں عقل ادب۔ حکمۃ۔ اخلاق کے کلام بھی بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ مشہور دیوان حماسہ ملاحظہ کیجئے جس میں زیادہ تر زمانہ جاہلیۃ کے شعراء کے کلام ہیں۔ اس میں باب الحماسۃ باب الادب وغیرہ متعدد ابواب ہیں جو کسی طرح خلاف عفت نہیں کہے جا سکتے۔ خود حضرت ابوطالب نے حضرت رسولخدا صلعم کی مدح میں طویل قصیدہ کہا ہے جس میں کوئی بات خلاف عفت نہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں:۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ⁂ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

حضرت محمدؐ نورانی شکل کے ایسے متبرک اور مقدس بزرگ ہیں جن کے واسطہ سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ آپ یتیموں کے پشت پناہ۔ بیوؤں کے بچاؤ ہیں [۱] (اسنے المطالب مطبوعہ مصر ص۱) ۔ اسی قسم کا شعر حضرت ابوبکرؓ بھی کہتے تو کیا خلاف عفت ہوتا؟ پھر آنحضرت صلعم کے مشہور شاعر حسان کا دیوان ملاحظہ ہو جو آنحضرتؐ کی مدح۔ اسلام کے محاسن۔ صحابہ کے فضائل سے بھرا ہے۔ غرض ان وجوہ سے یہی رائے قائم ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو شعر کہنا آتا نہیں تھا۔ نہ آپ کی طبیعت موزوں تھی۔ نہ ذہن میں اس کی مناسبت تھی۔ شعر کے علاوہ بھی زمانہ جاہلیۃ میں آپ کا کوئی کام ایسا نہیں ملتا جس سے آپ کے کلام نثر کی خوبیاں معلوم ہوں یا کسی قسم کے علمی یا ادبی مذاق کا پتا چل سکے۔

---

[۱] جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل یتیموں کے پشت پناہ۔ بیوؤں کے بچاؤ۔ یہ ابوطالب کے ایک بڑے قصیدے کا مصرع ہے جو انھوں نے آنحضرتؐ کی تعریف میں کہا تھا" (انوار اللغۃ پ۱ ص۲۴۷)

ترک شرب اخواری جناب ممدوح کے قابل فخر فضائل میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے زمانہ جاہلیت ہی میں اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔ علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے:۔

عنها قالت لقد كان حرم ابو بكر الخمر على نفسه فى الجاهلية (تاريخ الخلفاء ص۲۲)

حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت ابوبکر نے زمانہ جاہلیت میں اپنے اوپر شراب کو حرام کر لیا تھا۔

خود حضرت ابوبکر کا قول بھی موجود ہے:۔

قيل لابى بكر الصديق فى مجمع من اصحاب رسول الله هل شربت الخمر فى الجاهلية فقال اعوذ بالله فقيل ولم۔ قال كنت اصون عرضى واحفظ مروتى فان من شرب الخمر كان مضيعا فى عرضه ومروته (تاريخ الخلفاء ص۲۲)

صحابہ حضرت رسولخدا صلعم کے ایک مجمع میں حضرت ابوبکر صدیق سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے زمانہ جاہلیت میں شراب پی تھی؟ اس پر وہ بولے میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کیوں۔ کہا اس لئے کہ میں اپنی آبرو کا خیال رکھتا اور اپنی مروت کی حفاظت کرتا کیونکہ جو شخص شراب پیتا ہے وہ اپنی آبرو اور مروت دونوں کو ضائع و برباد کر دیتا ہے۔

مگر حضرت عائشہ نے یہ نہیں بیان کیا کہ ان کو کیونکر معلوم ہوا حضرت ابوبکر نے زمانہ جاہلیت میں شراب کو حرام سمجھا تھا اس لئے کہ آپ خود تو اس وقت موجود نہیں تھیں۔ بلکہ زمانہ اسلام میں پیدا ہوئیں اور ایسی روایت کو جس کا راوی اس زمانہ میں جس کا حال اس روایت میں بیان کیا جائے موجود نہ ہو اور نہ ایسے شخص سے اس کو بیان کرے جو اس وقت موجود تھا علم حدیث میں مرسل کہتے ہیں اور اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ رہا حضرت ابوبکر کا اپنا قول تو اس میں بھی آپ کا صاف انکار نہیں پایا جاتا بلکہ صرف اعوذ باللہ پر آپ نے اکتفا کی جو زمانہ حال یا مستقبل سے متعلق ہے۔ حالانکہ سوال کرنے والے زمانہ ماضی کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ اور آپ نے جو وجہ بیان کی ہے کہ شراب خوار اپنی آبرو و مروت کو ضایع کر دیتا ہے۔ یہ بھی ایک اصولی بات ذکر کی ہے۔ جس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا

کہ آپ نے خود بھی اس اصول پر زمانہ جاہلیۃ میں عمل کیا تھا یا نہیں۔ یہ خیالات اس وجہ سے ظاہر کئے گئے کہ زمانہ اسلام میں شراب حرام ہونے کے پہلے حضرت ابوبکر کے شراب پینے کا پتا کئی روایتوں سے ملتا ہے جو علامہ ابن حجر کی فتح الباری شرح صحیح بخاری و اصابہ وغیرہ میں موجود ہیں اور اس کتاب کی آخری جلد میں انشاءاللہ ذکر کی جائیں گی۔ پس اگر ممدوح زمانہ جاہلیۃ میں اس سے بچے ہوتے تو زمانہ اسلام میں آپ کو بدرجہ اولیٰ اس سے محفوظ رہنا چاہئے تھا۔

سفر شام کا لطیفہ پہلے بعض روایتیں اس مضمون کی لکھی گئی ہیں کہ آپ تجارت کے لئے شام کا سفر کرتے تھے۔ گو محدثین و مورخین نے خاص اُس روایت کو غلط بتایا ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ جب آنحضرت صلعم ۱۲ سال کی عمر میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام گئے تو حضرت ابوبکر بھی ساتھ تھے۔ مگر ایک روایت اس مضمون کی بھی ہے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم ۲۰ سال کے ہوئے تو تجارت کے لئے خود شام تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر ۱۸ سال کے تھے وہ بھی شام گئے تھے اور اس سفر میں دونوں حضرات کا ساتھ ہو گیا تھا (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۶)۔ ایک دلچسپ لطیفہ متعدد معتبر کتابوں میں ملتا ہے۔ شاید وہ اسی سفر سے متعلق ہو۔ یہ واقعہ گو خاص حضرت ابوبکر کا نہیں مگر چونکہ اس میں آپ موجود تھے اس وجہ سے اس کا ذکر بے موقع نہیں ہوگا۔ یہ لطیفہ امام احمد بن حنبل کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:۔

عن ام سلمۃ ان ابا بکر خرج تاجرا الی بصرے ومعہ نعیمان وسویبط بن حرملہ وکلاھما بدری وکان سویبط علی الزاد فجاء نعیمان فقال اطعمنی۔ فقال لا حتی یاتی ابوبکر۔	حضرت ام سلمہ زوجہ رسولخدا صلعم بیان فرماتی تھیں کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر تجارت کے لئے بصرے (شام) کی طرف گئے اور ان کے ساتھ نعیمان اور سویبط بن حرملہ بھی تھے یہ دونوں بدری ہیں۔ اس سفر میں کھانے پینے کی کل چیزیں سویبط کے پاس تھیں۔ ایک دفعہ ان (سویبط) کے پاس نعیمان نے آکر کہا کہ مجھے کچھ کھلاؤ۔ (اس وقت حضرت ابوبکر کسی ضرورت سے

وكان نعيمان رجلا مضحاكا مزاحا فقال لاغيظنك - فذهب الى اناس جلبوا ظهرا فقال ابتاعوا منى غلاما عربيا فارها وهو ذو لسان ولعله يقول انا حر فان كنتم تاركيه لذلك فدعونى لا تفسدوا على غلامى - فقالوا بل نبتاعه منك بعشر قلائص - فاقبل بها يسوقها واقبل بالقوم حتى عقلها - ثم قال للقوم دونكم هو هذا فجاء القوم فقالوا قد اشتريناك

اِدھر اُدھر گئے ہوں گے، سویبط نے جواب دیا کہ ابوبکر کو آجانے دو تو کھانا۔ نعیمان ایک بڑے مسخرے اور ہنسوڑ آدمی تھے انھوں نے کہا اچھا دیکھو میں تم کو کیسا پریشان کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کچھ لوگوں کے پاس گئے جو بہت سے اونٹ (بیچنے کو) لائے تھے اور ان سے کہا کیا تم لوگ ایک عربی غلام مجھ سے خریدو گے جو خوش حال ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ وہ بہت زباں دراز بھی ہے اور غالباً تم سے کہے گا کہ میں تو آزاد ہوں۔ اگر اُس کے یہ کہنے پر تم اسے چھوڑ دو گے تو بہتر ہے کہ اس کے خریدنے کا ارادہ ہی نہ کرو۔ اور میرے غلام کو میرے لئے بگاڑو نہیں۔ اُن لوگوں نے کہا نہیں بلکہ ہم اس کو تم سے ضرور خریدینگے اور اُس کے عوض دس اونٹنیاں دیں گے۔ معاملہ طے ہوگیا اور نعیمان دسوں اونٹنیوں کو ہنکاتے اور ان اونٹ والوں کو ساتھ لئے ہوئے اپنی جگہ پہونچے اور سب اونٹنیوں کو باندھ دیا۔ پھر سویبط کی طرف اشارہ کرکے ان لوگوں سے کہا دیکھو وہ تمہارا غلام ہے اس کو لے جاؤ۔ وہ سب سویبط کے پاس آئے اور کہا اُٹھ! ہم لوگوں نے تجھ کو خرید لیا ہے۔

قال سویبط ھو کاذب - انا رجل حر - فقالوا قد اخبرنا خبرک وطرحوا الحبل فی رقبتہ - فذھبوا بہ - فجاء ابو بکر فاخبر - فذھب ھو واصحاب لہ فردوا القلائص - واخذوہ فضحک عنھا النبیؐ واصحابہ حولا (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۱۶)	سویبط بولے یہ شخص (یعنے نعیمان) جھوٹے ہیں - میں تو آزاد آدمی ہوں - ان لوگوں نے کہا ہاں ہاں تمہاری اس قسم کی باتوں کا حال ہم کو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے - ان لوگوں نے یہ کہا اور اُن بیچارے کی گردن میں رسی ڈال دی اور ان کو کھینچتے ہوئے اپنی جگہ لے گئے - اس کے بعد حضرت ابو بکر آئے اُن سے سب حال بیان کیا گیا تو وہ اور اُن کے ساتھی اُن لوگوں کے پاس گئے ان کی اونٹنیاں واپس کر دیں اور سویبط کو چھڑا کر واپس لائے - جب یہ واقعہ حضرت رسولخدا صلعم نے سنا تو حضور اور حضور کے صحابہ اس کو خیال کر کے سال بھر تک ہنستے رہے -

استیعاب کی ایک عبارت (مندرجہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۹) سے شبہ ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کا یہ سفر زمانہ اسلام میں حضرت رسولخدا صلعم کی وفات سے ایک سال قبل ہوا تھا مگر مسند احمد بن حنبل - اسد الغابہ - اصابہ وغیرہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی اس سبب سے یہ لطیفہ اس جگہ درج کیا گیا -

حضرت کی مروت زمانہ جاہلیۃ میں حضرت کی مروت کا ایک واقعہ بھی اہمیت سے بیان کیا جاتا ہے - علامہ علی متقی نے لکھا ہے :-

ان رجلا دعا ابا بکر الصدیق فی الجاھلیۃ الی حاجۃ استصحبہ ان یمر فی	زمانہ جاہلیۃ میں ایک شخص نے حضرت ابو بکر صدیق کو اپنی ایک حاجت کے لئے بلایا اور چاہا کہ آپ اس کے ساتھ ایسی راہ سے جائیں جو اس راہ کے علاوہ ہو جس سے

طریق غیر التی یمر فیہا فقال ابوبکر این تذھب؟ ھذہ الطریق! قال ان فیہا ناسا نستحی منہم ان نمر علیہم۔ فقال ابوبکر تدعونی الی طریق تستحی منہا ما انا بالذی اصاحبک فابی ان یتبعہ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۲)

وہ شخص خود جانا چاہتا تھا۔ غرض جب وہ دوسری راہ سے جانے لگا تو حضرت ابو بکر نے پوچھا تم کہاں جاتے ہو؟ راستہ تو یہ ہے۔ اس نے کہا اس راہ میں کچھ ایسے لوگ ملیں گے جن کی طرف سے گزرنے میں مجھے شرم آئیگی۔ اس پر حضرت ابو بکر بولے پھر تم مجھ سے چاہتے ہو کہ اس راہ سے جاؤں جس سے جانے میں تم کو شرم آئے گی؟ اب تو میں تمہارے ساتھ جانے کا نہیں" غرض آپ نے اُس کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا۔

اس عبارت کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ نہ یہ معلوم ہوا کہ اس سے ممدوح کی مروت کیا ثابت ہوئی۔ ایک جگہ جو لوگ رہتے ہیں اُن کے آپس میں کچھ لوگوں سے اختلاف اور کچھ لوگوں سے اتفاق ہوتا ہے۔ کسی سے خوش معاملگی ہوتی ہے کسی سے بد معاملگی۔ کسی کا کوئی مقروض ہوتا ہے اور کسی کا قصوروار۔ تو جن لوگوں سے اختلاف ہوتا ہے یا جن لوگوں کا قرض رہتا ہے ان کے سامنے سے گزرنے میں انسان کو شرم آتی ہی ہے اور جن سے ایسی باتیں نہیں ہوتیں ان کی طرف سے آنے جانے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ جس شخص نے حضرت ابوبکر کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا اس سے بھی وہاں کے کچھ لوگوں سے اختلاف وغیرہ ہوگا یا ان کا قرضدار ہوگا۔ اور وہ لوگ اُسی راہ میں پڑتے ہوں گے اس وجہ سے اس بیچارے نے اُس راہ سے جانے میں عذر کیا اور حضرت ابوبکر سے ان لوگوں سے کوئی اختلاف یا ایسی اور کوئی بات نہ ہوگی اس سبب سے اُس نے چاہا کہ آپ اُسی راہ سے تشریف لے چلیں۔ لہذا اس میں کیا خرابی تھی جس کی وجہ سے ممدوح نے اس شخص کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا؟ اور اس پورے واقعہ سے جناب

ممدوح کی مروت کیوں کر ثابت ہوئی؟ مناسب تو یہ تھا کہ آپ اس شخص سے دریافت کرتے کہ اس راہ میں جن لوگوں سے وہ شرماتا ہے وہ کون ہیں؟ ان سے شرمانے کی وجہ کیا ہے۔ اگر اس نے ان کا کوئی قصور کیا ہوتا تو اس سے کہتے کہ چل کر ان سے معافی مانگو۔ اگر اس سے اور ان لوگوں سے کوئی نزاع ہوتی تو اس کو اور ان لوگوں کو ملانے کی کوشش کرتے اور اگر وہ لوگ کوئی برا کام کرتے تھے جس سے اس کو ادھر سے گزرنا باعث شرم تھا تو ان لوگوں کو سمجھاتے کہ ان باتوں کو چھوڑ دو۔

کیا آپ حضرت رسولخدا صلعم کے رازدار تھے؟

تاریخ اور سیر کی کتابوں میں جناب ممدوح کے بعض فضائل اس طرح مذکور ہیں کہ عقل انکی صحت و بطلان کا فیصلہ کرنے سے عاجز ہوتی ہے۔ مثلاً علامہ محب طبری نے لکھا ہے:-

کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا برز سمع من ینادیہ یا محمد۔ فاذا سمع الصوت انطلق هاربا فاسر ذلک الی ابی بکر وکان ندیماله فی الجاهلیة۔

پیغمبر ہونے کے قبل جب حضرت رسولخدا صلعم گھر سے باہر نکلتے تھے تو سنتے تھے کہ کوئی شخص آپ کو پکار کر کہتا ہے اے محمدؐ! (مگر وہ شخص دکھائی نہیں دیتا تھا) جب حضرتؐ ایسی آواز سنتے تو وہاں سے بھاگ جاتے اور حضرتؐ نے اس بات کو بطور راز حضرت ابوبکر سے کہہ دیا کیونکہ وہ زمانہ جاہلیت میں حضرت کے دوست تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر اور آنحضرت صلعم میں ایسی دوستی اور خصوصیت تھی کہ اس غیبی آواز کے سننے کا حال حضرتؐ نے خود بطور راز جناب ابوبکر سے بیان فرمادیا اور ان کو اس پورے واقعہ پر مطلع کر دیا تھا۔ مگر اس عبارت کے فوراً ہی بعد یہ مضمون بھی موجود ہے

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لخدیجة انی اذا خلوت وحدی سمعت نداء وقد واللہ خشیت ان یکون هذا امر۔

حضرت رسولخدا صلعم نے جناب خدیجہ سے ارشاد فرمایا کہ جب میں اکیلا ہوجاتا ہوں تو (غیبی) آواز سنتا ہوں کہ کوئی مجھ کو پکارتا ہے۔ خدا کی قسم میں ڈرتا ہوں کہ یہ کوئی بلا ہے۔ اس پر جناب خدیجہ نے فرمایا معاذ اللہ (یہ آپ کیا کہتے ہیں) آپ کو خدا کسی بلا میں

فقالت معاذ الله ما
كان الله ليفعل بك
فوالله انك لتؤدي الامانة
وتصل الرحم وتصدق
الحديث۔ فلما دخل ابوبكر
وليس رسول الله صلى الله
عليه وسلم ثم ذكرت
خديجة له حديثه
وقالت يا عتيق اذهب
مع محمد الى ورقة فلما
دخل رسول الله صلى الله
عليه وسلم اخذ ابوبكر
بيده فقال انطلق بنا الى
ورقة۔ فقال ومن اخبرك
قال خديجة (رياض نضرة
ج ۱ ص ۵۸)

ہرگز نہیں ڈالے گا۔ کیونکہ خدا کی قسم آپ
امانتوں کو ادا کرتے۔ صلہ رحم کرتے اور سچ
بولتے ہیں۔ پھر جب حضرت ابوبکر
حضرت خدیجہ کے پاس آئے اور
اس وقت حضرت رسولخدا صلعم
وہاں نہیں تھے۔ تو جناب خدیجہ
نے آنحضرتؐ کی باتیں ان سے بیان
کیں اور کہا اے عتیق! حضرت محمدؐ
کے ساتھ ورقہ کے ہاں چلے جاؤ۔ اسکے
بعد جب حضرت رسولخدا صلعم وہاں تشریف
لائے تو حضرت ابوبکر نے آپ کا ہاتھ
پکڑ لیا اور کہا آپ میرے ساتھ ورقہ کے
ہاں تشریف لے چلیں۔ حضرت نے ان سے
پوچھا تم سے میری حالت کس نے
بیان کر دی ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا
جناب خدیجہ نے کہا ہے۔

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم اور جناب ابوبکر میں ایسی دوستی تھی کہ اس غیبی
آواز کے واقعہ کو حضرتؐ نے ان سے بطور راز خود فرما دیا اور دوسری روایت میں ہے
کہ حضرتؐ اس واقعہ کو ان سے بالکل پوشیدہ رکھتے تھے اور صرف جناب خدیجہ سے بیان
کرتے تھے اور جب جناب خدیجہ نے حضرت ابوبکر سے آنحضرت صلعم کی وہ حالت بیان
کر دی اور انھوں نے آنحضرتؐ کا ہاتھ پکڑا تو حضرتؐ کو تعجب ہوا اور گھبرا کر پوچھنے لگے
کہ تم سے کس نے کہہ دیا؟ جس کا صاف مطلب یہی تو تھا کہ میں تو یہ حالت تم سے چھپاتا تھا
پھر تمہیں کیونکر خبر ہو گئی؟ زیادہ لطف یہ ہے کہ یہ دونوں روایتیں ایک ہی شخص ابومیسرہ کی
بیان کی ہوئی ہیں۔ علامہ محب طبری نے اس روایت کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔

عن ابی میسرۃ عن ابن شرحبیل یعنی ابومیسرہ نے ابن شرجیل سے روایت کی ہے (ریاض نضرہ ص۵۸) جس سے واضح ہوتا ہے کہ ابومیسرہ ایک شخص تھا اور شرجیل دوسرا شخص تھا۔ اس وجہ سے ضرورت ہوئی کہ دونوں کے حالات کتب رجال میں دیکھے جائیں لیکن علامہ ابن حجر دونوں نام ایک ہی شخص کا لکھتے ہیں۔ تحریر کرتے ہیں:۔ ابومیسرۃ الھلالی اسمہ عمرو بن شرحبیل الکوفی یعنی ابومیسرہ ہلالی کا نام عمرو بن شرجیل تھا جو کوفہ کا رہنے والا تھا (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص۲۵۳)۔ ان عبارتوں سے بڑی عبرت ہوتی ہے کہ جب حضرت کے فضائل لکھنے والوں کا جوش اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ ایک ہی شخص کی کنیت کو ایک آدمی اور اس شخص کے اسم (نام) کو دوسرا شخص خیال کر لیتے تھے اور دعوے کر بیٹھتے تھے کہ فلاں شخص نے فلاں شخص سے یہ روایت ذکر کی ہے تو ان کے بیانات کا کیا وزن ہو سکتا ہے۔ اور ایسی روایتیں بلکہ ایسی کتابیں بھی کس امر کی مستحق ٹھہرتی ہیں!!!

پہلی روایت میں یہ جملہ بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت ابوبکر کو حضرت رسولخدا صلعم کا ندیم لکھا ہے۔ ندیم کا لفظ زیادہ تر اس شخص کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے جو شراب پینے میں کسی کا ساتھی اور دوست ہو۔ منتہی الارب میں ہے ندیم حریف شراب یعنی ندیم شراب پینے کا دوست ہوتا ہے۔ اور مجمع بحار الانوار میں ہے وھو ندیم لیشاربک یعنی وہ ندیم ہے جو شراب تیرے ساتھ پیتا ہے (جلد ۳ ص۳۴۴)۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان دونوں روایتوں کے بیان کرنے والے کا دعوے یہ ہے کہ معاذ اللہ حضرت رسولخدا صلعم زمانہ جاہلیۃ میں شراب پیتے تھے اور حضرت ابوبکر بھی حضرتؐ کے ساتھ یہ شغل رکھتے تھے۔

اب اس روایت کو صحیح مانا جائے یا حضرت عائشہ کے قول کو کہ حضرت ابوبکر نے زمانہ جاہلیۃ میں کبھی شراب نہیں پی (تاریخ الخلفاء ص۲۲) اگرچہ اسلام کے جلیل القدر علماء محققین نے جناب موصوفہ کے اس قول کو تسلیم نہیں کیا اس وجہ سے وہ جناب ممدوح کو کبھی ان لوگوں میں شمار نہیں کرتے جنھوں نے جاہلیۃ میں شراب خواری ترک کر دی تھی۔ چنانچہ ادیان اسلام کے بڑے محقق علامہ شہرستانی نے لکھا ہے:۔

ومنھم عامر بن الظرب العدوانی کان قد حرم الخمر	ان لوگوں سے عامر بن ظرب بھی تھا اس نے شراب کو اپنے لئے حرام کر لیا تھا اور جن لوگوں نے

علی نفسہ فیمن حرمہ ومن کان قد حرم الخمر فی الجاھلیة قیس بن عاصم التیمی وصفوان بن أمیہ بن محرب الکنانی وعفیف بن معدی کرب (ملل ونحل ج ۳ ص ۲۲۹)

زمانہ جاہلیۃ میں شراب کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا ان میں قیس بن عاصم تیمی وصفوان بن امیہ بن محرب کنانی اور عفیف بن معدی کرب کندی بھی تھے۔

اگر واقعاً حضرت ابوبکر نے بھی زمانہ جاہلیۃ میں شراب کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہوتا تو علامہ شہرستانی سب سے پہلے موصوف ہی کا نام لکھتے۔ کیونکہ آپ ان کے پیشوا تھے لیکن آپکا نام خاص کر ترک کرنا اور دوسروں کا نام ذکر کرنا ثابت کرتا ہے کہ علامہ ممدوح کی تحقیق میں حضرت ابوبکر نے اس کو چھوڑا نہیں تھا۔ اور حضرت عائشہ کی روایت قابل اعتنا نہیں ہے۔

تیرہویں فصل

زمانہ جاہلیۃ میں حضرت ابوبکر کا مذہب

زمانہ جاہلیۃ میں اہل عرب کے مختلف اور متعدد مذاہب تھے شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے۔ بعضوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت ہے۔ خدا کوئی چیز نہیں...... بعض خدا اور جزا و سزا کے بھی قائل تھے لیکن نبوت کے منکر تھے... لیکن عموماً لوگ بت پرست تھے۔ کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا اس لئے تمام قبائل میں بت پرستی کا رواج ہوگیا... نصرانیت اور یہودیت اور مجوسیت۔ اگرچہ زمانہ اور مدت کا تعین مشکل ہے لیکن یہ تینوں مذہب ایک مدت دراز سے عرب میں رائج ہو چکے تھے... نصرانیت کو اس قدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ میں ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان میں انجیل کو پڑھ سکتے تھے... قبیلہ تمیم مجوسی تھا... جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ عرب میں تمام مشہور مذاہب موجود تھے۔ یہودیت بھی۔ نصرانیت بھی۔ مجوسیت بھی۔ حنفیت بھی اور عقلی بلند پردازی کی معراج الحاد بھی" (سیرۃ النبی ج ۱ صفحہ ۸۶ تا ۹۲) اور علامہ ابن قتیبہ نے بھی تقریباً یہی بیان

کیا ہے جس کو تفصیل سے مولوی شبلی صاحب نے نقل کیا ہے۔ البتہ اس نے یہ بھی لکھا ہے " وکانت الزندقة فی قریش اخذوھا من الحیرة یعنی زندقہ (لامذہبیت) قریش میں تھی جس کو انہوں نے حیرة سے اختیار کیا تھا (معارف مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰۵) اور علامہ دمیری نے لکھا ہے:-

واما ادیان العرب فان النصرانیة کانت فی ربیعة وغسان وبعض قضاعة والیھودیة کانت فی حمیر وکنانه وکندہ وبنی الحرث بن کعب۔ والمجوسیة فی تمیم ... والزندقة کانت فی قریش (حیوة الحیوان مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۱۶۹)

عرب کے مذہبوں کی تفصیل یہ ہے کہ قوم ربیعہ وغسان اور قضاعہ کے بعض لوگوں میں عیسائیت تھی اور قبیلہ حمیر وکنانہ وکندہ وبنوالحرث بن کعب میں یہودیت تھی اور قبیلہ تمیم میں مجوسیت (آتش پرستی) تھی اور قریش میں زندقہ (لامذہبیت۔ یا دہریت یا نیچریت) تھی۔

اگرچہ علامہ ابن قتیبہ وعلامہ دمیری کے بیان سے شبہ ہوتا ہے کہ قریش سب کے سب زندیق تھے اور ان میں بت پرست نہیں تھے مگر واقعہ ایسا نہیں ہے۔ انکی تعداد بھی کافی تھی مذاہب وادیان کے مورخ ومحقق جلیل علامہ شہرستانی بتوں کی تفصیل میں لکھتے ہیں:-

واما اللات فکانت لثقیف بالطائف والعزیٰ لقریش وجمیع بنی کنانة وقوم من بنی سلیم ... وھبل اعظم اصنامھا عندھم وکان علی ظھر الکعبة واساف ونائلہ علی الصفا والمروة (ملل ونحل جلد ۳ صفحہ ۲۲۱)

جو بت لات کے نام سے تھا اسکی پرستش طائف کے قبیلہ ثقیف میں ہوتی تھی اور جو بت عزیٰ کے نام سے تھا اسکی پرستش قریش اور پورا قبیلہ بنی کنانہ اور بنوسلیم کی ایک قوم کرتی تھی اور ہبل اُن کا سب سے بڑا بت تھا جو خانہ کعبہ کے پشت پر تھا اور اساف ونائلہ صفا ومروہ پر تھے۔

حضرت ابوبکر بھی مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے آپ کا بھی کوئی مذہب ضرور ہوگا لیکن افسوس علماء محققین نے کوئی تصریح نہیں کی۔ حالانکہ تاریخ الخلفاء۔ اسد الغابہ۔ استیعاب۔ اصابہ ریاض نضرہ وغیرہ میں جناب ممدوح کے حالات کمال شرح وبسط سے لکھے ہیں۔ علامہ سیوطی نے اس بات کو ظاہر بھی کردیا ہے فرماتے ہیں:-

قد اردت ان البسط ترجمة الصدیق

میں نے ارادہ کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے

بعض البسط فاکھا فیہ جملۃ کثیرۃ مما وقفت علیہ من حالہ و اہتب ذالک فصولا (تاریخ الخلفاء صـ۱۹)	سوانح کو کچھ شرح و بسط سے ذکر کروں اور اس میں حضرت کے بکثرت وہ حالات بیان کروں جن سے میں واقف ہو سکا ہوں۔ اور اس کو میں چند فصلوں میں ترتیب دیتا ہوں۔

باوجودیکہ ممدوح اسلام میں بڑے وسیع النظر عالم گزرے ہیں اور حضرت ابوبکر کے حالات کو تفصیل و تکمیل سے لکھنے کا اعلان بھی کر دیا مگر حضرت کے اس مذہب کی تصریح نہیں کی جس پر آپ زمانہ جاہلیۃ میں تھے۔ اس سے یہی خیال ہوتا ہے کہ آپ کا خاندان یا قبیلہ جس طرح بت پرست تھا اسی طرح آپ بھی بت پرست تھے۔ اسی سبب سے کسی نے اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن ہندوستان میں ایک بڑے عالم جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ہوئے ہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر نے بت کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ شاہ صاحب اپنے ہر قول کا پتا لکھ دیتے ہیں کہ یہ مضمون فلاں کتاب میں ہے۔ فلاں راوی ہے۔ فلاں شخص نے اس کو لکھا ہے۔ مگر اس قول کا پتا بالکل نہیں بتایا کہ کس نے لکھا کس نے بیان کیا ہے۔ کون اس کا مدعی ہے اور کب اسکی تحقیق ہوئی۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

خمر را در جاہلیۃ بر خود حرام کردہ بود کذا فی الاستیعاب و بت را گاہے سجدہ نہ کرد۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ صـ)	حضرت ابوبکر نے زمانہ جاہلیۃ میں اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی جیسا کتاب استیعاب میں مرقوم ہے اور انھوں نے بت کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔

شراب چھوڑنے کا مضمون تو آپ نے استیعاب میں تبلایا مگر یہ نہیں لکھا کہ آخری جملہ "بت کو کبھی سجدہ نہیں کیا" کس کتاب میں ہے۔ کس عالم نے اس کو لکھا ہے۔ کس راوی کا یہ قول ہے۔ یہ واضح ہے کہ جناب شاہ صاحب بارہویں صدی ہجری میں گزرے ۱۱۷۶ھ میں آپکی وفات ہوئی۔ اور حضرت ابوبکر کا مذہب جاہلیۃ سن ہجری قائم ہونے سے پہلے تھا۔ پس اس وقت کی خبر آپ کو کس ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ اگر آپ بتا دیتے کہ فلاں عالم نے اپنی کتاب میں اس کو لکھا ہے تو آپ اس دعوے کے موجد نہیں قرار پاتے۔ عقل بھی آپ کے اس قول کی تائید نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ مسلمانوں کا تقریباً اجماع اس امر پر ہے کہ جن

حضرات نے زمانہ کفر پانے کے بعد اسلام قبول کیا اُن میں صرف حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات ایسی تھی جس نے کبھی بت پرستی نہیں کی اور کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ اسی وجہ سے لوگوں نے حضرتؑ کو کرم اللہ وجہہ (یعنی خدا نے حضرت کے چہرے کو یہ شرف دیا کہ بت کے آگے نہیں جھکا) کہنا اپنا معمول قرار دیا آج تک علماء اہلسنت صرف حضرتؑ کے متعلق اس جملہ کو لکھتے ہیں اور اسکی وجہ یہی بیان کرتے ہیں کہ حضرتؑ میں کبھی بت پرستی کا عیب نہیں پیدا ہوا ۔ چنانچہ علامہ شبلنجی نے لکھا ہے

انہا کانت اذا ارادت ان تسجد لصنم وعلی رضی اللہ عنہ فی بطنہا لم یمکنہا یضع رجلہ علی بطنہا ویلصق ظہرہ بظہرہا ویمنعہا من ذلک ولذلک یقال عند ذکرہ کرم اللہ وجہہ ای عن ان یسجد لصنم (نور الابصار مطبوعہ مصر ص وجامع المناقب از مولوی رحمۃ اللہ صاحب لکھنوی ص)

جب حضرت امیر المومنین پیٹ میں تھے اور آپ کی مادر گرامی جناب فاطمہ بنت اسد بت کو سجدہ کرنا چاہتی تھیں تو حضرت ان کو ایسا کرنے سے روک دیتے تھے۔ اس طرح کہ آپ اپنا پاؤں ان کے پیٹ سے اور اپنی پیٹھ انکی پیٹھ سے ملا کر اڑا دیتے اور ان کو ایسا کرنے سے باز رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرتؑ کا ذکر کیا جاتا ہے تو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے حضرتؑ کے چہرے کو بت کی طرف سجدہ کرنے سے محفوظ رکھا اور اس شرف کی عزت آپ کو بخشی کہ آپ بت کے سامنے کبھی نہیں جھکے۔

اگر حضرت ابو بکر بھی بت پرستی کرنے سے محفوظ رہتے یا بت کو کبھی سجدہ نہیں کرتے تو حضرات اہلسنت حضرت کے نام کے ساتھ بھی کرم اللہ وجہہ کہتے لیکن آج تک کسی نے ایسا نہیں کیا بلکہ جس طرح کل اُن لوگوں کو جو بت پرستی کے بعد اسلام میں داخل ہوئے تھے جیسے خالد بن الولید ابو سفیان وغیرہ کو رضی اللہ عنہ کہتے اور لکھتے ہیں بالکل اسی طرح حضرت ابو بکر کو بھی رضی اللہ عنہ ہی کہتے ہیں۔ جناب ممدوح کا اس سے محفوظ نہ رہنا غالباً اس درجہ واضح تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے خود یہ فخر کیا تو حضرت عمر ایسے مہذب بزرگ اور آپ کے دلی دوست

بھی برداشت نہ کرسکے اور باوجود ایسی گہری دوستی نیز مخصوص تعلقات کے غضبناک ہو کر ممدوح سے کہنے لگے کہ آپ یہ بالکل غلط دعوے کرتے ہیں۔ آپ نے فلاں فلاں سال بت پرستی کی ہے!!! علامہ قسطلانی نے جو شرح صحیح بخاری لکھی ہے اُسکے "باب اسلام ابی بکر" میں تحریر فرمایا ہے:۔

ان اباھریرۃ رض قال اجتمع المھاجرون والانصار عند رسول اللہ ؐ فقال ابوبکر رض وعیشک یارسول اللہ انی لم اسجد لصنم قط۔ فغضب عمر بن الخطاب رض وقال تقول وعیشک یارسول اللہ انی لم اسجد لصنم قط وقد کنت فی الجاھلیۃ کذا وکذا سنۃ (ارشاد الساری جلد ۶ صفحہ ۱۵۲)

جناب ابوہریرہ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس مہاجرین وانصار کا مجمع تھا تو حضرت ابوبکر نے کہا اے رسولخدا آپ کی زندگی کی قسم میں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ اس پر حضرت عمر غضبناک ہو کر بولے تم کہتے ہو کہ اے رسولخدا آپ کی زندگی کی قسم میں نے کبھی کسی بُت کو سجدہ نہیں کیا حالانکہ زمانہ جاہلیتہ میں فلاں فلاں سال تم بُتوں کو سجدہ کرتے رہے ہو۔

ہم نے اس روایت کو اس لیے پیش کیا کہ حضرت عمر نے ممدوح کی تکذیب کی اور ان کی بُت پرستی کی گواہی دی۔ مگر قرائن سے گمان ہوتا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ یعنی نہ حضرت ابوبکر نے اس قسم کا کبھی دعوے کیا اور نہ حضرت عمر نے ٹوکا اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) یہ روایت حضرت ابوہریرہ کی ہے جن کی بیان کردہ حدیثوں کے متعلق گویا ضرب المثل ہے کہ اطمینان نہیں ہوتا۔ خود حضرت عائشہ ان کی حدیثوں سے پریشان رہتی تھیں۔ امام حاکم نے لکھا ہے:۔

عن عائشۃ انھا دعت اباھریرۃ فقالت یا اباھریرۃ

حضرت عائشہ نے ابوہریرہ کو بلا بھیجا۔ اور کہا اے ابوہریرہ یہ کہاں کی

ما هذه الاحادیث التی یبلغنا انک تحدث بها عن النبی هل سمعت الا ما سمعنا و هل رایت الا ما رأینا (مستدرک نصف ثانی ص۲۸۱)	حدیثیں ہیں جن کے بارے میں میں سنتی رہتی ہوں کہ ان کو تم حضرت رسولخدا صلعم سے بیان کرتے ہو؟ کیا جو کچھ ہم لوگوں نے سنا اس کے علاوہ تم حضرت سے کچھ سنتے تھے؟ اور کیا جو باتیں ہم لوگ دیکھتے تھے اسکے علاوہ تم کچھ دیکھا کرتے تھے؟

اگر انسان غور کرے تو معلوم ہو کہ حضرت عائشہ نے جناب ابوہریرہ کی کل روایتوں کی قلعی کھول دی۔ اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے:۔

قالت عائشة لابی هریرة لتحدث بشئ ما سمعته (اصابہ جلد ۷ ص۳۵)	حضرت عائشہ نے ابوہریرہ سے کہا کہ تم ایسی حدیثیں بیان کرتے ہو جن کو میں نے کبھی نہیں سنا۔

(۲) صحیح بخاری کی شرحیں جن علماء نے لکھیں ان میں علامہ قسطلانی بہت ادنے درجہ کے تھے۔ ایسے کہ بڑے علماء اپنی کتابوں میں ان کا نام لکھنا بھی پسند نہیں کرتے جیسے جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی حدیث کی کتابوں کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اکثرها شارح البخاری للکرمانی و البرماوی و ابن الملقن و العینی و الحافظ ابن حجر و الکورانی و السیوطی و غیر ذلک (ابجد العلوم ص۵۱۵)	حدیث کی کتابوں میں زیادہ تر صحیح بخاری کی شرحیں ہیں۔ جیسے کرمانی۔ برماوی ابن ملقن۔ عینی۔ حافظ ابن حجر۔ کورانی اور سیوطی کی شرحیں وغیرہ

ممدوح نے اتنے لوگوں کے نام ذکر کیے حالانکہ ان سے اکثر شرحیں کہیں ملتی بھی نہیں ہیں لیکن قسطلانی کی شرح کو نہیں لکھا جو تمام پھیلی ہوئی ہے (اور اب تو چھپ بھی گئی ہے) اس کی وجہ غالباً یہی ہو کہ وہ اپنی کتابوں میں غلط اور بے سر و پا روایتیں بہت کثرت سے بھر دیتے ہیں۔ ہمارے اس دعوے کی تائید کے لئے یہی کافی ہے کہ ہندوستان کے مشہور مورخ علامہ شبلی نے لکھا ہے "مواہب لدنیہ مشہور کتاب ہے اور متاخرین

کا یہی ماخذ ہے۔ اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں۔ حافظ ابن حجر کے شاگرد تھے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں" (سیرۃ النبی جلد ا صک۲) جب علامہ قسطلانی نے حضرت رسولخدا صلعم کے حالات میں ہزاروں موضوع روایتیں بھر دیں تو ان کی دوسری کتابوں پر کیونکر اعتبار ہو سکتا ہے؟

(۳) علامہ قسطلانی سے بہت زیادہ محقق اور استاد فنِ حدیث علامہ عینی و علامہ ابن حجر عسقلانی گزرے ہیں۔ ان دونوں نے بھی صحیح بخاری کی شرحیں لکھی ہیں جو علامہ قسطلانی کی شرح سے بہت زیادہ مبسوط، مفصل اور جامع ہیں مگر کسی نے بھی صحیح بخاری کے "باب فضائل ابی بکرؓ" یا "باب اسلام ابی بکرؓ" کی شرح میں اس روایت کو نہیں لکھا جس سے ثابت ہے کہ وہ حضرات اس کو ناقابل التفات سمجھتے تھے۔

اصول درایت کی رو سے بھی یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ (۱) اس میں اس کا بالکل ذکر نہیں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کس موقع پر اس بات کا دعوے کیا۔ کس قسم کا ذکر تھا۔ کس چیز کی گفتگو تھی۔ اور وہ ایسے نہیں تھے کہ بالکل بے ربط کسی مجمع میں بولنے لگیں۔ اگر زمانہ جاہلیت کی بت پرستی۔ یا بت پرستوں کا ذکر ہوتا اور اس میں آپ یہ فرماتے تو مناسبت پائی جاتی (۲) حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی کی قسم کھانا در صورتیکہ روایت سے بالکل نہیں معلوم ہوتا کہ قسم کھانے کی کچھ بھی ضرورت تھی کمال ادب نہیں سمجھا جا سکتا۔ ممدوح اپنی قسم کھاتے۔ اپنے والدین کی قسم کھاتے۔ خاص آنحضرت صلعم کی زندگی کی قسم کھانے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

علاوہ بریں یہ ظاہر ہے کہ بت پرستی یا بتوں کو سجدہ کرنا یا نہ کرنا کوئی اعتقادی امر نہیں ہے۔ نہ کوئی قلبی کام اور نہ کوئی دماغی شغل ہے جس کی خبر دوسروں کو نہ ہو سکے اور لوگوں کے علم سے یہ پوشیدہ رہے بلکہ انسانی اعضاء کا ایسا کھلا ہوا فعل ہے (یعنی عبادت) جس کو ہر مرد عورت۔ بوڑھا بچہ دیکھتا ہے۔ اور جو شخص کسی وجہ سے نہیں دیکھ سکتا وہ بھی اور دوسروں سے سنتا ہے۔ اگر ممدوح نے بت پرستی نہ کی ہوتی یا اس سے نفرت یا علحدگی یا انکار کیا ہوتا تو مکہ معظمہ کے بہت لوگوں کو اسکی خبر ہو جاتی۔ یہ عجیب بات

تھی جس کو لوگ غیر معمولی طور پر نہیں سُن سکتے تھے ۔ لہٰذا حضرتؐ خود اس بات سے مسلمانوں کو باخبر کر دیتے کہ یہ وہ ہیں جنھوں نے کبھی بُتوں کو سجدہ نہیں کیا ۔ بتوں کی کبھی پرستش نہیں کی ۔ جس طرح حضرتؐ نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں اس قسم کے فضائل کا خود بار بار اعلان فرمایا ۔ مثلاً علامہ سیوطی نے لکھا ہے [1]

اخرج ابن عدی و ابن عساکر ثلاثة ما کفروا باللہ قط مؤمن آل یاسین و علی ابن ابی طالب و آسیة امرأة فرعون (تفسیر در منثور مطبوعہ مصر جلد ۵ صـ۲۶۲)

حضرت رسولِ خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ تین شخصوں نے کبھی خدا سے کفر نہیں کیا ہے ۔ ایک مومن آلِ یاسین ۔ دوسرے علی ابن ابی طالب ۔ تیسری فرعون کی بیوی آسیہ ۔

صرف یہی نہیں کہ حضرت امیر المومنینؑ کے کافر نہ رہنے کی تصریح حضرت صلعم نے کی بلکہ اس کو بھی بیان فرما دیا کہ حضرتؑ بچپن سے عبادتِ خدا ہی میں مشغول رہے ہیں ۔

[1] جناب مولوی عبید اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے "عن جابر قال قال رسول اللہ ثلثة ما کفروا باللہ قط مومن آل یاسین و علی ابن ابی طالب و آسیة امرأة فرعون ۔ اخرجه ابن عدی و ابن عساکر و السیوطی فی الدر المنثور ۔ یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرتؐ نے ارشاد کیا کہ تین شخصوں نے ہرگز خدا سے کفر نہیں کیا ہے مومن آل یاسین (حضرت یوشع پر ایمان لانے والا) اور علی ابن ابی طالب اور فرعون کی بیوی آسیہ ۔

عن الحسن بن مداینی قال لا یعبد الاوثان قط لصغرہ ومن ثم یقال کرم اللہ وجهه دون غیرہ من الصحابة اخرجه ابن سعد فی الطبقات و ابن عبد البر فی الاستیعاب و شیخ قاصعه بن قطلوان الحنفی فی مسندہ المشهور بمسند ابی حنیفه یعنی حسن بن مداینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے بچپن سے ہرگز بتوں کی پرستش نہیں کی اسی وجہ سے ان کو کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے یعنی خدا نے ان کے منہ کو بزرگ کیا تھا کہ وہ بتوں کے آگے کبھی نہیں جھکے اور یہ لقب ان کے سوا اور اصحاب کے حق میں نہیں بولا جاتا (نزل الابرار علامہ بدخشی") (ارجح المطالب صـ۱۰۱)

قال رسول اللہ ص لقد صلت الملائکۃ علی وعلی علی لانا کنا نصلی لیس معنا احد یصلی غیرنا (ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۶۵)	حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے کہ یقیناً فرشتے مجھ پر اور علی پر برابر درود بھیجتے رہے ہیں۔ کیونکہ ہم دونوں اُس وقت سے نماز پڑھتے ہیں جب اور کوئی بھی ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھتا تھا۔

اس عبارت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ لوگوں کے مسلمان ہونے سے کس قدر پہلے سے حضرت امیرالمومنین عبادت خدا بجالاتے تھے۔ مگر دوسری روایتوں میں یہ واضح طور پر موجود ہے۔ آنحضرت صلعم ہی نے فرمایا ہے:۔

ان الملائکۃ صلت علی وعلی علی سبع سنین قبل ان یسلم بشر (کنزالعمال ج ۶ ص ۱۵۶)	کسی شخص کے مسلمان ہونے سے سات برس پہلے سے فرشتے مجھ پر اور علی پر درود بھیجتے رہے ہیں۔

پہلی روایت میں آنحضرت صلعم نے فرشتوں کے درود بھیجنے کی وجہ یہ فرمائی ہے کہ یہ دونوں حضرات نماز پڑھتے تھے اور دوسری روایت میں فرشتوں کے درود بھیجنے کی مدت ذکر کی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ حضرات اسلام کے سات برس پہلے سے نماز پڑھتے تھے۔ اُس وقت حضرت امیرالمومنین ع کی عمر صرف تین سال کی تھی۔ اس لئے کہ آپ حضرت رسولخدا صلعم سے ۳۰ سال چھوٹے تھے اور آنحضرت ص ۴۰ سال کی عمر میں پیغمبر ہوئے۔ اس وقت جناب امیر ع دس سال کے تھے اور اسکے سات سال پہلے سے آپ آنحضرت ص کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی شخص بغیر ایمان لائے اور معرفت حاصل کئے ہوئے دفعتہً نماز نہیں پڑھنے لگتا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ جناب امیر ع نے تین برس کی عمر میں اپنا ایمان بھی ظاہر کر دیا تھا اور عبادت بھی کرنے لگے تھے۔ آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا:۔

اول من صلی معی علی (کنزالعمال ج ۶ ص ۱۵۶)	سب سے پہلے علی نے میرے ساتھ نماز پڑھی۔

یہ عبارت بھی ہمارے قول کی تائید کرتی ہے۔

قال رسول اللہ ص صلت الملائکۃ	حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ فرشتے مجھ پر

علی وعلی علی سبع سنین وذلک انہ لم ترفع شہادۃ ان لا الہ الا اللہ الی السماء الا منی ومن علی

(ینابیع المودۃ صفحہ)

اور علیؑ پر سات برس تک درود بھیجتے رہے ہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت آسمان تک اور کسی کے ذریعہ سے بلند نہیں ہوئی۔ بس یا میرے ذریعہ سے بلند ہوئی یا علیؑ کے ذریعہ سے۔

لیکن کسی روایت سے نہیں ثابت ہوتا کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کے متعلق بھی کبھی فرمایا ہو کہ انھوں نے کبھی کفر نہیں کیا۔ کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا یا بت پرستی نہیں کی۔ زیادہ عجیب ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے خود فرمایا کہ "یا رسول اللہ آپ کی زندگی کی قسم میں نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا" اور حضرت عمر نے ان کے منہ پر حضرت رسولخدا کے سامنے ان کی تکذیب کردی تب بھی آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کی تائید یا حضرت عمر کی تکذیب کر کے یہ نہیں فرمایا کہ ہاں میں بھی یہ جانتا ہوں کہ انھوں نے بتوں کو سجدہ نہیں کیا بلکہ کسی اور صحابی نے بھی حضرت ابوبکر کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے قبل بت پرستی چھوڑنے والوں کی جو فہرست اسلام کے علمار محققین نے لکھی ہے اس میں حضرت ممدوح کا نام ذکر نہیں کیا۔ زیادہ تفصیل کی کیا ضرورت ہے شمس العلمار مولوی شبلی صاحب نعمانی نے کس محنت تحقیق اور ہزاروں کتابوں کی تلاش سے حضرت عمر کی سوانح عمری لکھی۔ ممدوح اسی سوانح عمری میں تحریر فرماتے ہیں" زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر کے چچازاد بھائی تھے نہایت عالی درجہ شخص تھے وہ اُن ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کردیا تھا اور موحّد بن گئے تھے۔ ان میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں، قیس بن ساعدہ۔ ورقہ بن نوفل" (الفاروق صفحہ ۲۵)
اس سے زیادہ اطمینان بخش تحقیق اور کیا ہوگی کہ جناب مولوی صاحب اُن لوگوں کے نام جنھوں نے قبل بعثت بت پرستی ترک کردی انکی تحریر فرماتے ہیں اور ان میں زید کے علاوہ جو بزرگ اس صفت سے متصف تھے ان سب کے نام بھی لکھ دیتے ہیں مگر حضرت ابوبکر کا نام ان میں ذکر نہیں کرتے!!!

اگر واقعاً حضرت ممدوح نے بت پرستی ترک کی ہوتی تو مولوی شبلی صاحب آپکا نام کیوں چھوڑتے درصورتیکہ انھوں نے قس بن ساعدہ اور ورقہ بن نوفل تک کا نام لکھ دیا۔ اس سے زیادہ تفصیل شمس العلماء ممدوح نے اپنی دوسری کتاب میں کی ہے فرماتے ہیں "بت پرستی کی برائی کا خیال بہتوں کے دل میں آیا لیکن اُس کا تاریخی زمانہ آنحضرت صلعم کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی بُت کے سالانہ میلہ میں ورقہ بن نوفل۔ عبد اللہ بن جحش۔ عثمان بن الحویرث۔ زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے۔ ان لوگوں کے دل میں دفعۃً یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہیں جو نہ سُنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے نہ کسی کو فائدہ پہونچا سکتا ہے۔ یہ چاروں قریش کے خاندان سے تھے ورقہ حضرت خدیجہ کے برادر عم زاد تھے۔ زید حضرت عمر کے چچا تھے۔ عبد اللہ بن جحش حضرت حمزہ کے بھانجے تھے عثمان عبد العزیٰ کے پوتے تھے۔ زید دین ابراہیمی کی تلاش میں شام گئے وہاں یہودی اور عیسائی پادریوں سے ملے لیکن کسی سے تسلی نہیں ہوئی اس لئے اس اجمالی اعتقاد پر اکتفاء کیا کہ میں ابراہیم کا مذہب قبول کرتا ہوں... ورقہ اور عبد اللہ بن جحش اور عثمان بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے۔ اسی زمانہ کے قریب امیہ بن ابی صلت نے جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا۔ بت پرستی کی مخالفت کی... اور بت پرستی کو چھوڑ کر دین ابراہیمی اختیار کر لیا تھا... ابن ہشام نے بُت پرستی کی مخالفت کرنے والوں میں ان ہی چاروں کا نام لکھا ہے لیکن اور اور تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اور متعدد اہل نظر پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے بت پرستی سے توبہ کی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قس بن ساعدۃ الایادی ہے ... ایک اور شخص قیس بن نشبہ تھا" (سیرۃ النبی مولوی شبلی صاحب جلد ا صفحہ ۹۲) ممدوح ہی پھر ایک جگہ لکھتے ہیں "بعثت سے پہلے فیضِ الٰہی کی خفیف شعاعیں عرب میں پھیلنی شروع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ قس بن ساعدہ ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل نے

بت پرستی سے انکار کردیا تھا" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۴۱) اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ شاید مولوی شبلی صاحب کو اُس وقت حضرت ابوبکر کا خیال نہ رہا ہو اس وجہ سے ان کا نام لکھنا بھول گئے ہوں تو ایسا بھی نہیں ہے کیونکہ ممدوح نے صفحہ ۱۴۲ میں حضرت رسولخدا صلعم کے "احباب خاص" کے عنوان میں حضرت ابوبکر کا نام سب سے پہلے اور خاص امتیاز سے لکھا ہے۔ اور اس سے ایک ہی صفحہ قبل یعنی صفحہ ۱۴۱ میں بت پرستی سے انکار کرنے والوں کا نام لکھا ہے پھر وہ اس جگہ ممدوح کا نام کیسے بھول سکتے تھے؟ اور ممدوح نے اپنی طرف سے تو کوئی قول لکھا نہیں بلکہ تاریخی کتابوں سے یہ چیزیں ذکر کی ہیں۔ جب معتبر کتابوں میں یہ بیان ہی نہیں ہے تو ممدوح کیا کرسکتے تھے۔ اور مذاہب و ادیان عرب کے بڑے محقق علامہ شہرستانی نے مذاہب عرب کے بیان میں لکھا ہے:۔

وکان ابوبکر ممن یعبر الرؤیا فی الجاھلیۃ	حضرت ابوبکر بھی زمانہ جاہلیۃ میں خواب کی تعبیر بیان کرتے تھے۔

اس کے صرف ۶ سطروں کے بعد ممدوح نے ان لوگوں کی تفصیل دی ہے جو اُس زمانہ میں بت پرستی سے الگ ہو گئے تھے۔ ان میں زید۔ امیہ۔ قُس بن ساعدہ۔ عامر بن ظرب۔ عبدالطابخہ بن ثعلب۔ زہیر بن ابی سلمیٰ۔ علاف بن شہاب التیمی کا نام لکھا ہے مگر حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ تک نہیں ہے (ملل و نحل برحاشیہ کتاب الفصل جلد ۳ صفحہ ۲۲۷ مطبوعہ مصر) اگر واقعاً حضرت ابوبکر نے بھی بت پرستی کو ترک کردیا ہوتا تو اتنے بڑے محقق اپنے ایسے جلیل القدر پیشوا سے کیوں تعصب برتتے کہ اور لوگوں کا ذکر کرتے اور حضرت کا نام خاص کر چھوڑ دیتے۔ علامہ موصوف نے صرف اُس زمانہ ہی کے تارکین بت پرستی کا ذکر نہیں کیا بلکہ کچھ قبل کے بزرگ تک کا نام لکھ دیا ہے۔ چنانچہ جناب قصی کے متعلق لکھا ہے:۔

وکان قصی ابن کلاب ینھٰی عن عبادۃ غیر اللہ من الاصنام وھو القائل سہ ا ربا واحد ام الف رب	جناب قصی بن کلاب (حضرت ہاشم کے دادا) خدا کے سوا دوسرں خاص کر بتوں کی عبادت سے منع کرتے تھے۔ انھیں نے یہ شعر کہے ہیں۔

ادین اذا اقسمت الامور ترکت اللات والعزی جمیعا کذلک یفعل الرجل البصیر (ملل ونحل جلد ۳ ص ۲۳۵)	جب امور کی تقسیم ہو تو میں ایک معبود کو مانوں یا ہزار معبودوں کو۔ میں نے لات اور عزےٰ (بلکہ) سب (بتوں) کو چھوڑ دیا۔ اور جو شخص سمجھدار ہوگا ایسا ہی کرے گا۔

اور بہت قدیم مورخ علامہ ابن ہشام نے بھی بت پرستی ترک کرنے والوں میں انھیں لوگوں کا نام لکھا ہے جن کو علامہ شبلی نے ذکر کیا اور جن کی عبارت اوپر نقل کی گئی۔ بڑا تعجب اس بات پر ہے کہ خود حضرت ابوبکر کی صاحب زادی جناب اسمار کی ایک روایت اسی سیرۃ ابن ہشام میں ہے جس میں وہ زید کی حالت اس طرح بیان کرتی ہیں:۔

عن اسماء بنت ابی بکر رض قالت رأیت زید بن عمرو بن نفیل شیخا کبیرا مسندا ظھرہ الی الکعبۃ وھو یقول یا معشر قریش والذی نفس زید ابن عمرو بیدہ ما اصبح منکم احد علی دین ابراھیم غیری ثم یقول اللھم لوانی اعلم ای الوجوہ احب الیک عبدتک بہ ولکنی لا اعلمہ ثم یسجد علی راحتہ۔ (سیرۃ ابن ھشام جلد ۱ ص ۱۲۱ بر حاشیہ زاد المعاد)	حضرت ابوبکر کی صاحبزادی اسماء بیان کرتی تھیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کہ بڑے بوڑھے ہیں اور اپنی پیٹھ کو خانہ کعبہ سے لگا کر کہتے ہیں کہ اے قریش کے لوگو! قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں زید بن عمرو کی (یعنی میری) جان ہے آج حضرت ابراہیم کے مذہب پر تم لوگوں میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ پھر کہتے تھے اے خدا اگر میں جانتا کہ تجھ کو اپنی عبادت کس طرح سب سے زیادہ پسند ہے تو ضرور اسی طرح تیری عبادت کرتا۔ لیکن مجھے تو وہ عنوان معلوم ہی نہیں ہے۔ پھر اپنی ہتھیلی پر سر رکھ کر سجدہ کر لیتے تھے۔

اس روایت میں جناب اسماء اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتی ہیں کہ زید کو انھوں نے اس طرح دیکھا۔ اُس وقت وہ اپنے والد ماجد کے طرزِ عمل کو بھی ضرور دیکھتی ہونگی۔ اگر حضرت ابوبکر نے بھی بت پرستی کو چھوڑ دیا ہوتا تو جناب اسماء آپکی حالت زیادہ زور سے بیان کرتیں اور کہتیں کہ زید نے یہ دعوےٰ غلط کیا ہے میرے ابا جان بھی بت پرستی ترک کر چکے تھے۔ یا کم از کم یہی

فرماتیں کہ اگر چہ میرے والد صاحب نے حضرت ابراہیم کا دین نہیں اختیار کیا لیکن وہ بت پرستی کو چھوڑ چکے تھے یا یہ کہ انھوں نے بت کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔ جناب موصوفہ ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئی تھیں (اصابہ جلد ۸ ص) اور زمانہ جاہلیت کے حالات ۱۴ سال تک اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکی تھیں۔ اگر حضرت ابو بکر نے بت پرستی اس زمانہ میں ترک کی ہوتی تو موصوفہ سب سے پہلے اپنے گھر کی حالت بیان کرتیں بلکہ اپنے والد ماجد کے اس دینی کارنامہ پر مدۃ العمر فخر کرتی رہتیں حضرت عائشہ بھی زمانہ جاہلیت کے بہت سے واقعات بیان کرتی تھیں۔ اگر انھوں نے اپنے دادا یا دادی سے یا والد صاحب سے یا والدہ صاحبہ سے یا کسی اور شخص سے کبھی بھی یہ سنا ہوتا کہ حضرت ابو بکر نے بت پرستی نہیں کی یا بتوں کو کبھی سجدہ نہیں کیا تو موصوفہ اس مسئلہ میں خاموش نہیں رہتیں بلکہ اپنی زندگی بھر اس فضیلت کو ہر شخص سے نہایت افتخار و مباہاۃ سے ذکر فرمایا کرتیں۔ اور یہ خیال کہ پھر کسی نے تصریح سے کیوں نہیں لکھا کہ حضرت ابو بکر نے بھی بت پرستی کی یا بتوں کو سجدہ کیا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ قریش اتنی بڑی جماعۃ کے کس کس شخص کا نام لکھا جاتا اور کس کو اس کی ضرورت تھی؟ کیا حضرت عمر یا حضرت عثمان کے نام کی تصریح ہے کہ انھوں نے بتوں کو سجدہ کیا تھا؟ بلکہ قریش کی جو فرد یں آخر وقت تک اسلام کے خلاف رہیں اور کبھی بھی مسلمان نہیں ہوئیں ان کے نام کی تصریح کر کے کس نے لکھا ہے کہ انھوں نے بت پرستی کی تھی؟ ابو لہب۔ ابو جہل۔ حکم بن عاص۔ عقبہ ابن ابی معیط جو کفار قریش کے سردار تھے کیا ان کا نام لکھ کر تصریح سے کسی نے بتایا ہے کہ یہ لوگ بتوں کو سجدہ کرتے تھے؟ بس اجمالی طور پر یہ بتا دیا ہے کہ فلاں قبیلہ فلاں بت کو پوجتا تھا جیسے علامہ شہرستانی نے لکھا ہے:- اما اللات فکانت لثقیف بالطائف والعزےٰ لقریش وجمیع بنی کنانہ وقوم من بنی سلیم یعنی لات کی پرستش طائف میں اور عزےٰ کی قریش اور بنی کنانہ اور بنی سلیم میں ہوتی تھی (ملل و نحل جلد ۳ ص ۲۲۲)۔ ہاں جن لوگوں نے بت پرستی ترک کر دی تھی ان کی فہرست دے دی جس میں حضرت ابو بکر کا نام نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ بھی اس وقت بت پرست تھے ورنہ محدثین و مورخین اسلام اس فہرست میں آپکا نام سب سے اوپر لکھتے۔

دوسرا حصہ

اسلام لانے کے بعد سے ہجرت تک کے حالات

پہلی فصل

قبول اسلام

حضرت رسولخدا صلعم بچپن سے معصوم تھے اور کبھی کوئی کام آپ نے مرضی خدا کے خلاف نہیں کیا۔ شرک اور بت پرستی کو ہمیشہ بُرا سمجھا۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے "یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۳۹) لیکن مصلحۃ الٰہی کے مطابق حضرتؐ اپنی زندگی کے چالیسویں سال پیغمبری پر مبعوث ہوئے۔ اُس وقت حضرت ابوبکر ۳۸ سال کے یا اس سے زیادہ عمر کے تھے۔ اور پہلے آپکے سابق مذہب کی تحقیق ہو چکی کہ آپ مثل دوسرے لوگوں کے بُت پرست یا زندیق تھے کیونکہ اُس وقت یہی دو مذہب قریش میں موجود تھے (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۱۶۹) لیکن آپکا اُس وقت کوئی بھی مذہب ہو یہ یقینی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے مبعوث ہوتے ہی حضرت ابوبکر نے اپنے سابق مذہب کو چھوڑ کر دین اسلام قبول کر لیا اور یہی وجہ ہے بہت لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے آپ ہی مسلمان ہوئے۔

کتابوں کے مطالعہ اور حالات دنیا کے مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنا مذہب بہت پیارا ہوتا ہے اور وہ اس کو جلد چھوڑنا نہیں چاہتا۔ والدین چھوٹ جاتے ہیں مگر مذہب نہیں چھوٹتا۔ زوجہ علحدہ ہو جاتی ہے مگر مذہب سے جدائی نہیں ہوتی۔ شوہر اولاد سب الگ ہو جاتے ہیں لیکن مذہب نہیں ترک کیا جاتا۔ باوجود اس کے دنیا کے بہت لوگ ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیتے ہیں جسکی چند وجہیں ہوتی ہیں مثلاً (۱) کسی دباؤ سے انسان اس پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی زبردست طاقت کسی کمزور شخص یا جماعۃ کو گرفتار کرکے اس پر دباؤ

ڈالے کہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر یہ مذہب اختیار کرلو ورنہ تم کو قتل کردیا جائیگا اور وہ شخص یا جماعت اپنی ہلاکت کے خوف سے اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرلے (۲) کسی مجبوری سے انسان دوسرے مذہب کو بخوشی قبول کرلیتا ہے۔ جیسے مختلف مقامات پر بعض غیر مسلم عورتوں کا ناجائز مخفی تعلق مسلمانوں سے ہوجاتا ہے اور جب وہ راز فاش ہوتا ہے اور ان عورتوں کی برادری ان کو اپنی ذات سے علحدہ کرتی ہے اور وہ کسی طرح اپنی سابق جماعت میں نہیں رہنے پائیں تو مجبور ہوتی ہیں کہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اپنی عافیت کا سامان کریں (۳) آزادی سے کامل تحقیق اور غور و فکر کرنے اور اپنے مذہب کو باطل اور دوسرے مذہب کو حق سمجھنے کے بعد بھی مذہب بدل دیا جاتا ہے۔ جیسے یورپ کے بعض لوگوں نے عیسائیت کو ترک کرکے اسلام قبول کرلیا (۴) دنیا کے کسی لالچ سے بھی بہت لوگ اپنا مذہب بدل دیتے ہیں جیسے ہندوستانیوں کی بہت بڑی تعداد نے اس امید میں عیسائی مذہب اختیار کیا کہ اس میں داخل ہونے کے بعد ان کو آزادی حاصل ہوگی۔ دوسروں کے برابر حقوق ملیں گے۔ تعلیم حاصل ہوگی۔ ملازمت ملے گی۔ اسی قسم کی اور کچھ وجہیں بھی ہوسکتی ہیں۔

حضرت رسولخدا صلعم نے جب لوگوں کو اسلام کیطرف بلایا تو سب سے پہلے چار شخصوں کے اسلام قبول کرنے کا دعوےٰ کیا جاتا ہے (۱) حضرت خدیجہ (۲) حضرت ابوبکر (۳) حضرت علی (۴) حضرت زید۔ اور اولیت اسلام کی بحث انھیں چار میں دائر بیان کی جاتی ہے۔ یعنی انھیں سے کسی نے پہلے اسلام قبول کیا۔ ان سے حضرت خدیجہ کی یہ حالت تھی کہ حضرت صلیلعم جب ۲۵ سال کے تھے متعدد قومی کاموں میں شریک ہوچکے تھے۔ تجارت کے کاروبار کے ذریعہ سے لوگوں کے ساتھ معاملات پیش آتے تھے۔ اس بنا پر آپ کے حسن معاملہ، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کی شہرت ہوچکی تھی۔ یہاں تک کہ زبان خلق نے آپ کو صادق اور امین کا لقب دے دیا تھا۔ غرض جناب خدیجہ نے اُس وقت حضرت میں وہ کل انسانی کمالات دیکھے جن سے حضرت کو سب سے اشرف و اعلےٰ سمجھا اور خود تحریک کرکے حضرت سے شادی کرلی۔ پھر کامل ۱۵ سال ہر وقت ساتھ رہنے کی وجہ سے حضرت کی صدق بیانی۔ حق پرستی اور دوسرے حسنات صفات کا زیادہ مشاہدہ کرچکی تھیں۔ ان وجوہ سے گویا ان کا دل طیار ہوچکا تھا کہ حضرت جس ممکن بات کا بھی دعوےٰ فرمائیں وہ قبول کرلیں۔ چنانچہ جب حضرت نے فرشتہ کے آنے۔ وحی کے نازل

ہونے کا خیال ظاہر کیا تو انھوں نے تسلیم کر لیا۔ نبوت کا دعوےٰ کیا اور اونھوں نے مان لیا۔ اس طرح آپ کا اسلام تحقیقی اسلام قرار پایا۔

جناب زید حضرت صلعم کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے بچپن سے حضرت کے پاس رہے اور حضرت نے ان کو اس طرح مانا کہ گویا حضرت کے فرزند سمجھے جاتے تھے۔ ان کو بھی حضرت کے کل کمالات کے مطالعہ کرنے کا پورا موقع ملا جس سے وہ بسہولت سمجھ سکتے تھے کہ حضرت معمولی انسانوں سے بہت زیادہ بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ بھی گویا آمادہ تھے کہ حضرت اپنے متعلق جو فرمائیں اس کو مان لیں۔ اس طرح ان کا اسلام بھی تحقیقی اسلام تھا۔

حضرت علیؑ کو تو اس فہرست میں رکھنا ہی نہیں چاہئے کیونکہ آپ اسلام کے قبل کافر تھے ہی نہیں۔ کفر نے تو کسی وقت حضرتؑ کو مس بھی نہیں کیا۔ مورخ سیوطی نے حضرتؑ کے حال میں لکھا ہے :۔

ولم یعبد الاوثان قط (تاریخ الخلفاء ص ۱۱۳)	حضرت علی نے کبھی بھی بت پرستی نہیں کی۔

اور خود حضرت رسولخدا صلعم نے اعلان فرما دیا کہ :۔

ثلاثة ما کفروا باللہ قط مؤمن آل یاسین وعلی ابن ابی طالب وآسیة امرأة فرعون (تفسیر در منثور جلد ۵ ص ۲۶۲)	تین شخصوں نے کبھی کفر نہیں اختیار کیا۔ ایک مومن آل یاسین۔ دوسرے علی ابن ابی طالب۔ تیسری فرعون کی بیوی آسیہ۔

اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ حضرت علی بہت قبل ہی سے حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ تھے۔ خود آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے :۔

کنت انا وعلی نوراً بین یدی اللہ تعالےٰ قبل ان یخلق آدم باربعة عشر الف عام (ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۶۴)	ولادت حضرت آدم کے چودہ ہزار برس پہلے سے میں اور علی خدا کے سامنے ایک نور کی صورت میں رہتے تھے۔

اسی سبب سے خدا نے بھی اپنے عرش پر نہ معلوم کتنی مدت قبل حضرت رسولخدا صلعم

کا نام لکھا تو جناب امیرؑ کا نام لکھنا بھی ضروری سمجھا۔

قال رسول اللهؐ ليلة اسري بي الى السماء نظرت الى ساق العرش الايمن فرأيت كتابا فهمته محمد رسول الله ايدته بعلي ونصرته به (رياض نضرة جلد ۲ صـ۱۷۲)

حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے کہ میں شب معراج میں آسمان کی طرف گیا تو عرش کے داہنے پائے کی طرف نظر کی اس پر کچھ لکھا ہوا دیکھا۔ سمجھا تو یہ مضمون تھا کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور علی کے ذریعہ سے میں نے انکو مضبوط کیا اور انہیں علی سے انکی مدد کی۔

جب حضرتؑ عالم ظاہری میں تشریف لائے تب بھی حضرت صلعم ہی کے ساتھ رہے جیسا کہ علامہ ابن اثیر جزری و علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے:

قال ابن اسحاق اول من اسلم علي وعمره احدى عشر سنة وكان من نعمة الله عليه ان قريشا اصابتهم ازمة شديدة وكان ابو طالب ذا عيال كثير فقال يوما رسول اللهؐ لعمه العباسؓ يا عم ان ابا طالب كثير العيال فانطلق بنا نخفف عن عيال ابي طالب فانطلقا اليه واعلماه ما ارادا فقال ابو طالب اتركا لي عقيلا واصنعا ما شئتما فاخذ رسول الله عليا واخذ العباس جعفرا فلم يزل علي عند النبيؐ حتى ارسله الله فاتبعه وكان النبيؐ اذا اراد الصلاة انطلق

قدیم مورخ و محدث جلیل القدر علامہ ابن اسحاق کی تحقیق یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی مسلمان ہوئے اُس وقت آپکی عمر گیارہ سال کی تھی اور خدا کا فضل حضرتؑ پر اسطرح ہوا کہ ایکدفعہ قریش میں شدید قحط پڑا اور جناب ابوطالب کے عیال زیادہ تھے اس وجہ سے حضرت رسولخدا صلعم نے ایکروز اپنے چچا جناب عباس سے فرمایا کہ اے چچا (میرے دوسرے چچا) حضرت ابوطالب کے عیال زیادہ ہیں آیئے میں اور آپ ان کے پاس چلیں اور ان کے عیال کا بوجھ ان سے ہلکا کردیں۔ یہ رائے قرار پاگئی دونوں صاحب جناب ابوطالب کے پاس پہونچے اور اپنی تجویز پیش کی تو جناب ابوطالب نے کہا میرے پاس عقیل کو چھوڑ دو اور دوسروں کے بارے میں تم کو اختیار ہے۔ اس پر حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی کو اور جناب عباس نے جناب جعفر کو لے لیا اور اپنے ساتھ رکھنے لگے اُس وقت سے حضرت علی برابر حضرت رسولخدا صلعم کے ہمراہ ہی رہے یہاں تک کے خدا نے حضرتؐ کو پیغمبر بنایا تو آپنے حضرتؐ کی پیروی کرلی

هو وعلی الی بعض الشعاب بمکة فیصلیان ویعودان فعثر علیہما ابو طالب فقال یا ابن اخی ما ھذا الدین قال دین اللہ وملائکتہ ورسلہ ودین ابینا ابراہیم بعثنی اللہ تعالیٰ بہ الی العباد (تاریخ کامل جلد ۲ صـ ۲۱ وتاریخ طبری جلد ۲ صـ ۲۱۳)

جب حضرت رسولخدا صلعم نماز پڑھنی چاہتے تھے تو حضرت اور آپ کے ساتھ حضرت علی مکہ کے بعض غاروں کی طرف چلے جاتے تھے اور وہیں دونوں بزرگ نماز جماعۃ پڑھا کرتے پھر اپنے گھر واپس آتے ایک دفعہ جناب ابو طالب نے ان لوگوں کی یہ عبادت دیکھ لی تو پوچھا بیٹا یہ کون مذہب ہے؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا یہی اللہ اسکے فرشتوں اور پیغمبروں کا دین ہے اور یہی ہمارے جد حضرت ابراہیم کا دین ہے خدا نے اس دین کی تبلیغ کے لئے مجھے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے۔

غرض حضرت علیؑ بچپن سے آنحضرتؐ کی گود میں رہے۔ حضرتؐ ہی نے آپکی پرورش کی علامہ ابن حجر نے لکھا ہے:۔

ربی فی حجر النبیؐ ولم یفارقہ (اصابہ جلد ۴ صـ ۲۶۹)

حضرت علی نے حضرت رسولخدا صلعم کی گود میں پرورش پائی اور کسی وقت حضرتؐ سے جدا نہیں ہوئے۔

اور آنحضرتؐ اسی وقت سے آپ کو دین حق کی تعلیم فرماتے رہے۔ اس وجہ سے جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو حضرت علیؑ نے بھی اپنے ایمان کا اعلان فرما دیا۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت علیؑ آنحضرتؐ کو اپنا بزرگ سمجھکر حضرتؐ کے ساتھ نماز وغیرہ پڑھتے تھے جس طرح دوسرے بچے کرتے ہیں بلکہ حضرتؐ نے آنحضرتؐ کی تعلیم سے پوری تحقیق اور بکمال غور وفکر کی اور اسلام ہی کو بہترین مذہب سمجھا۔ اس دین کی حقیقت آپ کے ذہن میں اس پختگی سے قائم ہوگئی کہ حضرت ابو طالب کے سوال پر حضرتؐ نے پورے اطمینان اور دلجمعی سے فرمادیا کہ میں خدا اور رسول پر ایمان لاچکا ہوں۔ علامہ طبری وعلامہ ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے:۔

قال ابو طالب لعلی ما ھذا الدین الذی انت علیہ۔ قال یا ابت آمنت باللہ وبرسولہ وصلیت معہ فقال اما انہ

جناب ابو طالب نے حضرت علی سے بھی پوچھا کہ بیٹا یہ کون مذہب ہے؟ حضرت علی نے فرمایا اے بابا میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ اور حضرت کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں۔ جناب ابو طالب

لا يدعونا الا الى الخير فالزمه
(تاریخ طبری جلد ۲ صـ۲۱۳ تاریخ کامل جلد ۲ صـ۲۱)

نے کہا ہاں وہ ہم لوگوں کو اچھے ہی دین کیطرف بلاتے ہیں۔ تم ضرور حضرت کے ساتھ رہو۔

ان وجوہ سے حضرت علیؑ کا ایمان بھی ویسا ہی تحقیقی تھا جیسا حضرت رسولخدا صلعم کا اور اسی غور و فکر کا نتیجہ تھا جو حضرت رسولخدا صلعم کو خدا کی طرف سے مرحمت ہوئی تھی کیونکہ حضرت نے اپنے کل علوم و معارف جناب امیرؑ کو تعلیم فرما دئیے تھے اور حضرت علی نے بھی ان کل علوم و معارف کو اس درجہ سمجھکر حاصل کیا کہ خود حضرت رسولخدا صلعم کو اعلان کر دینا پڑا کہ:۔

انا مدينة العلم وعلى بابها
(ریاض نضرہ جلد ۲ صـ۱۹۳)

میں علم و معرفۃ کا شہر ہوں اور علی اُس کے دروازے ہیں۔

لیکن حضرت ابوبکر کا فوراً مذہب اسلام قبول کر لینا ایک معمے سا معلوم ہوتا ہے۔ کوئی دباؤ نہیں تھا کسی قسم کی مجبوری نہیں تھی اور ایک دن میں تحقیق کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکتا تھا۔ پھر آنحضرت صلعم کے اسلام پیش کرنے کی خبر سُنتے ہی کیوں اس کو قبول کر لیا۔ خود آنحضرت صلعم ہی کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے بغیر غور و فکر کے اسلام قبول کر لیا بلکہ آنحضرتؐ کے الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ آپ کے اس طرح اسلام قبول کرنے پر آنحضرت کو بڑی حیرت ہوئی ہوگی۔ علامہ سیوطی و علامہ محب طبری نے لکھا ہے:۔

كان رسول اللهؐ فيما بلغني يقول ما دعوت احدا الى الاسلام الا كانت منه عنده كبوة ونظر وتردد الا ما كان من ابى بكر بن ابى قحافة ما عكم عنه حين ذكرته له وما تردد فيه (ریاض نضرہ ج ۱ صـ۵۳ و تاریخ الخلفاء صـ۲۴ وغیرہ)

حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے کہ میں نے جس جس شخص کو اسلام کی طرف بلایا اس نے یا اسمیں کچھ توقف کیا۔ یا غور و فکر کی۔ یا تردد کیا سوا ابوبکر بن ابو قحافہ کے کہ میں نے ان سے ذکر کیا تو انھوں نے کچھ انتظار تک نہیں کیا۔ نہ ان کو کسی قسم کا تردد ہوا (فوراً قبول کر لیا)

جن لوگوں نے توقف کیا یا غور و فکر کی ان کا عذر واضح ہے کہ دنیا میں کوئی شخص بغیر غور و فکر کئے۔ بغیر سمجھے۔ بغیر تحقیق کئے اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب فوراً نہیں اختیار کر لیتا ہے انسان کوئی جائداد خریدتا ہے۔ کوئی معاملہ کرتا ہے۔ کہیں شادی بیاہ کے تعلقات

کیا حضرت ابوبکر واقعاً صدیق تھے؟

اس کتاب کے پہلے حصہ کی ساتویں فصل میں حضرت ابوبکر کے القاب کی تحقیق کی گئی ہے۔ صدیق کے متعلق بھی مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب اس پر ایک مختصر تبصرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس لقب کی وجہ زیادہ تر یہی سمجھ میں آتی اور مشہور بھی ہے کہ آپ نے جلد اسلام قبول کیا اور حضرت رسولخدا صلعم کی تصدیق نبوت کی۔ مگر اسکی واقعیت کا حال واضح ہوگیا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آپ کو یہ لقب کس نے دیا اور کب سے آپ صدیق کہے جانے لگے۔ علامہ محب طبری نے لکھا ہے:۔

ذکر اسمہ الصدیق۔

واختلف فی ذلک لای معنے یقیل کان هذا اللقب قد غلب علیہ فی الجاهلیة لانہ کان فی الجاهلیة وجیهاً رئیسا من رؤساء قریش۔

(ریاض نضرہ صـ۴۸)

حضرت ابوبکر کے لقب صدیق کا بیان۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ کس وجہ سے آپ کا یہ لقب مقرر ہوا۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیۃ میں آپ کا یہ لقب تھا کیونکہ آپ اس عہد میں وجیہ اور رؤسائے قریش سے ایک رئیس تھے۔

مگر جناب ممدوح کی نسبی حالت۔ اور قریش میں آپ کا جو درجہ تھا اسکی کافی تحقیق پہلے مذکور ہوچکی۔ اس سبب سے اس قول کا درست ہونا دشوار ہے۔

دوسری وجہ ممدوح نے یہ لکھی ہے:۔

وقیل سمے صدیقا لتصدیقہ النبیؐ فی خبر الاسراء

(صـ۴۸)

اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کا نام صدیق اس سبب سے رکھا گیا کہ آپ نے قصہ معراج کے متعلق رسولؐ کی تصدیق کی۔

لیکن یہ روایۃ حضرت عائشہ کی ہے جو جناب ممدوح ہی کی صاحب زادی تھیں۔ اور اگرچہ معراج کے وقت جناب معظمہ کا نکاح حضرت رسولخدا صلعم سے ہوچکا تھا لیکن ابھی آپ اپنے ہی گھر کے اندر رہتی تھیں۔ نہ حضرت کے گھر گئی تھیں نہ زفاف ہوا تھا نہ اسلامی امور کے متعلق آپ کو کسی تحقیق کا موقع ملا تھا۔ کیونکہ آپ کا نکاح مکہ معظمہ میں ۱۰ بعثت میں ہوا تھا اور

واقعہ معراج غالباً ۱۲ بعثت کا ہے اور آپ کا زفاف ۱ھ ہجری میں بمقام مدینہ ہوا
غرض معراج کے وقت آپ کو کیونکر یہ خبر ہو سکتی تھی کہ کس نے آنحضرت صلعم کی تصدیق
کی اور کس نے نہیں کی ۔ اُس وقت آپ کی عمر شاید سات یا آٹھ سال کی تھی اور ایسی
کمسن بچی کو ایسی تحقیق کا نہ خیال پیدا ہو سکتا تھا نہ کوئی موقع مل سکتا تھا ۔ اس عمر میں
تو اُس زمانہ کے لڑکوں کی عقل بھی اس قابل نہیں ہوگی کہ ان کو اس قسم کی باتوں پر غور و
فکر کرنے کا خیال ہو ۔ پھر جناب معظمہ تو شادی کے بعد بھی گڑیاں کھیلا کرتی تھیں۔
تیسری وجہ یہ لکھی ہے ۔

لبدارہ الی تصدیق رسول اللہ فی کل ما جاء بہ عموما (ص ۴۹)	چونکہ آپ نے حضرت رسولخدا صلعم کی ہر ایسی بات میں جس کا حضرت نے دعوے کیا تصدیق کرنے میں سبقت کی اسی وجہ سے صدیق کہے گئے ۔

لیکن پہلے بیانات سے معلوم ہو چکا کہ یہ قول نہایت ضعیف ہے اور بہت مدت
کے بعد لوگوں نے اسکی ایجاد کی ہے جب حضرت ابوبکر کا وجود دنیا میں تھا ہی نہیں۔
البتہ ایک اور وجہ مورخین نے لکھی ہے وہی قرین عقل معلوم ہوتی ہے ۔
لکھتے ہیں :-

اجمعت الامۃ علی تسمیتہ بالصدیق (تاریخ الخلفاء ص ۱۸)	امت نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ حضرت ابوبکر کا نام صدیق رکھا جائے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ نہ زمانہ جاہلیتہ میں آپ کا یہ نام تھا اور نہ حضرت رسولخدا صلعم نے آپکو
یہ لقب عنایت فرمایا بلکہ خود مسلمانوں ہی نے اپنی خواہش سے اجماع کر کے آپ کو یہ لقب
دیا ہے ۔ لیکن مسلمانوں کا ایسا کرنا اُس وقت زیادہ باعث اعتراض نہیں ہوتا جب خود
حضرت رسولخدا صلعم نے مسلمانوں سے کسی کو یہ لقب نہ دیا ہوتا حالانکہ پہلے چند حدیثیں
ذکر کی گئیں ہیں جن سے واضح ہے کہ آنحضرت صلعم نے بتصریح یہ لقب حضرت امیرالمومنینؑ
کو مرحمت فرمایا تھا اور پھر حصر بھی فرما دیا تھا کہ صدیق صرف تین ہی ہیں ۔ دو سابق امتہ
کے اور ایک اس امتہ کے ۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ کسی چوتھے کو صدیق نہیں کہہ سکتے ۔ غرض
جب حضرت رسولخدا صلعم بجائے حضرت ابوبکر کے کسی دوسرے کو صدیق کہیں تو مسلمانوں کو

کیونکر مناسب ہے کہ آپ کو اس لقب سے سرفراز کریں۔ اس سے تو صاف طور پر حضرت رسولخدا صلعم کی تکذیب لازم آتی ہے جسے کسی مسلمان کو پسند نہیں کرنا چاہئے علاوہ بریں حضرت ابوبکر کے متعلق کسی کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کسی صحابی نے کہا ہو کہ آپ صدیق ہیں۔ اور خود ممدوح نے بھی اپنے متعلق یہ دعوے نہیں کیا کہ "میں صدیق ہوں۔ میرے سوا کوئی شخص اس کا دعوے کرے گا تو جھوٹا مفتری ہوگا"۔ اگر حضرت ممدوح واقعاً صدیق ہوتے یا عہد رسولؐ میں لوگوں نے آپ کو صدیق کہا ہوتا تو آپ خود بھی کبھی اپنا یہ وصف ذکر کرتے بلکہ اس پر برابر فخر ومباہات کرتے۔

اس سے زیادہ حیرت خیز یہ امر ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ بار بار مجمع میں منبر پر فرماتے تھے کہ:-

انا عبد اللہ واخو رسولہ انا الصدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الا کاذب مفتر صلیت مع رسول اللہ قبل الناس بسبع سنین (تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۰)	میں بندۂ خدا اور برادر رسولخدا صلعم ہوں۔ میں صدیق اکبر ہوں۔ اس بات کو میرے بعد کوئی نہیں کہے گا مگر وہ شخص جو بڑا جھوٹا اور مفتری ہوگا۔ میں نے لوگوں سے سات برس پہلے نماز پڑھی ہے۔

یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ حضرت امیرالمومنینؑ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت کے زمانہ کے بعد کوئی اس کو نہیں کہہ سکتا اور حضرت ابوبکر کا زمانہ تو آپ کے قبل تھا یعنی بعدیت کی نفی ثابت ہوتی ہے نہ قبلیت کی اس لئے کہ حضرت کی مراد لفظ بعد سے یہ تھی کہ میں ہی یہ کہتا ہوں میرے علاوہ کوئی اس بات کو نہیں کہہ سکتا چنانچہ دوسرے موقع پر حضرتؑ نے اسکی بھی تصریح کردی کہ نہ میرے قبل کسی نے اس کا دعوے کیا ہے۔ نہ میرے بعد کوئی کرسکتا ہے۔ علامہ ذہبی نے عباد بن عبد اللہ اسدی کے ترجمہ میں لکھا ہے:-

انا عبد اللہ واخو رسول اللہ وانا الصدیق الاکبر ما قالھا قبلی ولا یقولھا بعدی الا کاذب مفتر	میں خدا کا بندہ اور رسولخداؐ کا بھائی ہوں۔ میں ہی صدیق اکبر ہوں۔ یہ دعوے نہ مجھ سے پہلے کسی نے کیا اور نہ میرے بعد کوئی کرسکتا ہے جو ایسا

ولقد اسلمت وصلیت قبل الناس بسبع سنین -
(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۱)

کرے گا وہ جھوٹا مفتری ہوگا - میں نے لوگوں سے سات سال قبل نماز پڑھی ہے -

مگر کسی شخص نے حضرت کے بارے میں آپ کے سامنے یا غیبت میں یہ نہیں کہا کہ حضرت غلط فرماتے ہیں - آپ کے قبل حضرت ابوبکر صدیق ہو چکے ہیں - البتہ ایک اور بات کسی نے کہی تو اس کا غیبی نتیجہ بھی پالیا - علامہ علی متقی نے لکھا ہے:-

عن ابی یحیٰے قال سمعت علیا یقول انا عبد اللہ واخو رسولہ لا یقولہا احد بعدی الا کاذب فقالہا رجل فاصابتہ جنۃ -
(کنز العمال ج ۶ ص ۳۹۶)

ابو یحیٰے کہتے تھے کہ میں نے حضرت علی کو سنا کہ فرماتے تھے میں خدا کا بندہ اور اس کا بھائی ہوں - میرے بعد اس کو کوئی نہیں کہہ سکتا ہے مگر وہ جو جھوٹا ہوگا - لیکن ایک شخص نے ایسا کہہ دیا تو فوراً پاگل ہو گیا -

---

ف عہد رسولؐ کے مشہور شاعر جناب حسان تھے وہ کہتے تھے -

الیس اول من صلی لقبلتکم واعرف الناس بالقرآن والسنن
(تفسیر بیضاوی تحت آیۃ واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا ج ۱ ص ۳۷)

کیا علی وہ نہیں ہیں جنہوں نے قبلہ کی طرف سب سے پہلے نماز پڑھی - اور کیا آپ ہی وہ نہیں ہیں جو قرآن اور احادیث رسولؐ کا سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں -

اس شعر کے متعلق ملا عصام نے یہ حاشیہ لکھا ہے:-

قالہ فی شان امیر المومنین علی ابن ابی طالب

حسان شاعر نے یہ شعر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی شان میں کہا تھا -

حضرت ابوبکر کے بارے میں جو حضرات دعوے کرتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے اسکی ایک دلیل یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسان شاعر رسولؐ نے اس مضمون کا شعر کہا ہے مگر اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسان کی تحقیق بھی حضرت علیؑ ہی کے سب سے پہلے دین اسلام قبول کرنے کے متعلق ہے ۱۲ منہ

پانچویں فصل

ابتدائے اسلام میں انحضرت پر ابوبکر کا اجتہاد اور اس کا نتیجہ

حضرت رسولخدا صلعم بہت آہستہ آہستہ نہایت نرمی سے اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے اور اس کی خوبیاں انکے ذہن نشین کراتے تھے جسکی وجہ سے اہل مکہ رفتہ رفتہ اس دین میں داخل ہوتے جاتے تھے مگر حضرت ابوبکر نے حضرت رسولخدا صلعم کی اس حکمت عملی کو قائم نہیں رہنے دیا۔ مورخین نے لکھا ہے:۔

ان رسول اللہ لما دخل دار الارقم لیعبد اللہ تعالیٰ ومن معہ من اصحابہ فیہا سرا وکانوا ثمانیۃ وثلاثین رجلا الح ابوبکرؓ علی رسول اللہؐ فی الظہور ای الخروج الی المسجد فقال یا ابابکر انا قلیل فلم یزل بہ حتی خرج رسول اللہ ومن معہ من اصحابہ الی المسجد (سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۲۹۵ وغیرہ)

حضرت رسولخدا صلعم جب ارقم کے گھر میں داخل ہوئے تاکہ حضرتؐ اور حضرتؐ کے اصحاب پوشیدہ طور پر خدا کی عبادت کرتے رہیں اور وہ سب ۳۸ آدمی تھے۔ تو حضرت ابوبکر نے رسولخدا صلعم سے الحاح شروع کیا کہ حضور ظاہر ہو جائیں یعنی مسجد کی طرف خروج کریں۔ حضرت نے جواب دیا اے ابوبکر ہم لوگ کم ہیں (نکلنا مناسب نہیں ہے) مگر حضرت ابوبکر آنحضرت صلعم کے سر ہو گئے یہاں تک کہ حضرت (مجبور ہو کر) اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد کی طرف نکل پڑے۔

اس کا جو نتیجہ ہوا اس کتاب کے پہلے حصہ کی پہلی فصل میں بیان ہو چکا ہے[1]۔ علامہ ابن ہشام نے اس دن کا انجام ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

رجع ابوبکر یومئذ وقد صدعوا فرق راسہ مما جبذوہ بلحیتہ وکان رجلا کثیر الشعر

یعنی اس دن حضرت ابوبکر اس طرح واپس آئے کہ کفار نے آپ کے سر کی مانگ کو پھاڑ ڈالا تھا اس طرح کہ اس کو ان کی ڈاڑھی کے بالوں سمیت

[1] دیکھو ص ۱۴

(سیرۃ ابن ھشام ج ۱ ص ۱۵۳)

کھینچتے تھے اور حضرت ابوبکر کے بال بہت تھے۔

اور جناب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے۔

پس کشیدند سر و ریش ابوبکر را تا افتاد اکثر موہائے او و بشکستند سر او را و در روایتے آمدہ کہ چنداں نعلین بر سر و روے او زدند کہ بے ہوش افتاد۔

پس کافروں نے حضرت ابوبکر کے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو کھینچنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کا زیادہ بال بچ گیا۔ اور آپ کے سر کو ان سب نے توڑ ڈالا۔ اور ایک روایتہ میں ہے کہ آپ کے سر اور منہ پر اتنی جوتیاں ماریں کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۹)

اور علامہ حلبی نے لکھا ہے:۔

ووطئ ابوبکر بالارجل

حضرت ابوبکر کو کافروں نے اپنے پاؤں سے کچل ڈالا۔

آپ کے اعزہ آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے اور وہ سمجھتے تھے کہ آپ انتقال کر گئے۔

ثم رجعوا الی ابی بکر وصار والدہ ابوقحافہ وبنو تیم یکلمونہ فلا یجیب حتے اذا کان آخر النھار تکلم

(سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۲۹۵)

پھر لوگ حضرت ابوبکر کے پاس پلٹ آئے اور آپ کے والد ابوقحافہ اور قبیلہ تیم والے آپ سے بات کرنی چاہتے تھے مگر آپ کسی کا جواب نہیں دے سکتے تھے صرف شام کے قریب کچھ بولے۔

چھٹی فصل

حضرت رسولخدا صلعم کی مالی اعانت کرنیکی تحقیق

اس کے متعلق بھی مسلمانوں کی دو جماعتوں میں شدید اختلاف ہے۔ بڑی جماعۃ کہتی ہے کہ

قال رسول اللہ ما نفعنی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر فبکے ابوبکر وقال ھل انا ومالی الا لک یا رسول اللہ۔

حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے کہ جس قدر مجھے ابوبکر کے مال نے نفع پہونچایا اس قدر کسی کے مال نے نفع نہیں دیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رونے لگے اور کہا یا رسول اللہ میں اور میرا مال آپ کے

آن ابا بکر رض اسلم یوم اسلم وله اربعون الف دینار وفی لفظ اربعون الف درهم فانفقها علی رسول الله ... اسلم ابوبکر یوم اسلم وفی منزله اربعون الف درهم فخرج الی المدینة فی الهجرة وماله غیر خمسة آلاف کل ذلک ینفقه فی الرقاب والعون علی الاسلام... عن عائشة ان ابا بکر اعتق سبعة کلهم یعذب فی الله (تاریخ الخلفاء ص۲۶)

سوا بھی کسی کے لئے ہے؟ جس روز حضرت ابو بکر اسلام لائے آپ کے پاس چالیس ہزار اشرفی تھی اور ایک روایۃ میں ہے کہ چالیس ہزار درہم تھے اُن سب کو آپ نے حضرت رسولخدا صلعم پر خرچ کردیا۔

جس روز حضرت ابو بکر مسلمان ہوئے آپ کے گھر میں چالیس ہزار درہم مال تھا مگر جب آپ ہجرت کرکے مدینہ جانے لگے تو آپ کے پاس صرف پانچ ہزار درہم تھے۔ سب کو آپ غلاموں کے آزاد کرنے اور اسلام کی مدد میں خرچ کرتے رہے

حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ حضرت ابوبکر نے سات غلاموں کو آزاد کر دیا۔ جو سب کے سب اللہ کی راہ میں عذاب کئے جاتے تھے۔

ایک بڑے علامہ جاحظ نے لکھا ہے:۔

وقد علمتم ما صنع ابوبکر فی ماله وکان ماله اربعین الف درهم فانفقه فی نوائب الاسلام

اور تم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے مال کے بارے میں کیا کیا۔ آپ کا کل مال چالیس ہزار درہم تھا۔ آپ نے سب کا سب اسلام کی مصیبتوں میں صرف کردیا۔

مگر اسی جماعۃ کے ایک اور بڑے علامہ شیخ ابو جعفر نے علامہ جاحظ کا جواب اس طرح دیا ہے۔

اخبرونا علی ای نوائب الاسلام انفق هذا المال وفی ای وجه وضعه

ذرہ تم لوگ یہ بھی تو مجھ سے بتاؤ کہ حضرت نے اپنے اس مال کو اسلام کی کن مصیبتوں میں خرچ کیا تھا اور کس موقع پر صرف کیا؟ کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ

فانه لیس بجائز ان
یخفی ذلک ویدرس
حتی یفوت حفظه و
ینسی ذکره - وانتم
فلم تتفقوا علی شئ اکثر
من عتقه بزعمکم ست
رقاب لعلها لا یبلغ
ثمنها فی ذلک العصر
مائتہ درهم وکیف
یدعی له الانفاق
الجلیل وقد باع
من رسول الله بعیرین
عند خروجه الی یثرب
واخذ منه الثمن فی
مثل تلک الحال - روی
ذلک جمیع المحدثین -
وقد رویتم ایضا انه
کان حیث کان بالمدینة
غنیا موسرا - ورویتم عن عائشة
انها قالت هاجر ابوبکر وعنده
عشرة آلاف درهم وقلتم
ان الله تعالی انزل فیه ولا
یأتل اولوا الفضل منکم والسعة
ان یؤتوا اولی القربی - قلتم

تم کو اسکی خبر نہ ہو اور یہ مصیبتیں اتنی پرانی ہوگئی
ہوں کہ لوگوں کے ذہن سے نکل گئی ہوں اور اسکی
یاد بھول گئی ہو - خود تم لوگوں کو اسکی خبر نہیں ہے کہ
موصوف نے (جیسا تم دعوے کرتے ہو) چھ سے
زیادہ غلام آزاد کئے ہوں - غالباً ان سب کی قیمت
اُس زمانہ میں سنو درہم سے زیادہ نہیں ہوسکتی - اور
کیونکر کوئی شخص یہ دعوے کرسکتا ہے کہ ممدوح نے
اسلام کی حمایۃ میں بہت زیادہ مال خرچ کردیا حالانکہ
جب حضرت رسولخدا صلعم ہجرت کرکے مدینہ جانے لگے
تو ممدوح نے حضرتؐ کے ہاتھ اپنے دو اونٹ بیچے
اور ایسے وقت میں حضرتؐ سے قیمت وصول کرلی!!!
ان سب باتوں کو کل محدثین لکھتے آتے ہیں - اور
تم لوگ یہ بھی کہتے ہو کہ جب حضرت ابوبکر مدینہ میں تھے
تو بڑے خوش حال اور مالدار تھے - اور تم لوگ حضرت
عائشہ سے یہ بھی روایۃ کرتے ہو کہ وہ فرماتی تھیں
جس وقت حضرت ابوبکر نے ہجرت کی آپ کے پاس
دس ہزار درہم تھے - اور یہ بھی کہتے ہو کہ اللہ نے انکی
شان میں آیۃ ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ
ان یوتوا اولی القربی نازل کی - اور بیان کرتے ہو
کہ یہ آیۃ حضرت ابوبکر و مسطح بن اثاثہ کی شان
میں نازل ہوئی تھی - پھر (مدینہ میں)
ان کا وہ فقر کیا ہوا جس کا تم دعوے کرتے
ہو کہ آپ نے اسلام میں اتنا خرچ کردیا کہ
اپنی عبا میں پیوند لگایا کرتے تھے - تم یہ بھی

هے فی ابی بکر و مسطح بن
اثاثة - فاین الفقر الذی
زعمتم انه انفق حتی تخلل
بالعباءة - و رویتم ان الله
تعالیٰ فی سمائه ملائکة
قد تخللوا بالعباء وان
النبی راٰهم لیلة الاسراء
فسأل جبرائیل عنهم فقال
هولاء ملائکة تأسوا بابی بکر
بن ابی قحافة صدیقک فی
الارض فانه سینفق علیک
ماله حتی یخلل عبائه
فی عنقه - وانتم ایضا رویتم
ان الله تع لما نزل آیة
النجوے فقال یاایها الذین
آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا
بین یدے نجواکم صدقة
ذلک خیر لکم الآیة - لم یعمل بها
الا علی ابن ابی طالب وحده
مع اقرارکم بفقره وقلة
ذات یده - وابوبکر فی الحال
التی ذکرتم من السعة امسک
عن مناجاته فعاتب الله المومنین
فی ذلک فقال ءاشفقتم ان تقدموا

روایۃ کرتے ہو کہ آسمان میں اللہ کے کچھ ایسے
فرشتے بھی ہیں جو اپنی عباؤں میں پیوند
لگاتے ہیں۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے ان
فرشتوں کو شب معراج اس طرح دیکھا تو پوچھا
اے جبریل یہ کون ہیں تو کہا یہ وہ فرشتے
ہیں جنہوں نے ابوبکر بن ابی قحافہ کی جو زمین
میں تمہارے دوست ہیں پیروی کی ہے
کیونکہ وہ اپنا مال تم پر اتنا خرچ کر دینگے
کہ اپنی عبا اپنے گلے میں لپیٹے رہیں گے
اور تم لوگ یہ بھی روایۃ کرتے ہو کہ خدا
نے جب آیۃ نجوے کو نازل کیا تو فرمایا اے
ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کرو
تو سرگوشی کرنے کے قبل کچھ صدقہ دے دیا
کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے مگر اس حکم پر
سوا حضرت علیؑ کے کسی ایک صحابی نے بھی
عمل نہیں کیا حالانکہ تم کو اس بات کا اقرار
ہے کہ حضرت علیؑ مالدار نہیں تھے بلکہ برابر
خالی ہاتھ رہتے تھے اور حضرت ابوبکر نے باوجود
اپنی اس حالت دولت و مالداری کے جو ہم لوگ
ذکر کرتے ہیں حضرت رسولخدا صلعم سے سرگوشی
ہی ترک کر دی۔ اس کی وجہ سے خدا نے مسلمانوں
پر عتاب کیا اور فرمایا کیا اپنی سرگوشی کے قبل
صدقہ دینے سے تم لوگ ڈر گئے؟ خیر اگر ایسا
نہیں کروگے اور اللہ تمہاری توبہ قبول کرلے گا۔ اس

بین یدی نجواکم
صدقات فاذلم تفعلوا
وتاب الله علیکم فجعله
سبحانه ذنبا یتوب علیهم
منه وهو امساکهم
عن تقدیم الصدقة
فکیف سخت نفسه بانفاق
اربعین الفا وامسک عن مناجاة
الرسول وانما کان یحتاج
فیها الی اخراج درهمین.
واما ما ذکره من کثرة
عیاله ونفقته علیهم
فلیس فی ذلک دلیل
علی تفضیله لان نفقته علی عیاله
واجبة مع ان ارباب
السیرة ذکروا انه لم
یکن ینفق علی ابیه
شیئا وانه کان اجیرا
لابن جدعان علی مائدته
یطرد عنها الذبان
(شرح نہج البلاغۃ از
علامہ ابن ابی الحدید
مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۲۷۲)

آیہ میں خدا نے ان صحابہ کے سرگوشی
ترک کرنے کو ایسا گناہ قرار دیا جس کے
بارے میں ان کی توبہ قبول کرنے کو فرمایا۔
اور ان کا یہ گناہ یہی تو تھا کہ انھوں نے
صدقہ دینے میں بخل کیا اور مال خرچ
ہونے کے ڈر سے سرگوشی بھی چھوڑ دی
اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر حضرت ابوبکر
کا نفس ایک دفعہ تو ایسا سخی ہو گیا کہ چالیس
ہزار خرچ کر دیا اور ایک دفعہ ایسا بخیل ہو گیا
کہ اس صدقہ دینے کے خوف سے انھوں
نے حضرت رسولؐ سے سرگوشی تک
چھوڑ دی۔ حالانکہ اس میں صرف دو درہم
کا خرچ تھا۔ اور تم لوگ یہ جو کہتے ہو کہ
حضرت ابوبکر کے عیال زیادہ تھے اور
آپ ان لوگوں پر خرچ کرتے تھے تو
اس سے بھی حضرت کی کوئی فضیلت ثابت
نہیں ہو سکتی کیونکہ عیال پر اپنے خرچ کرنا
تو ان کا فرض ہی تھا۔ علاوہ بریں مورخین
یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ
کو ایک پیسہ سے بھی نہیں پوچھتے تھے
بلکہ وہ بیچارے ابن جدعان کے اجیر
(نوکر یا مزدور) تھے کہ اس کے دسترخوان
کی مکھیاں جھلا کرتے تھے۔

علامہ شیخ ابو جعفر نے آیہ نجوے کا جو ذکر کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ خدا نے صحابہ کو حکم دیا کہ :-

اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ ذلک خیر لکم واطھر فان لم تجدوا فان اللہ غفور رحیم - ء اشفقتم ان تقدموا بین نجواکم صدقات فاذ لم تفعلوا و تاب اللہ علیکم فاقیموا الصلوۃ الآیۃ

(پارہ ۲۸ - ع ۲)

جب تم کو پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہنی ہو تو کان میں عرض مطلب کرنے سے پہلے کچھ خیرات لاکر آگے رکھ دیا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے - اور دلوں کی صفائی میں اسے بڑا دخل ہے پھر اگر تم نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے - مسلمانو! کیا تم یہ حکم سن کر ڈر گئے کہ رسول کے کان میں بات کہنے سے پہلے کچھ خیرات لاکر آگے رکھ دیا کرو - خیر جب تم نے ایسا نہیں کیا اور خدا نے تمہارے اس گناہ کی توبہ قبول کر لی تو اب نماز قائم کرو الخ

اس آیۃ کے متعلق شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں :- "لوگ بلا ضرورت بھی پیغمبر صاحب کے ساتھ تخلیہ کیا کرتے تھے اور ادب رسالت قائم رکھنے کے لئے ضرور تھا کہ جہاں تک ہو سکے اس کا انسداد کیا جائے - چنانچہ یہ حکم صادر ہوا کہ پیغمبرؐ کے ساتھ تخلیہ کرو تو کچھ صدقہ بھی حاضر خدمت کیا کرو ... صدقہ لے جانا پڑے گا تو آپ ہی کم ہو جاؤ گے ... چنانچہ واقع میں اس تدبیر سے لوگوں نے آنا کم کر دیا" (حمائل مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی ص۸۶۹) - اس حکم پر سوا حضرت علیؑ کے کسی نے عمل نہیں کیا مفسرین نے لکھا ہے -

نھوا عن مناجاۃ النبیؐ حتے یقدموا صدقۃ فلم نیاجہ الا علی بن ابی طالب

صحابہ کو حکم دیا گیا کہ جب تک پہلے کچھ صدقہ نہ رکھ دیا کرو اس وقت تک حضرت رسولِ خداؐ سے کان میں باتیں نہ کیا کرو - اس کے بعد

فانہ قد قدم دینارا فتصدق بہ ثم ناجی النبیؐ فسأله عن عشر خصال (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۱۸۵ و تفسیر کشاف جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ و فتح البیان جلد ۹ صفحہ ۲۵۵ و تفسیر ابن کثیر ج ۹ صفحہ ۱۶ و تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۶۷)

سوا حضرت علی ابن ابی طالب کے کسی نے حضرتؐ سے کان میں باتیں نہیں کیں۔ حضرت علی نے ایک اشرفی نکال دی اس کو صدقہ کر دیا اور حضرت رسول صلعم سے کان میں باتیں کیں اور حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دس عمدہ خصلتوں کو دریافت کر لیا۔

اور علامہ فخر الدین رازی وغیرہ علماء محققین نے لکھا ہے:-

نھوا عن المناجاۃ حتی یتصدقوا فلم یناجہ احد الا علی علیہ السلام تصدق بدینار (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۶۷)

صحابہ کو حکم دیا گیا کہ جب تک کان میں بات کرنے کے قبل صدقہ نہ دے دیں اس وقت تک حضرت رسولخدا صلعم سے کان میں باتیں نہ کریں۔ مگر سوا حضرت علی علیہ السلام کے کسی نے اس پر عمل نہیں کیا آپ نے ایک اشرفی صدقہ دے دی اور باتیں کیں

پھر تحریر فرماتے ہیں:-

قال القاضی والاکثر فی الروایات انہ علیہ السلام تفرد بالتصدق قبل مناجاتہ

قاضی نے کہا ہے روایات اکثر یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اس صفت میں منفرد ہوئے کہ صرف آپ ہی نے باتیں کرنے کے قبل صدقہ دیا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:-

روی ایضا ان افاضل الصحابۃ وجدوا الوقت وما فعلوا ذلک (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۶۷)

یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ صحابہ میں جو لوگ سب سے افضل سمجھے جاتے تھے ان لوگوں نے صدقہ دینے کا وقت پایا مگر کسی نے اس پر عمل نہیں کیا۔

پھر علامہ بلکہ امام ممدوح نے لکھا ہے:۔

ان المنافقین کانوا یمتنعون من بذل الصدقات وان قوماعن المنافقین ترکواالنفاق وآمنوا ظاھرا وباطنا ایمانا حقیقیا۔ فاراد اللہ تعالے ان یمیزھم عن المنافقین فامر بتقدیم الصدقۃ علے النجوے لیتمیز ھؤلاء الذین آمنوا ایمانا حقیقیا عمن بقی علے نفاقہ الاصلی (ص ۱۶۷)

منافقوں کی یہ حالت تھی کہ صدقہ دینے سے انکار کرتے تھے اور منافقین سے ایک جماعۃ نے نفاق کو ترک کرکے ظاہری باطنی ہر طرح ایمان حقیقی قبول کرلیا تھا۔ اس وجہ سے اللہ نے چاہا کہ ان لوگوں کو منافقین سے چھانٹ دے اسی سبب سے ان کو حکم دیا کہ سرگوشی کے قبل صدقہ دے دیا کریں تاکہ وہ لوگ جو حقیقی ایمان رکھتے ہیں (صدقہ دینے کی وجہ سے) ان لوگوں سے الگ ہوجائیں جو اصلی نفاق پر باقی ہیں (کہ وہ صدقہ نہیں دینگے)

اور علامہ خازن نے لکھا ہے:۔

فی ھذہ الآیۃ منقبۃ عظیمۃ لعلی بن ابی طالبؓ اذلم یعمل بھا احد غیرہ (تفسیر خازن ج ۴ ص ۲۴۲)

اس آیۃ میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے لئے عظیم الشان فضیلت ہے کیونکہ اس پر حضرتؑ کے سوا کسی صحابی نے عمل نہیں کیا۔

اور علامہ نسفی نے لکھا ہے:۔

قال علیؓ ھذہ آیۃ من کتاب اللہ ماعمل بھا احد قبلی ولایعمل بھا احد بعدی کان لی دینار فصرفتہ فکنت اذاناجیتہ تصدقت بدرھم

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ قرآن مجید کی یہ ایسی آیۃ ہے جس پر نہ میرے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد کسی نے کیا نہ کرے گا۔ میرے پاس ایک اشرفی تھی میں نے اس کو خردہ کرکے دس درہم کرلئے پس جب رسولخداصلعم

وسألت رسول الله ﷺ
عشر مسائل فاجابني
عنها قلت يا رسول الله
ما الوفاء قال التوحيد
وشهادة ان لا اله
الا الله - قلت وما
الفساد - قال الكفر و
الشرك بالله - قلت
وما الحق قال الاسلام
والقران والولاية اذا
انتهت اليك - قلت
وما الحيلة - قال ترك
الحيلة - قلت وما علي
قال طاعة الله وطاعة
رسوله - قلت وكيف
ادعو الله قال بالصدق
واليقين - قلت وماذا
اسأل الله - قال
العافية - قلت
وما اصنع لنجاة
نفسي قال كل
حلالا وقل صدقا -
قلت وما السرور -
قال الجنة - قلت

سے کان میں کوئی بات کہتا تو ایک درہم صدقہ دے دیتا
اس کے ذریعہ سے میں نے حضرتؐ سے دس مسئلہ پوچھے
اور حضرتؐ نے مجھے سب کا جواب مرحمت فرمایا (میرے
اور حضرتؐ کے درمیان اس طرح باتیں ہوئیں)

میں۔ یا حضرت وفا کیا ہے۔
حضرتؐ۔ توحید اور لا الہ الا اللہ کی شہادت
میں۔ اور فساد کیا ہے۔
حضرتؐ۔ کفر اور اللہ سے شرک کرنا۔
میں۔ حق کیا ہے۔
حضرتؐ۔ اسلام۔ اور قران اور ولایۃ جب تم تک پہونچے
(یعنی جب تم میرے بعد سب مسلمانوں کے مولا
ہو جاؤ)
میں۔ حیلہ کیا ہے۔
حضرتؐ۔ حیلہ کو ترک کرنا۔
میں۔ مجھ پر فرض کیا ہے۔
حضرتؐ۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعۃ کرنی۔
میں۔ خدا سے دعا کیوں کر کروں۔
حضرتؐ۔ سچائی اور یقین سے
میں۔ خدا سے کس چیز کا سوال کروں۔
حضرتؐ۔ عافیۃ کا۔
میں۔ اپنے نفس کی نجات کے لئے کون عمل کروں۔
حضرتؐ۔ بس حلال کھایا اور سچ بولا کرو۔
میں۔ خوشی کیا ہے
حضرتؐ۔ بہشت۔

وما الراحة - قال لقاء الله - (تفسیر مدارک ج ۴ ص ۲۴۲)

میں - آرام کیا ہے -
حضرت - اللہ کے دربار میں پہونچنا -

حضرت ابوبکر کے مال خرچ کرنے کے متعلق علامہ جاحظ نے یہ بھی لکھا ہے :-

فکل ھذہ الفضائل لم یکن لعلی بن ابی طالب فیھا ناقة ولا جمل - وقد قال اللہ تع لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا بعد وقاتلوا فاذا کان اللہ تع قد فضل من انفق قبل الفتح لانہ لا ھجرة بعد الفتح علے من انفق بعد الفتح فما ظنکم بمن انفق من قبل الھجرة ومن لدن مبعث النبیؐ الی الھجرة والے بعد الھجرة - (شرح نہج البلاغة ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۲۷۵)

پس یہ سب حضرت ابوبکر کی وہ فضیلتیں ہیں جن سے حضرت علی کو ایک بڑی یا چھوٹی بھی تو نصیب نہیں ہوئی - اور خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم لوگوں سے جن لوگوں نے فتح مکہ کے پہلے خدا کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ لوگ درجہ اور فضیلت کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا - پس جب خدا نے ان لوگوں کو بھی جنہوں نے فتح مکہ کے پہلے خرچ کیا (کیونکہ فتح مکہ کے بعد تو ہجرت تھی ہی نہیں) ان لوگوں پر فضیلت دے دی جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا تو پھر تم اس بزرگ (حضرت ابوبکر) کی فضیلت کا کیا اندازہ کر سکتے ہو جنہوں نے فتح مکہ کے بھی پہلے بلکہ ہجرت سے قبل اور حضرت رسولخدا صلعم کے پیغمبر ہونے کے وقت سے ہجرت کے زمانہ تک اور ہجرت کے بعد بھی اسلام کی حمایت میں اپنا مال خرچ کیا -

اس تقریر کے متعلق علامہ شیخ ابوجعفر لکھتے ہیں :-

انا لا ننكر فضل الصحابة
وسوابقهم ولسنا كالامامية
الذين يحملهم الهوى
على جحد الامور المعلومة
ولكننا ننكر تفضيل احد
من الصحابة على علي ابن
ابي طالب ولسنا ننكر غير
ذلك وننكر تعصب الجاحظ
للعثمانية وقصده الى
فضائل هذا الرجل و
مناقبه بالرد والابطال
... واما فضل عمر فغير
منكر ... وليس فيما ذكرها
يقتضي كون علي عليه السلام
مفضولا لهم او لغيرهم
الا قوله وكل هذه الفضائل
لم يكن لعلي عليه السلام
فيها ناقة ولا جمل فان
هذا من التعصب البارد
والحيف الفاحش وقد
قدمنا من آثار علي
عليه السلام قبل الهجرة
وماله اذ ذاك من المناقب
والخصائص ما هو افضل

صحابہ کے فضائل و مراتب سے ہم انکار نہیں
کرتے ہیں۔ اور ہم شیعوں کے ایسے نہیں ہیں
جن کا تعصب ان کو معلوم شدہ باتوں سے انکار
کر دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ لیکن یہ ہم ضرور کہتے
ہیں کہ صحابہ سے کوئی شخص بھی حضرت علی ابن
ابی طالب سے افضل نہیں تھا۔ بس اس کے سوا
ہم کسی بات کا انکار نہیں کرتے ہیں۔ ہاں علامہ
جاحظ فرقہ عثمانیہ کی حمایت میں جو تعصب رکھتے ہیں
اور رد و ابطال سے حضرت ابوبکر کے لئے جن
فضائل و مناقب کا قصد کرتے ہیں اس سے ہم کو
ضرور اختلاف ہے ... رہے حضرت عمر کے فضائل
تو ان سے ہم کو بھی انکار نہیں ہے ... مگر جو کچھ
علامہ جاحظ نے لکھا ہے اس میں کوئی بات بھی
ایسی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ حضرت ابوبکر
یا حضرت عمر یا اور کوئی صحابی حضرت علی سے افضل تھے۔
البتہ علامہ جاحظ نے جو لکھا ہے کہ ان فضائل سے حضرت
علی کے لئے ایک بڑی یا چھوٹی فضیلت بھی نہیں تھی
تو یہ ان کا شرمناک تعصب اور فحش ظلم ہے حالانکہ
اس کے قبل ہم حضرت علی علیہ السّلام کے وہ حالات
بیان کر چکے ہیں جو ہجرت سے پہلے کے تھے اور اس
وقت حضرت کو جو فضائل و مناقب و خصوصیات
حاصل تھے ان کو بھی ذکر کر دیا ہے جن سے ثابت
ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ کے جو فضائل علامہ
جاحظ نے لکھے ہیں ان سے کہیں اعظم و اشرف

واعظم واشرف من جميع
ماذكر لهؤلاء ... فاما
قوله تعالى لا يستوى منكم
من انفق فقد ذكرنا ما
عندنا من دعواهم
لابى بكر انفاق المال
وايضا فان الله تعالى لم يذكر
انفاق المال مفردا وانما
قرن به القتال ولم يكن
ابو بكر صاحب قتال
وحرب فلا تشمله الآية
وكان على عليه السلام
صاحب قتال وانفاق
قبل الفتح - اما قتاله فمعلوم
بالضرورة واما انفاقه
فقد كان على حسب
حاله وفقره وهو الذى
اطعم الطعام على حبه
مسكينا ويتيما واسيرا
وانزلت فيه وفى زوجته
وابنيه سورة كاملة من
القرآن وهو الذى ملك
اربعة دراهم فاخرج
منها درهما سرا ودرهما

واعلیٰ حضرت علیؑ کے مراتب و مناقب تھے
اور خدا کے اس قول سے جو علامہ ممدوح نے
استدلال کیا ہے کہ "فتح مکہ کے قبل جن لوگوں
نے خرچ اور جہاد کیا ان کے برابر بعد والے
نہیں ہو سکتے" تو حضرت ابوبکر کے مال خرچ کرنے
کی حقیقت ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں۔ اس کے
علاوہ یہ ہے کہ خدا نے اس آیۃ میں (جو پ۲۷ ع ۱۷
میں ہے) صرف مال خرچ کرنے کا ذکر نہیں کیا
ہے بلکہ اس کے ساتھ جہاد کو بھی بیان کیا
ہے اور معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر نہ صاحب جہاد
تھے نہ صاحب جنگ لہذا وہ اس آیۃ کے
مصداق کسی طرح ہو ہی نہیں سکتے۔ البتہ فتح
مکہ کے پہلے حضرت علی علیہ السلام نے مال بھی
خرچ کیا اور جہاد بھی کیا (اس سبب سے وہی
اس کے حقیقی مصداق ہیں) حضرت کا جہاد تو سب
کو معلوم ہے (کہ بدر۔ احد۔ خندق۔ خیبر میں
کیا کارہائے نمایاں کئے ہیں) رہا مال خرچ
کرنا تو حضرتؑ نے باوجود اپنی تنگ حالی۔
پریشانی اور ناداری کے بہت کچھ راہ خدا میں دے
ڈالا ہے۔ حضرتؑ ہی تو وہ ہیں جنہوں نے
خدا کی محبت میں مسکین۔ یتیم اور اسیر کو کھانا کھلایا
اور خدا نے آپ کے۔ آپ کی زوجہ کے اور آپ کے
فرزندوں کے بارے میں قران کا ایک پورا سورہ
(دہر) ہی نازل کر دیا!!! اور حضرت ہی وہ ہیں کہ

علانیۃ لیلا ثم اخرج منھا فی النھار درھما سرا و درھما علانیۃ فانزل فیہ قولہ تعالے الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا و علانیۃ۔ وھوالذی قدم بین یدی نجواہ صدقۃ دون المسلمین کافۃ۔ وھوالذی تصدق بخاتمہ وھو راکع فانزل اللہ فیہ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون (شرح نھج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۷۵)

آپ کے پاس صرف چار درہم تھے تو اس سے ایک درہم چھپا کر اور ایک درہم علانیہ رات کو راہ خدا میں نکال دیا پھر ایک درہم چھپا کر اور ایک درہم علانیہ دن کو خیرات دے دیا۔ اس پر خدا نے حضرت ؑ کی شان میں یہ آیۃ نازل کی کہ جو لوگ اپنے مالوں کو رات میں۔ دن میں چھپا کر اور علانیہ خرچ کرتے ہیں ان کے لئے اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے اور وہ (قیامتہ میں) نہ ڈریں گے نہ غمگین ہونگے (پ ۳ ع ۱۶) اور مسلمانوں میں صرف حضرت ؑ ہی وہ ہیں کہ حضرت رسوؐل سے سرگوشی کرنے کے لئے پہلے صدقہ نکال دیا۔ اور حضرت ؑ ہی وہ ہیں کہ حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی خیرات کردی جس پر اللہ نے یہ آیۃ نازل کی کہ تمہارے سرپرست اور حاکم اللہ۔ اس کے رسول اور وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں۔

حضرت ابو بکر کی مالداری یا اسلام میں مال خرچ کرنے کے متعلق اور بھی معتبر کتابوں میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جن سے علامہ شیخ ابو جعفر ہی کی تحقیق درست ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً علامہ سمہودی نے لکھا ہے۔

من حدیث ابی ھریرۃ ایضا انہ کان یقول واللہ الذی لا الہ الا ھو ان کنت لاعتمد

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے تھے کہ خدا کی قسم میری یہ حالت تھی کہ بھوک سے اپنا جگر زمین پر رکھا کرتا اور گرسنگی میں پتھر اپنے پیٹ سے باندھا کرتا۔ اس حالت میں ایک روز

بکبدی علی الارض
من الجوع وان کنت
لاشد الحجر علی بطنی
من الجوع ولقد قعدت
یوما فی طریقهم الذی
یخرجون منه فمر ابو بکر
فسألته عن آیة من کتاب
اللہ - ما سألته الا لیستتبعنی
فمر ولم یفعل ثم مر بی
ابو القاسم فتبسم حین
رآنی وعرف ما فی
نفسی وما فی وجهی الی
آخرہ (وفاء الوفاء ج ا ص ۳۲)

میں ان صحابہ کی اس راہ میں بیٹھا
تھا جس سے یہ لوگ نکلتے تھے اتنے
میں ادھر سے حضرت ابوبکر گذرے
تو میں نے ان سے قران کی ایک آیۃ
پوچھی مگر میری غرض اس سے صرف یہ
تھی کہ وہ مجھے اپنے گھر لے چلیں
(اور کچھ کھلائیں) لیکن وہ خود
چلے گئے اور مجھکو ساتھ نہیں لیا
پھر حضرت رسولخدا صلعم ادھر
سے گزرے۔ حضرت مجھے
دیکھکر اور میری حالت سمجھکر
مسکرا دیئے۔ مجھے اپنے ساتھ
لے گئے اور مجھ کو سیر کر دیا۔

کس قدر حیرت خیز ہے کہ ابوہریرہ صرف چند لقمے کی خواہش حضرت ابوبکر
سے کریں اور وہ اس درجہ بے رخی سے پیش آئیں۔

غلام آزاد کرنے کی تحقیق

حضرت عائشہ کا قول اوپر نقل کیا گیا کہ جناب ممدوح
نے سات غلام آزاد کئے اور علامہ شیخ ابوجعفر نے
لکھا ہے کہ چھ غلام آزاد کئے ہوں گے جن سب کی مجموعی قیمت ۱۰۰ درہم ہوگی
یعنی تقریباً عـــہ اس طرح ایک غلام کی قیمت للعہ کے قریب ہوتی ہے
مگر امام احمد بن حنبل کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے
آپ سے غلام آزاد کرنے کی فرمائش کی تو آپ نے حضرت کا حکم نہیں مانا
اور عذر کر دیا۔ ممدوح لکھتے ہیں:۔

عن سعد مولی ابی بکر
وکان یخدم النبی ص وکان النبی ص

حضرت ابوبکر کے غلام سعد حضرت رسولخدا
صلعم کی خدمت بھی کر دیتے تھے اور حضرت ص

یعجبہ خدمتہ فقال یا ابا بکر اعتق سعدا فقال یا رسول اللہ ما لنا ماھن غیرہ قال فقال رسول اللہ اعتق سعدا اتتک الرجال قال ابو داؤد یعنی السبی (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۹۹)	کو انکی خدمت پسند تھی اس سبب سے حضرت ابو بکر سے فرمایا کہ اے ابو بکر تم سعد کو آزاد کر دو۔ حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ ہم لوگوں کے پاس اس غلام کے سوا دوسرا کوئی غلام نہیں ہے حضرت نے فرمایا (نہیں تم) سعد کو ضرور آزاد کر دو۔ کیونکہ تمہارے پاس کئی آدمی ہوگئے ہیں ابو داؤد نے کہا کہ کئی آدمی سے حضرت کی مراد یہ تھی کہ کئی غلام تمہارے پاس ہوگئے ہیں۔

اس روایۃ سے نہایت تعجب ہوتا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم خود فرمائش کرتے ہیں کہ سعد کو آزاد کر دو مگر حضرت ابو بکر عذر کرتے ہیں کہ میرے پاس اس کے سوا دوسرا غلام نہیں ہے کیوں کر آزاد کروں۔ حضرت اس پر بھی اپنی فرمائش نہیں چھوڑتے اور دوبارہ فرماتے ہیں کہ ان کو ضرور آزاد کر دو تمہارے پاس تو اور غلام آگئے ہیں لیکن اب بھی حضرت ابو بکر نے سعد کو آزاد نہیں کیا۔ حالانکہ ان کی قیمت چار پانچ روپیہ سے زیادہ نہیں تھی۔

اپنی بیٹی کو ایک غلام دے دیا حالانکہ آپنے اپنی بیٹی اسماء کی کچھ تکلیف سنی تو فوراً ان کے پاس ایک غلام بھیج دیا۔ امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں:۔

عن اسماء بنت ابی بکر قالت تزوجنی الزبیر وما لہ فی الارض من مال ولا مملوک ولا شئ غیر فرسہ قالت فکنت اعلف فرسہ واکفیہ مؤنتہ واسوسہ وادق النوی لناضحہ واعلف	حضرت ابو بکر کی بیٹی اسماء کہتی تھیں کہ زبیر نے جب مجھ سے شادی کی تو ان کے پاس کچھ مال تھا نہ کوئی غلام اور نہ دنیا کی کوئی اور چیز سوا ان کے گھوڑے کے۔ میں ہی ان کے گھوڑے کے لئے گھاس چارا وغیرہ لاتی۔ میں ہی اس کی سائیسی کی خدمت کرتی اور میں ہی ان کے پانی والے اونٹ کے لئے گٹھلیاں

واستقی الماء واخرز غربہ
واعجن ولم اکن احسن
الخبز فکان یخبز لی جارات
من الانصار وکن نسوۃ
صدق وکنت انقل النوی
من ارض الزبیر التی
اقطعہ رسول اللہ ؐ علی
راسی وھی منی علی ثلثی
فرسخ قالت فجئت یوما
والنوی علی راسی
فلقیت رسول اللہ ؐ ومعہ
نفر من اصحابہ فدعانی
ثم قال اخ اخ لیحملنی
خلفہ۔ قالت فاستحییت
ان اسیر مع الرجال
وذکرت الزبیر وغیرتہ
قالت وکان اغیر الناس
فعرف رسول اللہ ؐ انی
قد استحییت فمضی جئت
الزبیر فقلت لقینی رسول اللہ ؐ
وعلی راسی النوی
ومعہ نفر من اصحابہ
فاناخ لارکب معہ۔
فاستحییت وعرفت غیرتک

توڑتی اس کو چارا گھاس دیتی اس کے
لئے پانی کھینچتی اور میں ہی اس کا ڈول
سیا کرتی۔ اور میں ہی آٹا گوندھتی مگر
مجھے روٹی پکانے نہیں آتی تھی تو انصار کی
عورتیں جو میری پڑوسن تھیں میری روٹیاں
پکا دیتی تھیں وہ بڑی نیک اور مہربان
تھیں۔ اور میرا معمول تھا کہ حضرت رسولخدا
صلعم نے زبیر کو جو زمین دی تھی اور جو میرے
مکان سے دو ثلث فرسخ (گویا دو میل سے
زیادہ) پر تھی وہاں سے جمع کر کے گٹھلیاں
اپنے سر پر لایا کرتی تھی۔ ایک روز میں
اسیطرح اپنے سر پر گٹھلیاں لاد کر
چلی آتی تھی تو راہ میں رسولخدا صلعم
اپنے کچھ اصحاب کے ساتھ مل گئے۔ حضرت
نے مجھے پکارا اور اپنا اونٹ بٹھا کر
چاہا کہ مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیں مگر
مجھے مردوں کے ساتھ چلنے میں شرم
آئی اور زبیر کی غیرت کا بھی خیال ہوا
کیونکہ وہ بڑے غیرت مند تھے۔
رسولخدا صلعم بھی میری شرم سمجھ کر
آگے روانہ ہوگئے۔ پھر میں زبیر
کے پاس آئی اور ان سے بیان
کیا کہ میں سر پر گٹھلیاں لاد کر چلی
آتی تھی تو راہ میں رسولخدا صلعم مل گئے

فقال واللہ لحملت النوی اشلہ علے من رکوبک معہ قالت حتے ارسل الی ابوبکر بعد ذلک بخادم نکفتنی سیاسۃ الفرس نکانما اعتقنی (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۳۴۷)

اور اپنی سواری روک کر اپنے پیچھے بٹھا لینا چاہا مگر مجھے شرم آئی اور تمہاری غیرت کا بھی خیال ہوا۔ انھوں نے کہا خدا کی قسم تمہارا گٹھلیاں ڈھونا میرے لئے زیادہ غیرت کا باعث ہے۔ یہی حالت رہی یہاں تک کہ حضرت ابوبکر نے ایک غلام میرے پاس بھجدیا جس نے مجھے گھوڑے کی خدمت سے بچادیا گویا مجھے لونڈی پن سے آزاد کردیا۔

رسولخدا کے ہاں حضرت ابوبکر کا کھانا

حضرت صلعم ہاں حضرت ابوبکر کا کھانا مذکورہ بالا تحقیقات سے یہ امر تو ثابت نہیں ہو سکا کہ حضرت ابوبکر نے کس کس موقع پر حضرت رسولخدا صلعم کی مدد اپنے مال سے کی۔ البتہ حدیث و تاریخ کی معتبر شہادتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود حضرت رسولخدا صلعم کے گھر حضرت ابوبکر اکثر کھایا کرتے تھے۔ مثلاً امام احمد بن حنبل نے لکھا ہے:۔

ان ابابکر تعشیٰ عند رسول اللہ صلعم (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۹۸)

حضرت ابوبکر نے حضرت رسولخدا صلعم کے ہاں رات کا کھانا کھایا۔

اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے:۔

بینا ابوبکر یتغدے مع رسول اللہ صلعم ... کان ابوبکر الصدیق یاکل مع رسول اللہ صلعم (منتخب کنز العمال ج ۲ ص ۳۵)

جب حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ حضرت ابوبکر دن کا کھانا کھاتے تھے .... حضرت ابوبکر صدیق حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ کھاتے تھے۔

بعض اوقات ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم فاقہ سے ہیں مگر حضرت ابوبکر نے کبھی حضرتؐ کی فاقہ شکنی کا انتظام نہیں کیا لیکن حضرت ابوبکر پر ایسا وقت پڑتا تھا اور حضرت رسولخدا صلعم کا ہاتھ خالی ہوتا تھا تو اس مصیبت میں بھی حضرت ہی ان لوگوں کے کام آتے تھے جس کی تصدیق مندرجہ

ذیل نہایت ہی عبرت خیز واقعہ سے ہوتی ہے۔ علامہ علی متقی نے لکھا ہے:-

حدثنی ابوبکر قال فاتنی
العشاء ذات لیلۃ فاتیت
اھلی فقلت ھل عندکم
عشاء قالوا لا واللہ ما
عندنا عشاء فاضطجعت
علی فراشی فلم یأتنی النوم
من الجوع فقلت لو خرجت
الی المسجد فصلیت
وتعللت حتی اصبح۔
فخرجت الی المسجد
فصلیت ما شاء اللہ
ثم تساندت الی ناحیۃ
المسجد فبینا انا کذلک
اذ طلع عمر بن الخطاب
فقال من ھذا۔ قلت
ابوبکر قال ما اخرجک
ھذہ الساعۃ فقصصت
علیہ القصۃ فقال
واللہ ما اخرجنی الا الذی
اخرجک فجلس الی جنبی
فبینا نحن کذلک اذ خرج
علینا رسول اللہ ﷺ فانکرنا
فقال من ھذا۔

حضرت ابوبکر بیان کرتے تھے کہ ایک رات
مجھے کھانے کو کچھ نہیں ملا تو میں اپنے
گھر آیا اور اپنے اہل و عیال سے پوچھا
کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ ان
لوگوں نے بھی کہا کہ خدا کی قسم کچھ بھی نہیں
ہے۔ یہ سن کر میں اپنے فرش پر پڑ رہا
مگر بھوک سے نیند کہاں آتی تھی۔ تب
اپنے دل میں کہا کہ مسجد چلوں وہیں نماز
پڑھوں اور صبح تک اسی سے دل بہلاؤں
یہ سوچ کر مسجد کی طرف نکلا اور جس قدر
ہو سکا نمازیں پڑھیں۔ پھر مسجد کے ایک
کونے سے لگ کر بیٹھ رہا۔ ابھی میں اسی
حال میں پڑا تھا کہ دفعۃً عمر بن الخطاب بھی
وہیں پہونچ گئے۔ انھوں نے پوچھا کون
ہے۔ میں نے کہا ابوبکر۔ پوچھا آپ اس
وقت یہاں کیوں ہیں۔ میں نے ان سے
اپنا پورا حال بیان کر دیا۔ وہ بولے خدا
کی قسم میں بھی اسی مصیبت میں گھر سے
نکلا ہوں۔ پھر وہ میری بغل میں بیٹھ گئے۔
ابھی ہم لوگ اسی طرح بیٹھے تھے کہ وہاں
حضرت رسوخدا صلعم بھی پہونچے۔ حضرت نے
ہم لوگوں کو نہیں پہچانا تو فرمایا کون ہے؟
اس پر مجھ سے پہلے عمر بول دیئے اور کہا یہ ابوبکر

فبادرني عمر فقال
هذا ابو بكر وعمر فقال
ما اخرجكما هذه الساعة
فقال عمر خرجت فدخلت
المسجد فرأيت سواد ابي
بكر - فقلت من هذا
فقال ابو بكر فقال ما
اخرجك هذه الساعة
فذكر الذي كان فقلت
وانا والله ما اخرجني
الا الذي اخرجك فقال
النبيؐ وانا والله ما اخرجني
الا الذي اخرجكما فانطلقوا
بنا الى الواقفي ابي الهيثم
بن اليتهان فلعلنا نجد
عنده شيئا يطعمنا فخرجنا
نمشي فانطلقنا الى الحائط
في القمر فقرعنا الباب فقالت
المرأة من هذا - فقال
عمر هذا رسول الله وابو بكر
وعمر ففتحت لنا فدخلنا
فقال رسول اللهؐ اين زوجك
قالت ذهب يستعذب لنا
من الماء من حش بني حارثة

اور (میں) عمر ہوں۔ حضرت نے پوچھا تم دونوں کو
اس وقت کس بات نے گھر سے باہر کیا ہے۔
عمر نے کہا میں گھر سے نکلا تو مسجد میں داخل ہوا
یہاں ابو بکر کی سیاہی دکھائی دی تو پوچھا
یہ کون ہے۔ انھوں نے کہا ابو بکر۔ کہا
تم کو اس وقت کس چیز نے نکالا ہے۔ تو
انھوں نے جو بات تھی کہہ دی۔ تب میں نے
کہا خدا کی قسم مجھے بھی اسی امر نے گھر سے
نکلنے پر مجبور کیا۔ اس پر حضرت رسولخدا
صلعم نے فرمایا خدا کی قسم میں بھی اسی سبب سے
نکلا ہوں۔ اب تم لوگ میرے ساتھ واقفی
ابو الہیثم بن التیہان کے پاس چلو شاید
وہاں کوئی چیز مل جائے جو وہ ہم لوگوں کو
کھلا دے۔ غرض ہم لوگ مسجد سے
اس کے باغ کی طرف چاندنی شب میں چلے
وہاں پہونچ کر دروازہ کو کھٹکھٹایا۔ اسکی
عورت بولی کون! عمر نے کہا یہ رسول اللہؐ
اور ابو بکر و عمر آئے ہیں یہ سن کر
اس نے دروازہ کھول دیا اور ہم لوگ گھر میں گئے
وہاں پہونچ کر حضرت رسولخدا صلعم نے پوچھا
تمہارا شوہر کہاں ہے۔ اس نے کہا وہ میٹھا پانی
لانے کو بنی حارثہ کے باغ کی طرف گئے
ہیں ابھی آیا چاہتے ہیں۔ اتنے میں وہ مشک
لئے آپہونچا اور اس کو کھجور کی ایک شاخ میں

الا ان یاتیکم فجاء بحمل
قربة حتى اتى بها
نخلة وعلقها على
كرنافة من كرانيفها
ثم اقبل علينا فقال
مرحبا واهلا ما زارنا
احد اقط مثل من
زارنى ثم قطع لنا
عذقا فاتانا به فجعلنا
ننقى منه فى القمر و
ناكل ثم اخذ الشفرة
فجال فى الغنم فقال
له رسول الله ﷺ اياك
والحلوب فاخذ شاة
وذبحها وسلخها وقال
لامرأته قومى فطبخت
وخبزت وجعلت
تقطع فى القدر من اللحم
وتوقد تحتها حتى بلغ
الخبز واللحم فثرد
وغرف عليه من المرق
واللحم ثم اتانا به
فوضعه بين ايدينا
فاكلنا فشبعنا (كنز العمال ج ۴ ص)

لٹکا دیا۔ پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر
کہنے لگا میں کیسا خوش نصیب ہوں
کہ آپ حضرات نے میرے ہاں زحمت
کی۔ کسی کے ہاں ایسے معزز مہمان کاہیکو
جاتے ہوں گے۔ پھر کھجور کی ایک
ڈال توڑ کر اس نے ہم لوگوں کو دی۔ ہم
لوگ اس کو صاف کر کے کھانے
لگے پھر وہ چھرا لے کر بکریوں کی
طرف بڑھا۔ حضرت نے فرمایا بھائی
دیکھو وہ بکری نہ ذبح کرنا جو ابھی دودھ
دیتی ہو۔ تب اس نے ایک بکری پکڑ لی۔
اس کو ذبح کر کے بنایا اور اپنی عورت
سے کہا لو اب اس کو پکا ڈالو۔
اس نے اٹھ کر اس کو بھونا اور
روٹیاں پکائیں پھر ہانڈی میں گوشت کے
ٹکڑے ڈالنے لگی اور اس کے
نیچے آگ روشن کر دی یہاں تک کہ
گوشت اور روٹی پک گئی۔ پھر روٹی
کے ٹکڑے کر کے اس کے اوپر شوربا اور
گوشت ڈال کر ثرید طیار کر دی۔ اور
اسکو ہم لوگوں کے پاس رکھ دیا۔ ہم لوگوں
نے اس سے اس قدر کھایا کہ خوب سیر ہو گئے۔

اس روایۃ کے ابتدائی حصہ میں حضرت ابوبکر فرماتے ہیں" ایک رات مجھے کھانے کو نہیں ملا تو میں اپنے گھر آیا اور اپنے اہل وعیال سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ ان لوگوں نے بھی کہا کہ خدا کی قسم کچھ نہیں ہے"۔ اس جملہ سے بظاہر تعجب ہوتا ہے کہ پہلے حضرت کو کس جگہ کھانے کو نہیں ملا۔ جس کے بعد گھر آکر دریافت کیا۔ کیونکہ پہلا بیان کھانا نہ ملنے کا بھی تو گھر ہی کا ہو گا۔ پھر اس کے بعد گھر پر آنے اور گھر والوں سے دریافت کرنے کا کیا مطلب؟ تو اصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اپنے غلام کی مزدوری سے کھایا کرتے تھے۔ وہ بیچارہ جو کچھ حاصل کر کے لاتا آپ اس سے لے کر نوش فرمایا کرتے جس کی تفصیل پہلے (اس کتاب کے پہلے حصہ کی نویں فصل میں) گذر چکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس رات کو غلام سے کچھ نہیں ملا تو آپ گھر میں تشریف لائے کہ شاید یہیں کچھ مل جائے۔ مگر وہاں بھی کچھ نہیں ملا

مسلمانوں کی دوسری جماعۃ کہتی ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت رسولخدا صلعم اور اسلام کی ذات میں کچھ خرچ نہیں کیا یہ بھی کہتی ہے کہ حضرت ابوبکر خود ہی حضرت رسولخدا صلعم سے مالی نفع حاصل کرتے تھے جس کی دلیل وہ یہ پیش کرتی ہے کہ جناب شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اور تمام علمار سیر و تاریخ وحدیث نے ہجرت کے وقت کا یہ طرز عمل لکھا ہے:-

ابوبکر را دو شتر بود کہ بچہار صد درم و در روایتے ہشت صد خریدہ و مدت چہار ماہ آں را علف دادہ فربہ ساختہ نگاہ داشتہ بود۔ ہر دو را پیش آورد تا یکے برا آنحضرت قبول فرماید فرمود قبول کردم ولیکن بشرط ابتیاع پس بہ نہصد درم آں ناقہ را از ابوبکر صدیق بخرید (مدارج النبوۃ

حضرت ابوبکر کے پاس دو اونٹ تھے جن کو آپ نے چار سو درہم میں خریدے تھے اور ایک روایۃ میں ہے کہ آٹھ سو درہم میں خریدے تھے۔ اور چار مہینہ تک دونوں کو چارہ گھاس کھلا کر موٹا کیا۔ انکو اپنے پاس رکھے تھے۔ ان دونوں کو حضرت کی خدمت میں پیش کیا کہ ایک کو حضرت قبول فرمالیں۔ حضرتؐ نے فرمایا قبول تو کیا لیکن

اس شرط سے کہ قیمت بر دو پس حضرت رسولخدا صلعم نے نوسو درہم کو ایک اونٹ حضرت ابوبکر سے خریدا۔	جلد۲ ص۱۰۴ و تاریخ کامل جلد۲ ص۳۹ تاریخ طبری جلد۲ ص۲۴۹ و کنز العمال کتاب الہجرۃ جلد۸ ص۳۳۹ و صحیح بخاری جلد۲ ص۳۶۵ و ۲۶ و ۴۶ و جلد۳ ص۱۰۴

مگر علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ آٹھ سو درہم کو خریدا (شرح صحیح بخاری پ۱۵ ص۱۷۴ باب ہجرۃ النبیؐ)۔ اس طرح حضرت رسولخدا صلعم کے ہاں حضرت ابوبکر نے ایک قول کے مطابق ۴ سو درہم کا اونٹ آٹھ سو کو دوسرے قول کے مطابق نوسو درہم کو۔ تیسرے قول کے مطابق ۲ سو درہم کا اونٹ آٹھ سو درہم کو اور چوتھے قول کے مطابق ۲ سو درہم کا اونٹ ۹ سو درہم کو بیچا۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرے صحابی کا طرز عمل بھی قابل ملاحظہ ہے۔ علامہ علی متقی نے لکھا ہے:۔

عروہ بارقی سے روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ان کو ایک دینار دیا کہ اس سے حضرت کے لئے ایک بکری خرید لائیں۔ وہ گئے اور اس سے دو بکریاں خریدلیں۔ پھر ان دو سے ایک کو ایک دینار میں بیچ ڈالا۔ اور دوسری بکری اور وہ دینار لاکر حضرتؐ کی خدمت میں پیش کردیا۔ یہ دیکھ کر حضرتؐ نے انکو برکت کی دعا دی۔	عن عروۃ البارقی ان رسول اللہؐ اعطاہ دینارا یشتری لہ بہ شاۃ فاشتری لہ شاتین فباع احداھما بدینار واتے النبیؐ بالدینار والشاۃ فدعا لہ النبیؐ بالبرکۃ۔ (کنز العمال ج ۷ ص۶۳)

ساتویں فصل

حضرت ابوبکر کے دل میں حضرت رسولخدا صلعم اور اسلام کی عزت و محبت

یہ فصل دو حصوں پر مشتمل ہے۔

(الف) آنحضرت صلعم کی عزت و محبت اس کی تحقیق اس سے ہوگی کہ دیکھا جائے حضرت رسولخدا صلعم پر کون کون سخت وقت پڑے اور حضرت

ابوبکر نے ان اوقات میں کیا محبت ظاہر کی - ایک وقت کی حالت مورخین نے اس طرح لکھی ہے :-

فبینما ھم کذلک اذ طلع رسول اللہ فوثبوا الیہ وثبۃ رجل واحد یقولون لہ انت الذی تقول کذا وکذا فیقول انا الذی اقول ذلک فاخذ عقبۃ ابن ابی معیط بردائہ وقام ابوبکر الصدیق دونہ یقول وھو یبکی ویلکم اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ ثم انصرفوا عنہ ھذا اشد ما بلغت عنہ۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صـ۲۹ و تاریخ طبری جلد ۲ صـ۲۲۳)

کفار اسیطرح جمع تھے کہ اتنے میں وہاں حضرت رسولخدا تشریف لائے تو سب کے سب ایک مرتبہ حضرت پر ٹوٹ پڑے اور کہتے تھے کیوں جی تم ہی وہ ہو جو ایسا ایسا کہتے ہو - حضرت نے فرمایا ہاں میں ہی یہ باتیں کہتا ہوں - اس پر عقبہ بن ابی معیط نے حضرت کی ردار پکڑ لی اور ابوبکر صدیق حضرت کے پاس ہی الگ کھڑے ہوئے روتے اور کہتے تھے کیا تم لوگ ایسے شخص کو قتل کر ڈالوگے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے - پھر سب کفار حضرت کے پاس سے چلے گئے یہ حضرت پر سخت ترین ظلم تھا جو میں نے سُنا -

یہ واقعہ تاریخ - حدیث وسیرۃ کی تقریباً کل کتابوں میں پوری تفصیل سے موجود ہے - صحیح بخاری میں بھی یہ واقعہ متعدد جگہ مرقوم ہے - ایک جگہ کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے :-

وقام ابوبکر دونہ وھو یبکی فقال اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ ثم انصرفوا عنہ (صحیح بخاری مع شرح فتح الباری پ۱۵ صـ۴۳۷ مطبوعہ دھلی)

حضرت ابوبکر اسی جگہ حضرت رسول سے الگ کھڑے ہوکر روتے تھے اور کہتے تھے کیا تم لوگ ایسے شخص کو قتل کر ڈالوگے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے - اسکے بعد کفار حضرت کو چھوڑ کر چلے گئے -

دوسرے موقع کی حالت اس طرح لکھی ہے:-

عن انس قال لقد ضربوا رسول اللہ صلعم حتی غشی علیہ فقام ابوبکر فجعل ینادی ویقول ویلکم اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ - قالوا من ھذا قالوا ھذا ابن ابی قحافۃ المجنون -
(ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صلا و منتخب کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۵۰)

انس بیان کرتے تھے کہ کفار نے آنحضرتؐ صلعم سے اتنی بے ادبی کی کہ حضرتؐ بیہوش ہو گئے اس پر حضرت ابوبکر کھڑے ہو کر پکارنے لگے وائے ہو تم پر کیا تم اس شخص کو قتل کر ڈالو گے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کون ہے تو جواب دیا گیا کہ یہ ابو قحافہ کا پاگل بیٹا ہے۔

اور علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے:-

دخل رسول اللہ صلعم المسجد فقاموا الیہ وکانوا اذا سألوہ عن شیٔ صدقھم فقالوا الست تقول فی الھتنا کذا وکذا قال بلی - قال فتشبثوا بہ باجمعھم فاتی الصریخ الی ابی بکر فقیل لہ ادرک صاحبک فخرج ابوبکر حتی دخل المسجد فوجد رسول اللہ صلعم والناس مجتمعون علیہ فقال ویلکم اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ -
(استیعاب جلد ۱ صفحہ ۳۴۲)

حضرت رسول خدا صلعم مسجد میں داخل ہوئے تو کفار حضرتؐ کی طرف کھڑے ہو کر پوچھنے لگے کہ تم ہی ہمارے معبودوں کو ایسا کہتے ہو۔ حضرتؐ سے وہ جو پوچھتے آپ سچ کہہ دیتے۔ فرمایا ہاں میں ہی ہوں اس پر وہ سب ٹوٹ پڑے۔ تب کسی نے پکارا کہ اے ابو بکر اپنے صاحب کی خبر لو۔ ابوبکر گئے تو دیکھا کہ لوگ حضرت رسول خدا صلعم کو گھیرے ہیں۔ آپ نے ان لوگوں سے کہا وائے ہو تم پر کیا تم اس شخص کو قتل کر ڈالو گے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

ظاہر ہے کہ صرف زبان سے کہنا حضرتؐ کو کوئی نفع نہیں دے سکتا تھا جب تک حضرتؐ کو بچایا نہ جاتا۔ دوسرا سخت وقت شعب ابی طالب میں حضرت

رسولخدا صلعم کے محبوس ہونے کا تھا۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں پناہ گزیں ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے۔ حدیثوں میں جو صحابہ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے تھے یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے"۔ (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۲۹) اس زمانہ میں بھی حضرت ابوبکر نے نہ حضرتؐ کا ساتھ دیا نہ حضرتؐ کی کسی طرح مدد کی۔ کسی کتاب سے نہیں معلوم ہو سکا کہ ممدوح نے آنحضرت صلعم کے ساتھ جانے تک کی زحمت گوارا کی ہو حالانکہ خاندان بنی ہاشم کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ اس شعب میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھے۔ تیسرا موقع طائف کا سفر تھا۔ جب حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا اس وقت کفار قریش کا ظلم اور بڑھ گیا۔ علامہ طبری و ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے:۔

اس وقت حضرتؐ کی مصیبت بہت سخت ہو گئی جب ابو طالب کی وفاۃ پر آپ کی اذیتیں شدید ہو گئیں تو آپ قبیلہ ثقیف کیطرف تشریف لے گئے اور حضرتؐ کے ساتھ زید بن حارثہ بھی تھے۔	عظمت المصیبۃ علی رسول اللہؐ جلا کہما... فلما اشتد علیہ الامر بعد موت ابی طالب خرج ومعہ زید بن حارثہ الی ثقیف (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۳۴ و طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ وغیرہ)

تاریخ یا سیرۃ یا حدیث کی کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ابوبکر اس وقت آنحضرتؐ کے ساتھ گئے ہوں یا اس مصیبت کے وقت کسی قسم کی مدد یا ہمدردی آپ سے ظاہر ہوئی ہو۔ چوتھا موقع وہ تھا جب کفار کی سختیوں سے عاجز آ کر صحابہ ہجرت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اُس وقت حضرتؐ سے محبت کرنے کا اور ساتھ دینے کی سخت ضرورت تھی مگر حضرت ابوبکر نے اپنے نفس کی حفاظت کو مقدم رکھا۔ امام بخاری وغیرہ کل محدثین و مورخین نے لکھا ہے

جب مسلمان مصیبتوں میں مبتلا ہوئے تو حضرت ابوبکر	فلما ابتلے المسلمون خرج

ابو بکر مہاجرا نحو ارض الحبشۃ حتے اذا بلغ برک الغماد لقیہ ابن الدغنۃ وھو سید القارہ فقال این ترید یا ابا بکر فقال ابو بکر اخرجنی قومی ارید ان اسیح الارض۔
(صحیح بخاری پ ۱۵ صہ ۴۶۹ وغیرہ)

بھی ہجرت کرکے ملک حبش کی طرف چلے۔ یہاں تک کہ برک غماد پر پہونچ گئے وہاں ان سے قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے پوچھا ابو بکر! کہاں جاتے ہو۔ حضرت ابو بکر نے کہا میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے۔ اسی وجہ سے اب ارادہ کرتا ہوں کہ زمین میں گھومتا رہوں۔

پانچواں موقع اظہار محبت کا حضرت رسولخدا صلعم کا مرض موت ہے کہ حضرت اس درجہ ضعیف ہو گئے تھے کہ خود سے مسجد میں نہیں جا سکتے تھے اور حضرت کو بھی اپنی زندگی سے مایوسی ہو گئی تھی اسی وجہ سے مشہور حدیث انی تارک فیکم الثقلین اور حدیث قرطاس فرما کر اپنے بعد کے لئے ہدایت امت کا انتظام فرما رہے تھے۔ اس وقت کے متعلق محدثین و مورخین نے لکھا ہے کہ:۔

قال لہ ابوبکر یا نبی اللہ انی اراک قد اصبحت بنعمۃ اللہ وفضلہ کما نحب والیوم یوم ابنۃ خارجۃ فاتیھا ثم دخل رسول اللہ وخرج ابو بکر الی اھلہ بالسنح۔
(تاریخ طبری جلد ۳ صہ ۱۹۷)

حضرت رسولخدا صلعم سے حضرت ابو بکر نے کہا کہ اے رسولخدا آج آپ پر خدا کی نعمت اور فضل ویسا ہی دیکھتا ہوں جیسی مجھے آرزو ہے۔ آج (میری ایک زوجہ) دختر خارجہ کی باری ہے تو میں وہاں جا رہا ہوں۔ غرض حضرت رسولخدا صلعم گھر میں داخل ہوئے اور حضرت ابو بکر مقام سنخ کو چلے گئے۔

حضرت ابو بکر کے جانے پر تھوڑی ہی دیر کے بعد آنحضرت صلعم نے

انتقال فرمایا۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں:۔

ان رسول اللہ ؐ مات و ابوبکر بالسنح (صحیح بخاری پ ۱۴ صـ ۳۶۳)	جب حضرت رسولخدا صلعم نے انتقال کیا تو حضرت ابوبکر مقام سنخ میں تھے۔

تین دن کے بعد وہاں سے تشریف لائے (طبری جلد ۳ صـ ۱۹۸)۔ ان سب کی تفصیل بعد کو ذکر کی جائیگی۔

عزیز اور محبوب کے مرنے پر رونا بھی محبت کی دلیل ہے۔ جب حضرت حمزہ شہید ہوئے تو آنحضرت صلعم خود بھی روئے اور یہ بھی فرمایا:۔

اما عمی حمزۃ فلا بواکی لہ (تاریخ طبری جلد ۳ صـ ۲۷)	لیکن میرے چچا حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں ہے۔

پھر چچا زاد بھائی جناب جعفر بن ابی طالب شہید ہوئے تو اُس وقت بھی حضرت روئے (تاریخ کامل جلد ۲ صـ ۹۰)

اور حضرت رسولخدا صلعم کے انتقال پر حضرت ابوبکر کی یہ حالت لکھی ہوئی ہے

لما قبض النبی ؐ کان ابوبکر غائبا فجاء بعد ثلاث ولم یجترئ احدان یکشف عن وجہہ حتی اربد بطنہ فکشف عن وجہہ و قبل بین عینیہ ثم قال بابی انت وامی طبت حیا و طبت میتا ثم خرج ابوبکر۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صـ ۱۹۸)	جب حضرت رسولخدا صلعم نے رحلت کی تو حضرت ابوبکر غائب تھے تین دن کے بعد آئے۔ اس درمیان میں کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ حضرت کا چہرہ کھولے۔ یہاں تک کہ حضرت کے شکم مبارک کا رنگ بدل گیا۔ حضرت ابوبکر آئے تو منہ کھولا پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں آپ زندگی اور موت دونوں میں پاک تھے۔ پھر حضرت ابوبکر وہاں سے چلے گئے۔

دین اسلام کی عزت و محبت اسکے متعلق ممدوح کا کوئی خاص طرز عمل نہیں مل سکا جس سے معلوم ہو سکتا کہ اسکی کیا حد تھی۔

البتہ حضرت رسولخدا صلعم کو دین اسلام نہایت محبوب تھا اور آپ اس دین کو بہترین ادیان عالم سمجھتے تھے اس وجہ سے اپنے محبوب ترین اعزہ کو اس کے قبول کرنے پر آمادہ کرتے تھے۔ حضرت ابو طالب۔ حضرت خدیجہ۔ حضرت علی۔ جناب زید حضرتؐ کے مخصوص متعلقین تھے اور ان سب کو حضرتؐ نے دین اسلام پر لگا دیا۔ حضرت ابو طالب کے متعلق گو بعض محدثین میں اختلاف ہے کہ اسلام قبول کیا یا نہیں لیکن حضرت رسولخدا صلعم نے آپ کو بھی اسی طرح اسلام کی طرف بلایا جس طرح جناب خدیجہ وغیرہ کو اور اکثر محققین و مورخین اسلام کے قول کی بنا پر جناب ابوطالب مسلمان ہی تھے۔ انصاف پسند مورخین نے لکھا ہے:۔

لما تقارب من ابی طالب الموت جعل یحرکؐ شفتیہ فاصغے الیہ العباس باذنہ وقال واللہ یا ابن اخی لقد قال الکلمۃ التی امرتہ ان یقولھا فقال رسول اللہؐ الحمد للہ الذی ھداک یا عم ومن شعر ابی طالب مما یدل علی انہ کان مصدقاً لرسول اللہؐ قولہ ؎

ودعوتنی وعلمت انکؐ صادق
ولقد صدقت وکنت ثم امینا
ولقد علمت بان دین محمد

جب حضرت ابوطالب کی وفات کا وقت قریب پہونچا تو وہ اپنے ہونٹوں کو ہلانے لگے۔ جناب عباس نے کان لگا کر سُنا تو حضرت رسولخدا صلعم سے کہا اے فرزند خدا کی قسم ابوطالب نے وہ کلمہ اسلام زبان پر جاری کر دیا جس کا آپ نے حکم دیا تھا (کہ مرتے وقت بھی کہ دیں) اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا اے چچا خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپکی ہدایت کی۔ اور حضرت ابوطالب کے اشعار سے یہ بھی ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ وہ پورے مومن تھے۔

اے محمد! تم نے مجھ کو اسلام کی طرف بلایا اور میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو۔ یقیناً تم برابر سچے اور پھر امین رہے

من خیر ادیان البریۃ دنیا
واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم
حتے اوسد فی التراب دفینا
(تاریخ ابو الفدا جلد ۱
صفحہ ۱۲۰ و تاریخ خمیس جلد ۱
صفحہ ۳۴۰ و سیرۃ ابن ہشام
جلد ۱ صفحہ ۲۲۸ و مواہب لدنیہ
جلد ۱ صفحہ ۴۶ وغیرہ)

اور مجھے یقینی طور پر یہ بھی معلوم ہے کہ محمدؐ کا دین (اسلام) دنیا بھر کے مذہبوں سے بہتر ہے۔ خدا کی قسم یہ کفار سب مل کر بھی تم کو نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ اس وقت تک کہ میں قبر میں دفن کیا جاؤں۔

لیکن کسی کتاب سے یہ نہیں ثابت ہو سکا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے والد ابو قحافہ اور اپنی والدہ ام الخیر کو اسلام کی طرف بلایا ہو اور اسکے لئے کسی قسم کی سعی کی ہو۔ آپ مکہ میں اسلام کے بعد ۱۳ سال تک رہے مگر ایک دن کے لئے بھی آپکی کوشش کا پتا نہیں چلا۔ بلکہ آپ مدینہ ہجرت کر کے چلے گئے اور ابو قحافہ مکہ معظمہ ہی میں رہے اور جب ۸ھ میں آنحضرت صلعم بطور فاتح مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور بکثرت کفار نے اسلام قبول کیا اس وقت ابو قحافہ بھی مسلمان ہوئے (اصابہ۔ استیعاب۔ اسد الغابہ وغیرہ) آپ کی والدہ ام الخیر کے بارے میں البتہ ہے کہ قبل ہجرت مسلمان ہو گئی تھیں مگر ان کے متعلق بھی ثابت نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اس دین کی طرف بلایا ہو یا اسکی خوبیاں سمجھائی ہوں یا اسکے قبول کرنے پر اصرار کیا ہو بلکہ حضرت رسولخدا صلعم ہی کے بارے میں ہے کہ

دعاھا رسول اللہؐ فاسلمت۔
(اصابہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۹ وغیرہ)

مادر حضرت ابوبکرؓ کو بھی حضرت رسولخدا صلعم نے اسلام کی طرف بلایا تو وہ مسلمان ہوئیں۔

دوسرے اعزہ کے لئے کوشش کرنے کا پتا بھی نہیں ملتا۔ آپ کے فرزند عبدالرحمن (جو حضرت عائشہ کے حقیقی بھائی تھے) صلح حدیبیہ کے وقت مسلمان ہوئے اور جنگ بدر میں حضرت رسولخداؐ کے ساتھ لڑے تھے (اصابہ ج ۴ صفحہ ۱۶۸)

آٹھویں فصل

حضرت عائشہ کی شادی کیوں اور کس طرح کی جب وہ صرف چھ سال کی تھیں

مورخین و محدثین اسلام میں اس امر کے متعلق اختلاف ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی طرف سے جناب عائشہ کی خواستگاری کی یا حضرت ابوبکر نے خود ہی اس کا انتظام فرمایا۔ کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہ کے انتقال پر ایک صحابیہ خولہ بنت حکیم نے آنحضرت سے فرمایا کہ آپ نکاح کر لیں اور انھیں نے دو نام پیش کئے۔ سودہ جو بیوہ تھیں اور حضرت عائشہ جو کنواری تھیں۔ آنحضرتؐ نے منظور فرمالیا اور دونوں نکاح ہو گئے (تاریخ خمیس جلد ا ص ۳۴۵)

اور کچھ لوگوں کی تحقیق ہے کہ خود حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلعم کی تنہائی پسند نہیں کی اور جناب عائشہ کو حضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے تحریر فرمایا ہے۔

وازآں جملہ آں است کہ چوں حضرت خدیجہ متوفے شد صدیق عائشہ را در عقد آنحضرتؐ در آورد و در آں باب ادبے کہ بہتر ازآں صورت نہ بندد رعایت نمود عن حبیب مولے عروۃ قال لما ماتت خدیجۃ حزن علیہا النبیؐ فاتاہ ابوبکر بعائشہ فقال	حضرت ابوبکر کے فضائل سے یہ بھی ہے کہ جب حضرت خدیجہ نے انتقال کیا تو حضرت صدیق نے جناب عائشہ کو آں حضرتؐ کے عقد میں دے دیا اور اس باب میں اس ادب کو ملحوظ رکھا جس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ حبیب مولے عروہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت خدیجہ نے انتقال کیا تو انکی جُدائی پر حضرت رسولخدا صلعم کو بڑا صدمہ ہوا۔ یہ دیکھکر حضرت ابوبکر جناب عائشہ

یا رسول اللہ ؐ هذه تذهب بعض
حزنك وان فی هذه خلفا
من خدیجة ثم ردها فکان
رسول اللہ ؐ یختلف الی
ابی بکر الحدیث اخرجه الحاکم
من طریق محمد بن عمرو عن
عائشة قالت قدمنا المدینة
فنزلت مع عیال ابی بکر
ونزل آل رسول اللہ ؐ
وهو یومئذ یبنی المسجد وابیاتنا
حول المسجد فانزل فیها اهله ومکثنا
ایاما فی منزل ابی بکر قال
ابوبکر یا رسول اللہ ما یمنعك
ان تبنی باهلك فقال رسول اللہ ؐ
الصداق۔ فاعطاه ابوبکر اثنی
عشر اوقیة ونشا۔ فبعث
رسول اللہ ؐ الینا وبنی بی
رسول اللہ ؐ فی بیتی هذا الذی
انا فیه۔
(قرة العینین ص۱۱۱ وازالة الخفاء
مقصد ۲ ص۱۱ واستیعاب
جلد ۲ ص۷۶۵ ومستدرک
جلد ۴ ص۵ وغیره)

کو حضرت رسول کی خدمت میں لائے اور
کہا یا رسول اللہ ؐ یہ بچی آپ کے صدمہ کو
کچھ کم کرے گی۔ اور اس میں حضرت
خدیجہ کی قائم مقامی کی صلاحیت ہے۔
پھر حضرت ابوبکر ان کو واپس لے گئے۔
اسکے بعد حضرت رسولخدا صلعم برابر حضرت ابوبکر کے
گھر آنے جانے لگے۔ اس حدیث کو امام حاکم
نے محمد بن عمرو کے طریق سے روایت کی ہے۔ اور خود
حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آئے
تو حضرت ابوبکر کے عیال کے ساتھ اُترے اور
ہمارے قریب ہی حضرت رسولخدا صلعم بھی ٹھہرے
تھے۔ حضرت اس وقت مسجد بنواتے تھے
اور مسجد کے گرد ہم لوگوں کے گھر تھے۔ انھیں میں
حضرت ؐ نے اپنے عیال کو بھی اُتارا اور ہم لوگ
کچھ دنوں تک ابوبکر کے گھر میں رہے (ایک
روز) حضرت ابوبکر نے کہا اے رسولخدا ؐ آپ
اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کیوں نہیں کرتے
حضرت ؐ نے فرمایا ابھی مہر کا روپیہ نہیں ہے۔ اس پر
حضرت ابوبکر ہی نے حضرت رسولخدا صلعم کو ساڑھے
بارہ اوقیہ دیا۔ تب حضرت رسولخدا صلعم
نے ہمارے ہاں بھیجا اور جس گھر میں
اس وقت میں ہوں اسی میں حضرت ؐ نے
میرے ساتھ جماع کیا۔

حضرت رسولخدا صلعم کے ہاں جناب عائشہ کی رخصتی کس طرح ہوئی اسکے متعلق شاہ

عبدالحق صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

و مرویست از عائشہ رضؓ کہ گفت چوں ما بمدینہ آمدیم پدر من ابوبکر صدیق در محلہ سنخ بر حبیب بن لیاف یا بر خارجہ بن زید فرود آمد۔ روزے آں حضرت بمنزل آمد و نزد آں حضرت جمعے از مردان و زنان انصار گرد آمدند مادر من مرا گرفت و موے مرا شانہ کرد و فرق نہاد و روے من بشست و مرا می کشید تا بدر خانہ کہ آں حضرتؐ می بود رسانید نفس من بر من تنگ آمد پس لحظہ توقف کرد تا سکینے و آرامے در من پیدا شد۔ پس در آورد مرا درون خانہ۔ دیدم کہ آں سرور بر سریر نشستہ است۔ مادر من مرا برد۔ و در کنار آں حضرت نشاند و گفت یا رسول اللہ این اہل تست خدائے

مروی ہے خود حضرت عائشہ سے کہ فرماتی تھیں جب ہم لوگ مدینہ میں آئے تو میرے ابا جان ابوبکر صدیق محلہ سنخ میں حبیب بن لیاف یا خارجہ بن زید کے ہاں اُترے۔ ایک روز حضرت رسولخدا صلعم منزل میں تشریف لائے اور حضرتؐ کے پاس انصار کے مردوں اور عورتوں سے بہت لوگوں کا مجمع تھا۔ اس وقت میری اماں جان نے مجھے پکڑا۔ میرے بالوں میں کنگھی کردی اور مانگ نکال دی اور میرا منہ دھودیا اور مجھ کو کھینچتی ہوئی اس گھر کے اندر جس میں حضرت رسولخدا صلعم تھے پہونچادیا۔ میرا نفس مجھ پر تنگی کرنے لگا۔ پس تھوڑی دیر کے لئے توقف کیا تاکہ مجھ میں کچھ تسکین اور آرام پیدا ہوجائے۔ اسکے بعد مجھے کمرے کے اندر لے گئیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرت رسول اللہؐ ایک تخت پر بیٹھے ہیں میری اماں جان مجھے لے گئیں اور حضرتؐ کی گود میں مجھے بٹھادیا۔ اور کہا اے رسول خدا یہ آپکی

تعالے برکت کناد در وے
از برائے تو و برکت کناد
در تو از برائے وے پس
مردم از خانہ بیرون رفتند
و حضرت بمن زفاف کرد۔
و ہیچ شترے و گوسفندے
نہ کشتند و طعام عروسی
کہ آں را ولیمہ گویند کاسۂ
شیر بود کہ از خانۂ سعد
ابن عبادہ آمدہ بود و
من در آں روز نہ سالہ
بودم و از اسماء بنت عمیس
مرویست کہ گفت من در روز
زفاف عائشہ موجود بودم واللہ
کہ در آں روز ہیچ طعام ولیمہ حاضر
نبود الا قدح شیرے کہ پیغمبرؐ مقدارے
ازاں تناول فرمود بعد ازاں
بہ عائشہ داد۔ وے شرم داشت کہ
بگیرد۔ من گفتم دست پیغمبر را ردمکن
و بستاں پس بشرم تمام آں را گرفت
و مقدارے ازاں بیاشامید
(مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۸۹)

بیوی ہے۔ خدا اسکی ذات سے
آپ کے امور میں اور آپ کی ذات
سے اسکے امور میں برکت دے۔
اس کے بعد لوگ اس کمرے
سے باہر چلے گئے اور حضرتؐ نے میرے
ساتھ زفاف کیا۔ اور کوئی اونٹ
یا بکرا ذبح نہیں کیا۔ اور شادی کا
کھانا جس کو ولیمہ کہتے ہیں ایک پیالہ
دودھ تھا جو سعد بن عبادہ کے گھر
سے آیا تھا۔ اور میں اس روز نو
برس کی تھی۔ اور اسماء بنت
عمیس سے مروی ہے وہ کہتی تھیں کہ
میں عائشہ کے زفاف کے روز موجود
تھی۔ خدا کی قسم اس روز طعام ولیمہ
کی کوئی چیز بھی موجود نہیں تھی سوا ایک
پیالہ دودھ کے جس سے تھوڑا سا حضرت
رسولخدا صلعم نے نوش فرمایا اور باقی عائشہ
کو دیا۔ عائشہ نے اس کے لینے میں شرم
کی۔ میں نے کہا پیغمبر کے ہاتھ کو رد نہ کرو اور
لے لو۔ اس پر عائشہ نے پوری شرم سے
وہ پیالہ لے لیا اور اس سے تھوڑا سا
پی گئیں۔

ان دونوں سے پہلا قول کہ خولہ بنت حکیم کی خواہش پر حضرتؐ نے اس
نکاح کو منظور کیا عقل کے مطابق نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ جب شوال سنہ ۳ قبل ہجرت مطابق

مئی سنہ ۶۲۰ء میں نکاح ہوا جب موصوفہ صرف چھ سال کی تھیں اور سلہ ہجری میں زفاف
ہوا تو تین سال تک اس نکاح سے فائدہ کیا سوچا گیا۔ حضرت رسولخدا صلعم
کا کوئی فعل عقل کے خلاف اور مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا تھا اور چھ سال
کی بچی سے نکاح کی خواہش کرنے میں کوئی مصلحت نظر نہیں آتی ہے۔
اگر اُس وقت حضرت رخصت کراکے اپنے گھر لاتے تو یہ فعل قابل اعتراض نہیں
ہوتا کیونکہ گھر کا کام کرنا اس کا آباد رکھنا جناب سیدہؑ کی دلبستگی وغیرہ مصالح
ہو سکتے تھے مگر موصوفہ تو نکاح کے بعد بھی اپنے گھر ہی رہیں۔ اور آپ پر بچپنا
اس قدر غالب تھا کہ رخصتی ہونے پر بھی برابر گڑیاں کھیلتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ
آپ حسب معمول گڑیاں کھیل رہی تھیں کہ رسول اللہؐ پہونچ گئے۔ گڑیوں میں
ایک گھوڑا بھی تھا جسکے دائیں بائیں دو پر لگے ہوئے تھے۔ حضرتؐ نے
پوچھا عائشہ یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ گھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا او ہو! گھوڑوں
کے پر بھی ہوتے ہیں؟ انھوں نے برجستہ کہا "کیوں؟ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں
کے پر نہیں تھے"؟ اس جواب پر حضرت ہنس پڑے (مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء و
ابوداؤد کتاب الادب وغیرہ) ان وجوہ سے یہی ماننا پڑے گا کہ خود حضرت ابوبکر
نے یہ شادی کی مگر ممدوح نے جو اسکی وجہ فرمائی کہ یا حضرت یہ آپ کا غم کچھ
غلط کرینگی اس کا کیا مطلب تھا؟ اسلئے کہ چھ برس کی بیوی ۵۳ برس
کے شوہر کا غم کس طرح غلط کر سکتی ہے درصورتیکہ صرف نکاح کا
صیغہ جاری ہو گیا اور لڑکی اسی طرح اپنی جگہ رہی۔ ممدوحہ کو تو اس کا
علم بھی نہیں ہوا۔ وہ خود فرماتی تھیں کہ "جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک
نہیں ہوئی۔ جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی
تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا۔ اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی
دیا" (طبقات ابن سعد صفحہ ۱۴۰) غرض یہ نکاح بھی اسلامی تاریخ کا ایک معمہ ہے
رہا یہ امر کہ خود حضرت رسولخدا صلعم نے ایسی کمسنی میں یہ نکاح کیوں منظور کیا؟ تو حضرت
نہایت کریم النفس وسیع الاخلاق تھے۔ اس مباح درخواست کو رد کرنا پسند نہیں فرمایا۔

۷ ویں فصل

کیا چھ سالہ لڑکیوں کی شادی عرب کے شریف لوگوں میں ہوتی تھی؟

نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ادب۔ تاریخ۔ سیرۃ کی کتابوں میں اس سوال کا جواب کسی طرح اثبات میں نہیں ملتا ہے اور عقلاً بھی اس عمر میں لڑکیوں کی شادی کسی ملک میں پسند نہیں کی جا سکتی۔ عرب کے حالات زیادہ تر یا ادب کی کتابوں میں ملتے ہیں یا تاریخ کی مصنفات میں لیکن سب کی سب اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ صحابہ کے حالات میں علامہ ابن حجر کی کتاب الاصابہ بہت مفصل اور جامع ہے اسکی آخری جلد ہشتم صرف عورتوں کے حالات میں ہے اس میں ۱۵۴۵ صحابیاتؓ کے حالات مرقوم ہیں۔ ان میں بہت کچھ تلاش کی گئی مگر کسی کے متعلق یہ ذکر نہیں ہے کہ انکا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ متعدد صحابیات کی تاریخ وفات اور مدت عمر وغیرہ مذکور ہے ان سب کے حساب کرنے سے بھی کسی عورت کی عمر اسکی شادی کے وقت چھ سال کی نہیں نکل سکی۔ حالانکہ مذکورہ بالا ڈیڑھ ہزار سے زیادہ صحابیات میں مختلف مقامات۔ مختلف قبائل۔ مختلف خاندان کی عورتوں کے حالات مذکور ہیں۔ خود حضرت ابوبکر کی دوسری بیٹی اسماء کی شادی اس عمر میں ثابت نہیں ہو سکی۔ ان کے تین بیٹے تھے مگر کسی بیٹے کی شادی ایسی لڑکی سے نہیں ہوئی جس کی عمر شادی کے وقت چھ سال کی ہو۔ حضرت عمر کی بھی کئی بیٹیاں اور بیٹے ہوئے مگر نہ کسی بیٹی کے بارے میں پتا چلتا ہے نہ کسی بہو کے متعلق کوئی دلیل ملتی ہے کہ اس کی عمر شادی کے وقت چھ سال کی ہو۔ حضرت عثمان کی ۱۷ اولادیں ہوئیں مگر ان میں بھی ایسی کوئی نہیں مل سکی۔ خاندان بنی امیہ و بنی عباس میں بھی کسی لڑکی کا پتا نہیں مل سکا کہ چھ سال کی عمر میں اسکی شادی ہوئی یا صرف نکاح ہی کر دیا گیا ہو۔ اس سبب سے کہنا پڑتا ہے کہ اس وصف

میں حضرت عائشہ منفرد ہیں اور حضرت ابوبکر نے وہ کام کیا جس کی نظیر نہ ان کے قبل کی تاریخ عرب پیش کر سکتی ہے اور نہ ان کے زمانہ کی بلکہ ممدوح کے بعد بھی کتابوں سے جس قدر حالات ملتے ہیں اس کی مثال نہیں ملتی لہ

لہ حضرت عائشہ کی عمر ازدواجی زندگی کے اعتبار سے تین حصوں پر منقسم ہو سکتی ہے (الف) شادی کے قبل کا زمانہ (ب) شادی کے بعد کا زمانہ (ج) بیوگی کا زمانہ۔ اور ہر زمانہ میں موصوفہ کا ایک ایک حیرت خیز واقعہ ملتا ہے جو عقل کو نہایت پریشان کرتا ہے پہلے زمانہ کا واقعہ تو مذکور ہوا کہ جب آپ صرف چھ سال کی تھیں آپ کے والد ماجد آپ کو حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں لے گئے اور عرض کی کہ یہ آپ کا دل بہلائینگی جو اپنی شان کا بالکل نرالا ہے۔ دوسرے زمانہ کا واقعہ افک ہے کہ لوگوں نے کل ازواج نبی کو چھوڑ کر صرف آپ ہی کی شان میں ایسی فضیحتی کی خبر مشہور کی جس سے زیادہ شرمناک بدنامی عورت کے لئے ہو نہیں سکتی اور گو قران مجید نے ان لوگوں کی تکذیب کی مگر جب تک وحی نازل نہیں ہوئی اس وقت تک حضرت رسولخدا صلعم نے بھی اس اتہام کو غلط نہیں سمجھا بلکہ آپ کو چھوڑے رہے اور ایک ماہ تک بالکل علحدگی رہی۔ اور تیسرے زمانہ (بیوگی) کا واقعہ بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا کہ جب آپ تقریباً ۶۵ سال کی ہو چکی تھیں۔ یزید فرزند معویہ نے آپ سے نکاح کی خواہش کی جیسا کہ علامۂ جلیل شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ "و در بعضے کتب گفتہ اند کہ یزید شقی طمع کرد در عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پس خواندند بروے ایں آیة و ممنوع شد ازاں"۔ یعنی بعض کتابوں میں ہے کہ یزید شقی نے حضرت عائشہ سے نکاح کرنے کی طمع کی۔ اس پر لوگوں نے اس کے سامنے آیۂ لا ان تنکحوا ازواجه پڑھی جس پر یزید اس ارادہ سے باز رہا (مدارج النبوۃ ج ۱ باب ۵ صفحہ ۲۶۶ وغیرہ)۔ حضرت عائشہ ہجرت سے ۹ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں اور یزید ۲۷ھ میں پیدا ہوا تھا مگر یہ پتا نہیں چلا کہ اس نے حضرت عائشہ سے نکاح کی تمنا کس سال میں کی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب معویہ یزید کی بیعۃ لینے کی غرض سے مدینہ میں آکر حضرت عائشہ کے پاس بھی گیا ہے اور دیر تک قصے باتیں ہوئی ہیں اسی وقت اس نے یہ چاہا ہو اور معویہ کا مدینہ میں آنا ۵۶ھ ہجری کا واقعہ ہے (تاریخ کامل ج ۳ صفحہ ۲۰۰ و تاریخ طبری ج ۶ صفحہ ۱۷۰ وغیرہ) اس وقت یزید کی عمر ۲۹ سال اور حضرت عائشہ کی عمر ۶۵ سال کی تھی ۱۲

دسویں فصل

ہجرت میں حضرت رسولخداصلعم حضرت ابو بکر کو اپنے ساتھ لیگئے یا مامور فرما کر خود ہی چلے گئے

کفار مکہ کی سختیاں بڑھتی جاتی تھیں اور مسلمان آہستہ آہستہ وہاں سے دوسری جگہوں پر ہجرت کرتے جاتے تھے۔ مورخین ومحدثین نے تصریح کی ہے کہ بنوت کے چھٹے سال (ہجرت سے آٹھ سال پہلے) حضرت ابو بکر نے بھی ہجرت کی۔ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے اور برک الغماد تک جو مکہ معظمہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ پر ہے پہونچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی جو قبیلۂ قارہ کا رئیس تھا اس نے پوچھا کہاں؟ حضرت ابو بکر نے کہا "میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی۔ چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں" ابن الدغنہ کو آپ پر رحم آگیا اور کہا "واپس چلو میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں"۔ اس طرح حضرت ابو بکر واپس آئے (صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ پ۵ ص ۴۶۹) اور کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا کہ اس موقع پر حضرت رسولخدا صلعم نے آپ کو ہجرت سے روکا ہو۔ یا ٹھہرنے کو کہا ہو یا کوئی رائے دی ہو۔ یا حضرت ابو بکر کے واپس آنے پر کوئی خوشی ظاہر کی ہو۔ البتہ جب دوبارہ جناب ممدوح نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت رسولخدا صلعم نے روکا۔ محدثین ومورخین نے تصریح کی ہے۔

تجہز ابو بکر قبل المدینۃ فقال لہ رسول اللہ صلعم علی رسلک فانی ارجوان یؤذن لی فقال لہ ابو بکر وھل ترجو ذلک بابی انت قال نعم فحبس ابو بکر نفسہ علی رسول اللہ صلعم

حضرت ابو بکر نے مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جانے کا سامان کیا تو حضرت رسولخدا صلعم نے ان سے فرمایا ابھی ٹھہر جاؤ کیونکہ امید ہے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہو۔ حضرت ابو بکر نے کہا آپ کو بھی اس کی امید ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت ابو بکر

لیصحبہ (صحیح بخاری پ ۱۵ ص ۴۷)	نے اپنے نفس کو روک لیا تاکہ آنحضرت صلعم کے ساتھ ہی چلے جائیں۔

حدیث میں ایک لفظ بھی ایسی نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت ابو بکر کو اس لئے روکا کہ وہ بھی حضرتؐ کے ساتھ ہی ہجرت کریں۔ واضح ہو کہ حضرت رسولخدا صلعم کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ پہلی دفعہ جب حضرت ابو بکر نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرتؐ نے ان کو نہ روکا۔ نہ ٹھہرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور اب حضرت ابو بکر مدینہ کو ہجرت کرنی چاہتے ہیں تو حضرتؐ فرماتے ہیں کہ ابھی ٹھہرو کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہونے والا ہے مگر حضرتؐ نے غرض نہیں ظاہر کی کہ کیوں ان کو جانے سے منع کیا۔ اگر اپنے ساتھ لے جانا مقصود ہوتا تو یہ فرما دیتے کہ تم میرے ہی ساتھ چلنا۔ میں تنہا سفر کرنے میں پریشان ہوں گا۔ تمہاری معیت میں آرام ملے گا۔ لیکن کچھ نہیں فرمایا صرف رکنے کی خواہش ظاہر کی۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ جب ممدوح نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی تو آنحضرت صلعم سے کوئی رشتہ نہیں پیدا ہوا تھا۔ ان کے چلے جانے سے آنحضرتؐ صلعم پر کوئی بار نہیں پڑتا۔ کوئی جدید فکر نہیں پیدا ہوتی۔ کسی تردد میں حضرتؐ مبتلا نہیں ہوتے۔ برخلاف دوسرے موقع کے کہ جناب ممدوح اپنی لڑکی حضرت عائشہ کا نکاح حضرتؐ سے کر چکے تھے۔ اب اگر حضرت ابو بکر ہجرت کر کے چلے جاتے تو وہ مطمئن ہو جاتے اور حضرت رسولخدا صلعم ہی پر ممدوح کے پورے عیال کا بوجھ بھی پڑ جاتا۔ ان کی کل ضروریات کی فکر ہوتی اور حضرتؐ کی مصیبتیں بہت زیادہ بڑھ جاتیں بلکہ حضرتؐ کی ہجرت ہی دشوار ہو جاتی کیونکہ حضرت عائشہ کو اپنے ساتھ لے جا نہیں سکتے تھے اور حضرت علیؑ کے حوالہ بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ابھی موصوفہ کی رخصتی حضرتؐ کے گھر نہیں ہوئی تھی اور بغیر کسی سرپرست کے ان کو ان کے گھر چھوڑ نہیں سکتے تھے کہ حضرت کی اخلاقی کمزوری ثابت ہوتی اس لئے کہ حضرت عائشہ بہر صورت اب آپ کی بیوی ہو چکی تھیں۔ ان کی طرف سے بالکل لاپروائی برتنا کسی طرح حضرتؐ کی شان کے مناسب نہیں تھا۔ غرض ہو سکتا ہے حضرتؐ نے

انھیں مصیبتوں کو سوچ کر اور آنے والی پریشانیوں کا اندازہ کر کے ممدوح کو رد کا ہو کر ابھی ٹھہرو مجھے بھی ہجرت کا حکم ہونے والا ہے۔ جب میں چلا جاؤں گا اُسکے بعد تم کہیں بھی جاؤ گے مجھے کوئی تردد نہیں ہوگا۔

غرض بنوت کا چودہواں سال شروع ہوا تو خدا نے حضرت رسولخدا صلعم پر وحی نازل کی کہ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ کی طرف چلے جائیں اور وہیں مستقل قیام کریں۔ ماہ ربیع الاول میں آنحضرت صلعم کفار مکہ سے چھپکر ہجرت کر گئے۔ یہ یقینی ہے کہ اس سفر میں حضرت ابوبکر بھی آنحضرت صلعم کے ساتھ تھے مگر اس امر میں روایتیں مختلف ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم آپ کو اپنے ساتھ لے گئے یا حضرتؐ کے روانہ ہونے کے بعد حضرت ابوبکر یہ سُن کر کہ اب حضرتؐ تشریف لئے جاتے ہیں خود ہی حضرتؐ کے پیچھے چلے گئے۔ پہلا قول بعض محدثین و مورخین نے اس طرح لکھا ہے کہ جب حضرتؐ کو ہجرت کا حکم ہوا تو آپ گھر سے روانہ ہوئے اور ممدوح سے فرمایا:-

قد اذن لی فی الخروج۔ قال الصحبۃ یا رسول اللہ قال الصحبۃ۔ (صحیح بخاری پ ۸ ص ۳۶۵ و تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۴۶ وغیرہ)	مجھے ہجرت کرنے کا حکم آگیا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ مجھے بھی ساتھ لیتے چلیں۔ حضرتؐ نے فرمایا چلو۔

اگر یہ روایت صحیح مانی جائے جب بھی حضرت رسولخدا صلعم کا آپ کو ساتھ لے جانا نہیں ثابت ہوسکتا کیونکہ حضرتؐ نے تو صرف خبر دی تھی کہ مجھے ہجرت کرنے کا حکم آگیا اس پر حضرت ابوبکر نے درخواست کی کہ مجھے بھی ہمراہ لیتے چلیں۔ حضرت خلق عظیم پر فائز تھے اس درخواست کو رد کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اجازت دے دی۔

مگر عقل کسی طرح اس روایۃ کو صحیح تسلیم نہیں کرتی اس لئے کہ خدا نے حضرت رسولخدا صلعم کے بارے میں فرمایا ہے۔

وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الاّ وحیٌ یوحیٰ۔ (پ ۲۷ ع ۵)	میرے رسول کوئی بات اپنے دل سے نہیں کہتے ہیں بلکہ میری جو وحی نازل ہوتی ہے اسی کو بیان کر دیتے ہیں۔

بس اس موقع پر جو اسلام کی موت یا حیاۃ کا فیصلہ کر رہا تھا آنحضرت صلعم اپنے طور پر کسی شخص کو نہ اس راز کی خبر کر سکتے تھے نہ ساتھ چلنے کی اجازت دے سکتے تھے ۔ اگر حضرت ابوبکر کے ساتھ لے جانے کے متعلق بھی وحی خدا نازل ہوئی ہوتی تو آنحضرت صلعم خود آپ سے فرماتے کہ تم میرے ساتھ چلو جس طرح حضرت علی سے فرمایا جیسا مورخین نے لکھا ہے ۔

فاما علی ابن ابی طالب فان رسول اللہ فی ما بلغنی اخبرہ بخروجہ و امرہ ان یتخلف بعدہ بمکۃ حتے یودی عن رسول اللہ الودائع التی کانت عندہ للناس (تاریخ طبری جلد ۲ صـ ۲۴۷ وغیرہ)

رہے حضرت علی ابن ابی طالب تو حضرت رسولخدا صلعم ہی نے آپ کو خبر دی کہ حضرت ہجرت کر رہے ہیں اور آپ کو حکم دیا کہ حضرتؐ کے بعد مکہ میں حضرتؐ کی قائم مقامی کریں یہاں تک کہ جس جس کی جو امانتیں حضرت کے پاس تھیں ان لوگوں تک پہنچا دیں

اس روایۃ میں بتصریح مذکور ہے کہ خود حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ کو اپنی ہجرت کی خبر دی اور خود ہی حضرت کو آپکی جگہ رہ جانے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کی امانتیں ان تک پہونچا دیں ۔ اگر حضرت ابوبکر کے متعلق بھی حکم خدا ہوتا کہ حضرتؐ کے ساتھ جائیں تو بغیر ان کی خواہش کے حضرتؐ خود ہی ان سے فرماتے کہ تم میرے ساتھ چلو اور موصوف کی درخواست کا انتظار نہ کرتے ۔ رسولؐ کی یہ شان نہیں ہے کہ حکم خدا پہونچانے یا اسکی تعمیل کے لئے کسی انسان کی خواہش کا انتظار کرے یا اسکی مرضی کو دیکھے ۔ یا اس خفت سے اس پر عمل پیرا ہو ۔

آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ سے صرف یہی نہیں فرمایا کہ تم میرے بعد یہیں رہ جاؤ اور امانتوں کو واپس کر کے مدینہ آنا بلکہ حضرت کو یہ حکم بھی دیا کہ میرے فرش پر سو رہنا ۔ مورخین و محدثین نے ذکر کیا ہے ۔

فلما کان العتمۃ اجتمعوا علے بابہ یرصدونہ متے ینام فیثبون علیہ فلما راھم

جب اندھیری رات ہو گئی اور کفار مکہ حضرتؐ کے دروازے پر جمع ہو کر انتظار کرنے لگے کہ کب آپ سوئیں اور وہ آپ

رسول اللہ ؐ قال لعلی ابن ابی طالب نم علی فراشی واتشح ببردی الاخضر فنم فیہ فانہ لا یخلص الیک شیئ تکرھہ وامرہ ان یودے ما عندہ من ودیعۃ وامانۃ وغیر ذلکؑ۔

(تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۳۸)

حملہ کریں اور حضرتؐ نے ان لوگوں کو دیکھ لیا تو حضرت علیؑ سے فرمایا میرے فرش پر سو رہو اور میری سبز چادر اوڑھ لو۔ اس میں اطمینان سے آرام کرنا کیونکہ تم کو کوئی تکلیف نہیں پہونچنے پائیگی۔ اور آپ کو یہ حکم بھی دیا کہ حضرت کے پاس جو جو ودیعتیں اور امانتیں وغیرہ ہیں وہ لوگوں تک پہونچادیں گے۔

حضرت علیؑ نے اس حکم کی تعمیل کی اور نہایت آرام سے سوئے۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اچھا جملہ لکھا ہے "یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔ جناب امیر کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہؐ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۱۹۷) اور جناب شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے۔

پس خواب کرد علی مرتضیٰ در جائے خواب آں حضرت و پوشید خود را بُرد خاص آں حضرت کہ آں را پوشیدہ بخواب رفتے پس بود رض نخستین کسے کہ فروخت و فدا کرد نفس خود را در راہ محبت رسول خدا و گویند کہ کریمہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤفٌ بالعباد در ہمیں باب نازل شدہ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۲)

پس حضرت علی مرتضیٰ جناب رسولخدا صلعم کی جگہ سوئے اور جس چادر کو اوڑھکر حضرت رسولخدا صلعم آرام فرمایا کرتے خاص اسی چادر کو اوڑھکر آپ بھی سوئے۔ اس طرح حضرت علی ہی وہ پہلے بزرگ نکلے جنہوں نے حضرت رسولخدا صلعم کی محبت کی راہ میں اپنے نفس کو بیچ ڈالا اور فدا کردیا اور مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ آیۃ کہ لوگوں میں ایسے بزرگ بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنا نفس بیچ دیتے ہیں (پ۲ ع ۹) حضرت علی ہی کی شان میں اسی موقع کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

مورخین و محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

انشأ علی فی بیتوتتہ فی بیت النبیؐ ھذہ الابیات ؎

وقیت بنفسی خیر من وطئ الثری
ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر
رسول الٰہ خاف ان یمکروا بہ
فنجاہ ذوالطول الالہ من المکر
وبات رسول اللہ فی الغار آمنا
موقے وفی حفظ الالہ وفی ستر
وبت اراعیھم وماثبتونی
وقد وطنت نفسی علی القتل والاسر

(تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۳۶۷)

حضرت علیؓ نے اس واقعہ کو کہ آپ کس طرح آنحضرت صلعم کی جگہ سوئے ان اشعار میں نظم کردیا۔ اس بزرگ کے بچانے کی غرض سے میں نے اپنی جان نثار کردی جو ان سب سے بہتر ہیں جو زمین پر چلتے ہیں اور جو خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول کو خوف ہوا کہ لوگ ان کے ساتھ مکر کرینگے تو خدائے منّان نے حضرتؐ کو اس مکر سے بچادیا۔ حضرت رسولخدا صلعم غار میں امن کے ساتھ اور خدا کی حفاظت اور پردہ میں آرام سے رہے اور میں نے اس طرح شب بسر کی کہ دیکھتا تھا یہ کیا کرتے ہیں اور مجھے کیونکر گرفتار کرتے ہیں اور میں تو یہ سمجھ کر لیٹا تھا کہ یا قتل ہونگا یا قید کیا جاؤں گا۔ کسی بات کی پروا نہیں تھی۔

شاہ عبدالحق صاحب نے اس موقع پر اس طرح حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ کی شجاعۃ کا ذکر کیا ہے

علماء را دریں مقام مقال است کہ کدام یکے ازیں دو حال در شجاعۃ کامل تر و قوی تر است شجاعۃ علی مرتضی کہ بالفعل جان خود را ایثار کرد و فدا ساخت یا شجاعۃ و جرءت ابوبکر صدیق کہ ہمراہ آں حضرت رفت و در مہلک عظیم افتاد کہ ہیچ کس باوے دراں شریک نبود۔ بعضے گویند کہ ایں قوی تر است کہ در جائے

علماء نے اس جگہ پر ایک یہ بحث کی ہے کہ اس موقع پر حضرت علی کی شجاعۃ زیادہ کامل اور قوی تھی کہ آپ نے اپنی جان خدا کی راہ میں ایثار کردی اور فدا کردیا۔ یا حضرت ابوبکر کی شجاعۃ و جرءت کہ حضرت رسول کے ساتھ جاکر ایسے مہلک عظیم میں پڑے کہ کوئی شخص اس میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ زیادہ قوی یہی ہے کہ حضرت علی آنحضرت صلعم کی جگہ ایسی حالت میں سوئے رہے کہ بکثرت دشمن تلواریں کھینچے ہوئے حضرتؐ کے قتل کے ارادہ سے دروازہ پر کھڑے تھے اور حضرت

آں حضرت خفتند و دشمنان شمشیرہا کشیدہ بقصد ہلاک در ایستادند و آں جا ہلاک محتمل است و در پناہ شوکت آنحضرتؐ می رود (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ۷۲)

رسو لخدا صلعم کے ساتھ تو ہلاکت کا صرف احتمال ہی احتمال تھا۔ علاوہ بریں آنحضرت صلعم کے مبارک وجود اور شوکت و دبدبہ کی پناہ بھی حضرت ابو بکر کے ساتھ تھی۔

اور امام غزالی و علامہ دیار بکری و نیشاپوری وغیرہ نے لکھا ہے:۔

ان لیلۃ بات علی ابن ابی طالب علے فراش رسول اللہؐ اوحی اللہ تعم الی جبریل و میکائیل انی آخیت بینکما وجعلت عمر احدکما اطول من عمر الآخر فایکما یؤثر صاحبہ بحیاۃ فاختار کلاھما الحیوۃ واحباھا فاوحے اللہ الیھما افلا کنتما مثل علی ابن ابی طالب أخیت بینہ و بین محمد فبات علیؑ علے فراشہ یفدیہ بنفسہ و یؤثرہ بالحیاۃ اھبطا الی الارض فاحفظاہ من عدوہ فکان جبریل عند راسہ و میکائیل عند رجلیہ ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابی طالب یباھی بک الملائکۃ فانزل اللہ تعم ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد (تاریخ خمیس جلد اصـ۳۶۷ و احیاء العلوم جلد صـ و

جس رات میں حضرت علیؑ حضرت رسولخدا صلعم کے فرش پر لیٹے رہے خدا نے جناب جبرئیل و میکائیلؑ کی طرف وحی نازل کی کہ میں نے تم دونوں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور ہر ایک کی عمر دوسرے کی عمر سے زیادہ طولانی کی ہے۔ اب تم میں سے کون اس پر آمادہ ہے کہ اپنی زندگی اپنے بھائی کے حوالہ کردے۔ مگر دونوں فرشتوں نے اس سے عذر کیا اور اپنی زندگی دوسرے کے حوالہ نہ کرسکے بلکہ اپنی زندگی کو دوسرے کی زندگی پر ترجیح دی۔ تب خدا نے وحی کی کہ تم دونوں علی ابن ابی طالب کے مثل کیوں نہیں ہوئے جن کو میں نے محمد مصطفےٰ کا بھائی بنایا ہے دیکھ لو علی اپنے بھائی کے فرش پر اس غرض سے سوئے ہیں کہ اپنی جان ان پر فدا کردیں اور اپنی زندگی پیش کرکے انکو بچالیں۔ اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور علی کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کرو۔ اس پر جناب جبرئیل حضرت علی کے سرہانے اور جناب میکائیل حضرت کے پائیں آکر کھڑے ہوئے اور پکار کر

وتفسیر نیشاپوری جلد ۲ ص۲۸ وتفسیر کبیر ج ۲ ص۲۸۳	کہنے لگے اے فرزند ابوطالب آپ کا مثل ونظیر کون ہوسکتا ہے خدا آپکی وجہ سے فرشتوں پر فخر ومباہاۃ کررہا ہے۔ اسی پر حضرت علیؑ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی کہ لوگوں میں وہ بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں۔

غرض کسی طرح اس کا پتا نہیں چلتا ہے کہ خدا نے حضرت رسولخداصلعم کو حکم دیا ہو کہ ابوبکر کو بھی ساتھ لے لینا یا حضرت رسولخداصلعم نے خود ہی حضرت ابوبکر سے فرمایا ہو کہ تم بھی میرے ساتھ چلنا۔ یا زبان سے کچھ نہیں کہا ہو کبھی دل میں اسکی خواہش کی ہو۔ دوسری بکثرت روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ حضرت رسولخداصلعم کے گھر سے تنہا نکل جانے کے بعد حضرت ابوبکر کو معلوم ہوا کہ حضرت تشریف لے گئے۔ تب آپ حضرتؐ کے پیچھے سے روانہ ہوئے اس وقت حضرت کو وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ ابوبکر حضرت کے پیچھے آجائیں گے بلکہ آپ کی آہٹ حضرتؐ کو ملی تو حضرت نے خیال کیا کہ کفار مکہ پہونچ گئے۔ اسلام کے سب سے بڑے اور معتبر مورخ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ جب حضرت رسولخداصلعم ہجرت کرکے گھر سے جاچکے تب۔

ان ابا بکر اتی علیا فسألہ عن نبی اللہ فاخبرہ انہ لحق بالغار من ثور وقال ان کان لک فیہ حاجۃ فالحقہ فخرج ابوبکر مسرعا فلحق نبی اللہ فی الطریق فسمع رسول اللہ جرس ابی بکر فی ظلمۃ اللیل فحسبہ من المشرکین فاسرع رسول اللہ صلعم المشی فانقطع قبال نعلہ ففلق ابہامہ حجر	حضرت ابوبکر حضرت علیؑ کے پاس آئے اور پوچھا کہ حضرت رسولخداصلعم کہاں ہیں حضرت نے ان سے کہا کہ ثور کے ایک غار کی طرف تشریف لے گئے ہیں اگر تم کو کچھ ضرورت ہو تو ادھر ہی جاؤ۔ یہ سنکر حضرت ابوبکر دوڑے اور جاکر راہ میں حضرت رسولخداؐ سے مل گئے رات اندھیری تھی اس میں آنحضرت صلعم نے ابوبکر کی چال کی آواز سنی تو گمان ہوا کہ کفار مکہ سے کوئی آرہا ہے اس پر آنحضرت اور تیز آگے بڑھنے لگے جس کی وجہ سے حضرتؐ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا اس سے انگوٹھا زخمی ہوا

فکثر وصفا واسرع السعی نخاف ابوبکر ان یشق علی رسول اللہ فرفع صوتہ وتکلم فعرفہ رسول اللہ فقام حتی اتاہ فانطلقا (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۴۴)

اور کثرت سے خون بہنے لگا مگر آنحضرت اب اور بھی تیز چلنے لگے جس سے حضرت ابوبکر ڈرے کہ آنحضرت پر مشقت ہوگی۔ اور آپ چلا کر حضرت سے بات کرنے لگے اس وقت حضرت نے آپ کو پہچانا اور کھڑے ہوگئے۔ پھر دونوں بزرگ ساتھ چلے۔

اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے لکھا ہے۔

قال ابن عباس وشری علی بنفسہ فلبس ثوب النبی ثم نام مکانہ قال ابن عباس وکان المشرکون یرمون

حضرت ابن عباس کہتے تھے کہ حضرت علیؑ نے جب اپنا نفس بیچ دیا تو حضرت رسولخدا کا لباس پہنکر حضرت کی جگہ سورہے اور مشرکین حضرت رسولخدا صلعم پر پتھروں کی بوچھار کررہے تھے [۱] اس کے بعد

[۱] علامہ حلبی نے لکھا ہے والمراد بقول بعضہم کان المشرکون یرمون علیا یظنون انہ النبی یرمونہ بابصارہم لا بحجارۃ اونبل یعنی یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ مشرکین حضرت علیؑ کو رسولخدا صلعم سمجھ کر اس وقت مار رہے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ سے دیکھ رہے تھے نہ یہ کہ پتھر یا تیر سے مار رہے تھے (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۸)۔ مگر شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے پتھر ہی مارنے کا مطلب بیان کیا ہے لکھتے ہیں وجعل علی رضی اللہ عنہ یرمی بالحجارۃ کما کان نبی اللہ یعنی کفار مکہ حضرت علیؑ پر پتھر پھینک رہے تھے جس طرح وہ سب اس سے پہلے حضرت رسولخدا پر پتھر پھینکے تھے (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص ۲۶۱) علامہ حلبی نے یہ بھی لکھا ہے "وفی روایۃ انہم تسوروا علیہ صلی اللہ علیہ وسلم ودخلوا شاہرین سیوفہم فثار علی فی وجوہہم فعرفوہ فقالوا ہو انت این صاحبک فقال لا ادری یعنی ایک روایت میں ہے کہ کفار مکہ نے دیوار پھاند کر حضرت رسولخدا صلعم کے پاس پہونچنا چاہا اور تلواریں کھینچے ہوئے گھر میں گھس پڑے۔ ان کا وہاں پہونچنا تھا کہ حضرت علیؑ ان پر جھپٹے تب ان لوگوں نے حضرت کو پہچانا اور پوچھا تمہارے صاحب کہاں ہیں فرمایا مجھے کیا معلوم (سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۳۰)

رسول اللہ و فجاء ابوبکر رض وعلیؓ نائم قال وابوبکر یحسب انہ رسول اللہؐ فقال یا نبی اللہ - فقال لہ علی ان نبی اللہ قد انطلق نحو بیر میمون فادرکہ قال فانطلق ابوبکر فدخل معہ الغار (مسند احمد بن حنبل جلد ۱- وازالۃ الخفاء مقصد ۲ صہ ۳۳۱ و ۲۶۱)

حضرت ابوبکر آئے اور حضرت علیؓ کو سوتے دیکھ کر سمجھے کہ رسول اللہؐ ہیں - پھر کہا اے رسولخداؐ - حضرت علیؑ نے فرمایا حضرت رسولخدا صلعم بیر میمون کی طرف تشریف لے گئے ہیں اُس طرف جاؤ - تب حضرت ابوبکر اسی رُخ پر چلے اور حضرتؐ کے ساتھ ہی غار میں داخل ہوئے۔

اور بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے صحابہ سے پوچھا کہ اس مصیبت میں کون میرے کام آئے گا کہ میری جگہ سو کر میری جان بچائے گا سوا حضرت علیؑ کے کوئی بھی نہیں بولا - جیسا کہ علامہ حلبی نے لکھا ہے:-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی اصحابہ وقال ایکم یبیت علی فراشی وانا اضمن لہ الجنۃ - فقال علی انا ابیت واجعل نفسی فداءک - (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ صہ ۳۷)

حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے اصحاب کی طرف نظر کر کے ان سے پوچھا کہ تم میں سے کون شخص آج میرے فرش پر سور ہیگا تاکہ اس کے اس ایثار کے عوض میں اُسکے لئے بہشت کا ضامن ہو جاؤں - حضرت علی نے عرض کی میں سوؤں گا اور اپنے نفس کو حضور پر فدا کر دوں گا۔

یہ جان نثاری کا پہلا موقع تھا اور آنحضرت صلعم نے ہر شخص کو موقع دیا کہ جو چاہے میری جگہ سورہے مگر حضرت ابوبکر بالکل اس کے لئے آمادہ نہیں ہوئے اور جس طرح آنحضرت صلعم نے آپ کی جگہ سونے کا عوض یہ قرار دیا کہ حضرتؐ اس کے لئے بہشت کے ضامن ہو جاتے اس طرح کسی روایت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ حضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہو کہ کون شخص میرے ساتھ چلے گا جسکے عوض میں اس کے لئے بہشت کا ضامن ہوں گا - یا کسی اور ہی طرح سے اُسکے اجر کا وعدہ فرمایا ہو۔

اختلاف بیان کسی واقعہ کے غیر معتبر ہونے کی بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ

اس کے بیان کرنے والوں کے کلام میں اختلاف ہو۔ یا وہ واقعہ دو مختلف اوقات میں بتایا جائے۔ جن لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی اجازت لے کر حضرت ابو بکر بھی آپ کے ساتھ ہو گئے، ان کی روایتیں بھی اسی قسم کی ہیں۔

حضرت عائشہ ہجرت کا واقعہ اس طرح بیان کرتی تھیں۔

قالت عائشة فبينما نحن يوما جلوس في بيت ابي بكر في نحر الظهيرة قال قائل لابي بكر هذا رسول الله ؐ متقنعا في ساعة لم يكن ياتينا فيها فقال ابو بكر فداء له ابي وامي والله ما جاء به في هذه الساعة الا امر۔ قالت فجاء رسول الله ؐ فاستاذن فاذن له فدخل فقال النبي ؐ لابي بكر اخرج من عندك فقال ابو بكر انما هم اهلك بابي انت يا رسول الله قال فاني قد اذن لي في الخروج فقال ابو بكر الصحابة بابي انت يا رسول الله ؐ قال رسول الله نعم قال ابو بكر فخذ بابي انت يا رسول الله احدى راحلتي هاتين

حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ ایک دن دوپہر کے وقت ہم لوگ ابو بکر کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعتہً ایک شخص نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ یہ رسول اللہ اپنا منہ چھپائے ہوئے ایسے وقت آرہے ہیں جب کبھی نہیں آتے تھے۔ یہ سُن کر حضرت ابو بکر نے کہا میری ماں باپ ان پر فدا ہوں خدا کی قسم وہ اس وقت کسی خاص ضرورت سے آئے ہیں۔ اتنے میں رسولخدا صلعم پہونچ گئے اور اجازت لے کر مکان میں داخل ہوئے تو ابو بکر سے فرمایا تمہارے پاس جو لوگ ہیں سب کو باہر کردو۔ حضرت ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ آپ کی بیوی کے سوا اور کون ہے؟ حضرتؐ نے کہا اب مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا۔ حضرت ابو بکر نے کہا تو اے رسولخدا ہم بھی ساتھ چلیں؟ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہاں چلو۔ حضرت ابو بکر نے کہا میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں اے رسولخدا میرے ان دو سواریوں سے ایک آپ

قال رسول اللہ ص بالثمن - قالت عائشۃ فجھزناھما احث الجھاز وصنعنا لھما سفرۃ فی جراب فقطعت اسماء بنت ابی بکر قطعۃ من نطاقھا فربطت بہ علے فم الجراب فبذلک سمیت ذات النطاق - قالت ثم لحق رسول اللہ ص و ابوبکر بغار فی جبل الثور (صحیح بخاری پارہ ۱۵ ص ۱۷۱ باب ھجرۃ النبی ص)

لے لیں - حضرت نے فرمایا قیمت پر لوں گا۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ فوراً ہم لوگوں نے دونوں آدمیوں کا سامان سفر درست کر دیا اور ایک ناشتے دان میں ان کے لئے کھانا طیار کر دیا اور اسماء بنت ابی بکر نے اپنا نطاق پھاڑ کر اس سے اسس ناشتے دان کا منہ بند کر دیا اسی سے وہ ذات النطاق کہی جانے لگیں - پھر رسولخدا ص اور حضرت ابوبکر ثور پہاڑ کے ایک غار کی طرف چلے گئے -

اس بیان سے معلوم ہوا کہ دوپہر ہی کو حضرت ص گھر سے نکلے - حضرت ابوبکر کے ہاں آئے اور اسی وقت دونوں بزرگوں نے ہجرت کی حالانکہ بتواتر یہ ثابت ہے کہ ہجرت شب کے وقت ہوئی اور کل محدثین و مورخین اسلام اس پر متفق ہیں کہ شب کو کفار مکہ نے آنحضرت صلعم کے گھر کا محاصرہ کیا تب حضرت ص نے جناب امیر ع کو اپنی جگہ سلا کر اپنا گھر چھوڑا - خود صحیح مسلم میں جو صحیح بخاری کی ہم پلہ کتاب ہے یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر سے کہا -

یا ابابکر حدثنی کیف صنعتما لیلۃ سریت مع رسول اللہ ص قال نعم اسرینا لیلتنا کلھا (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۱۹ کتاب التفسیر)

اے ابوبکر مجھ سے بیان کرو کہ شب ہجرت جب تم رسولخدا ص کے ساتھ گئے تو کیا کیا؟ حضرت ابوبکر نے کہا ہم لوگ رات بھر چلتے رہے -

اور علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے :-

فاتی جبریل رسول اللہ ص فقال لا تبت ھذہ اللیلۃ علے فراشک الذی کنت تبیت

حضرت جبرئیل حضرت رسولخدا صلعم کے پاس آئے اور کہا آج رات کو آپ اپنے بستر پر جس پر سوتے ہیں نہ سوئیں - غرض جب

فلما رای رسول اللہؐ مکانہم قال لعلی بن ابی طالب نم علے فراشی (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۴۴)

رسولخدا صلعم نے کفار کو دیکھا کہ حضرت کا گھر محاصرہ کئے ہوئے کھڑے ہیں تو حضرت علیؑ سے فرمایا کہ میری جگہ سو رہو۔

تمام مفسرین قران مجید نے بھی آیۃ

واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک اویقتلوک اویخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ (پ ۹- ع ۱۸)

اے پیغمبر وہ وقت یاد کرو جب کافر تم سے مکر کرتے تھے کہ چاہتے تھے تم کو گرفتار کریں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں اور وہ اپنا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کرتا تھا (کہ تم کو بچالے) اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

کی تفسیر میں بھی تصریح کی ہے کہ حضرتؐ نے شب کے وقت ہجرت کی ہے۔

مثلاً علامہ سیوطی نے لکھا ہے:۔

تشاورت قریش لیلۃ بمکۃ... فاطلع اللہ نبیہؐ علی ذلک فبات علیؓ علے فراش النبیؐ وخرج النبیؐ حتے لحق بالغار۔ (تفسیر در منثور ج ۳ ص ۱۷۹)

قریش مکہ نے رات کو مشورہ کیا کہ حضرت رسولخدا صلعم کو قتل کر دیں اس کی خبر خدا نے آنحضرتؐ کو کر دی تو حضرت علیؑ آپ کی جگہ اس رات کو سو رہے اور حضرت رسولخدا صلعم ہجرت کر کے چلے یہاں تک کہ غار پر پہونچ گئے۔

اور علامہ فخرالدین رازی نے لکھا ہے:۔

فاوحی اللہ الی نبیہ بذلک واذن لہ فی الخروج الی المدینۃ وامرہ ان لایبیت فی مضجعہ واذن اللہ لہ فی الھجرۃ وامر علیا ان یبیت فی مضجعہ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۳۸)

پس خدا نے کفار مکہ کے اس مشورہ کی خبر وحی کے ذریعہ سے رسولؐ کو کر دی اور حضرتؐ کو ہجرت کر جانے کا حکم دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ اس شب کو اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ اور حکم دیا حضرت علیؑ کو کہ حضرت کی جگہ سوئیں

اور آیہ مبارکہ

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رءوف بالعباد (پ۲ ع۹)	لوگوں میں ایسے بزرگ بھی ہیں جو خوشنودی خدا کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں۔

کی تفسیر میں بھی مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کو حکم خدا ہوا کہ ہجرت کر جاؤ تو حضرتؐ شب کے وقت اپنی جگہ حضرت حضرت علیؑ کو سلا کر ہجرت کر گئے اور حضرت علیؑ کی اس شاندار خدمت پر یہ آیت حضرتؑ ہی کی فضیلت میں نازل ہوئی۔ مثلاً علامہ رازی نے لکھا ہے:-

نزلت فی علی ابن ابی طالب بات علی فراش رسول اللہؐ لیلۃ خروجہ الی الغار ویروی انہ لما نام علی فراشہ قام جبریل عند راسہ ومیکائیل عند رجلیہ وجبریل ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابی طالب یباھی اللہ بک الملائکۃ ونزلت الآیۃ۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ ص۲۸۲)	یہ آیہ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جس رات کو حضرت رسولخدا صلعم ہجرت کر کے غار کی طرف گئے ہیں تو حضرت علیؑ حضرت رسولؐ کے فرش پر سو رہے۔ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت علیؑ حضرت رسولخدا صلعم کے فرش پر سوئے تو جبرئیلؑ حضرتؑ کے سرہانے اور میکائیلؑ حضرتؑ کے پائیں کھڑے ہو کر کہنے لگے مبارک ہو مبارک ہو اے فرزند ابوطالب تمہارے ایسا کون ہو سکتا ہے کہ خدا تمہاری وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر و مباہات کر رہا ہے۔

اور آیہ مبارکہ

اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین الآیۃ (پ ۱۰ - ع ۱۲)	جب کافروں نے ان کو نکالا دو میں دوسرے پیغمبر تھے۔

کی تفسیر میں بھی شب ہی کو نکلنے کا ذکر ہے۔ مثلاً علامہ سیوطی لکھتے ہیں:-

لما خرج رسول اللہؐ من اللیل لحق بغار ثور قال وتبعہ ابوبکرؓ	جب حضرت رسولخدا صلعم رات کو ہجرت کر کے نکلے تو غار ثور پر پہونچ گئے اور حضرت ابوبکر

فلما سمع رسول اللہ حسہ خلفہ خاف ان یکون الطلب فلما رای ذلک ابو بکر رض تنحنح فلما سمع ذلک رسول اللہ ؐ عرفہ فقام لہ حتے تبعہ فاتیا الغار۔

نے آپ کا پیچھا کیا۔ جس وقت حضرت رسولخدا صلعم کو حضرت ابو بکر کی آہٹ ملی تو ڈرے کہ کفار مکہ مجھے پکڑنے آ گئے۔ حضرت ابو بکر اس بات کو سمجھ گئے اور کھنکار دیا جس کو رسولخدا صلعم نے سنا تو کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ابو بکر حضرتؐ کے ساتھ غار پر پہونچے۔

دوسری روایت بھی قابل ملاحظہ ہے:۔

عن ضبتہ بن محصن العبدی قال قلت لعمر بن الخطاب رض انت خیر من ابی بکر فبکے وقال واللہ للیلتہ من ابی بکر ویوم خیر من عمر ھل لک ان احدثک بلیلتہ ویومہ قال قلت نعم یا امیر المومنین قال اما لیلتہ فلما خرج رسول اللہ ؐ ھاربا من اھل مکتہ خرج لیلا فتبعہ ابو بکر رض

(تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۴۰)

ضبہ بن محصن عبری کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ حضرت ابو بکر سے بہتر ہیں اس پر وہ رونے لگے اور کہا خدا کی قسم ابو بکر کی ایک رات اور ایک دن عمر سے بہتر ہے۔ میں تم سے اس رات اور دن کا حال بیان کروں۔ ضبہ نے کہا ہاں۔ تب حضرت عمر نے کہا ان کی رات تو وہ تھی جب حضرت رسولخدا صلعم مکہ والوں کی وجہ سے رات کو مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے تو حضرت کے پیچھے ابو بکر بھی چلے گئے۔

مختصر یہ کہ جس طرح یہ بیان کہ حضرت رسولخدا صلعم دوپہر کو حضرت ابو بکر کے گھر پہونچے اور حضرت ابو بکر کے ساتھ ہجرت کر گئے غلط ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہ آنحضرت صلعم سے اجازت لے کر حضرت ابو بکر آپ کے ساتھ ہوئے خلاف واقعہ ہے۔ جس کی تکذیب بکثرت معتبر روایتیں کر رہی ہیں۔ اور اصول درایتہ سے بھی یہ کسی طرح صحیح نہیں ثابت ہوتا۔

گیارہویں فصل

سفرِ ہجرت کے کارنامے

گزشتہ فصل میں اس امر کی تحقیق کی گئی ہے کہ آنحضرت صلعم کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکر خود ہی حضرتؐ کے پیچھے تشریف لے گئے اور حضرت آپ کے اس ارادہ سے اس درجہ بے خبر تھے کہ ممدوح راہ میں پہونچے اور آپ کی آہٹ حضرت کو ملی تو حضرتؐ ڈرے کہ کفار پہونچ گئے۔ ملنے کے بعد حضرت ابوبکر نے دو اونٹنیاں پیش کیں کہ ان سے جو پسند ہو اپنی سواری کے لئے قبول فرمالیں۔ حضرت نے فرمایا اس شرط سے کہ قیمت پر دو۔ حضرت ابوبکر فوراً راضی ہوگئے اور دو سو درہم کی ایک اونٹنی حضرتؐ کے ہاتھ نو سو درہم کو (سات سو درہم نفع لے کر) بیچ دی۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ۷۷)۔ تمام کتب حدیث و تاریخ و سیرۃ میں یہ واقعہ اسی طرح مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا یہ قیمت اور حضرت ابوبکر نے منظور کرلیا۔ حالانکہ موقع تھا کہ حضرت ابوبکر کہتے "یا حضرتؐ قیمت کی کیا ضرورت ہے یہ تو آپ ہی کا مال ہے" یا اصرار کرتے کہ "نہیں میں قیمت نہیں لوں گا"۔ حضرت سے الحاح کرتے اور حضرت کے ایک ہی دفعہ انکار فرمانے پر قیمت لینے کے لئے راضی نہیں ہو جاتے۔ جس طرح آپ پہلے بھی آنحضرتؐ کے انکار پر بعض اوقات اصرار کرتے رہتے تھے۔ مثلاً جب ابتدار اسلام میں آپ کی خواہش ہوئی کہ اب ظاہر ہو جانا چاہیے اُس وقت کی حالت پہلے لکھی جاچکی ہے کہ

الح ابوبکر علے رسول اللہ فی الظہور فقال یا ابابکر انا قلیل۔ فلم یزل یلح علیہ حتے ظہر رسول اللہ ؐ (تاریخ خمیس	حضرت ابوبکر نے حضرت رسولخدا صلعم سے اصرار کیا کہ اب ظاہر ہو جانا چاہیے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے ابوبکر ہم لوگ کم ہیں مگر حضرت ابوبکر برابر اسکے لئے الحاح کرتے رہے یہاں تک کہ

جلد ا صـ ۳۳۴) | حضرتؐ ظاہر ہو گئے۔

(اس واقعہ کی تفصیل اس کتاب کے پہلے حصہ کی پہلی فصل اور دوسرے حصہ کی پانچویں فصل میں گذر چکی ہے [۱])۔ اسی طرح اس موقع پر بھی الحاح کرتے کہ نہیں میں قیمت نہیں لوں گا۔ حضرتؐ انکار ضرور فرماتے مگر آپ بھی اپنی بات پر اسی طرح قائم رہتے اور دیکھتے کہ آپ کے قیمت نہ قبول کرنے پر حضرتؐ کیا کرتے ہیں۔ لیکن کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ حضرت ابوبکر نے ایک مرتبہ بھی فرمایا ہو کہ "یا حضرتؐ اس کو میری طرف سے مفت ہی قبول فرمالیں"۔

اس امر کی وجہ کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کی اونٹنی بغیر قیمت کیوں نہیں لی علماء محققین نے یہ لکھی ہے:۔

احب ان لا تکون ھجرتہ الا من مال نفسہ (فتح الباری شرح صحیح بخاری پ ۱۵ صـ ۱۶۴)	حضرتؐ نے اس بات کو پسند کیا کہ حضرتؐ کی ہجرت حضرتؐ کے اپنے ہی مال سے ہو۔

مگر سوال یہ ہے کہ حضرتؐ نے کیوں اس بات کو پسند کیا۔ اور صرف ہجرت ہی کے لئے یہ مغایرۃ کیوں مخصوص کی۔ یہ بھی اسلام ہی کا کام تھا اور اس کے قبل بھی آنحضرت صلعم جو کچھ کرتے تھے اسلام ہی کے لئے کرتے تھے۔ ہجرت کے قبل کے متعلق تو بیان کیا جاتا ہے کہ ممدوح نے اپنا بہت مال آنحضرتؐ کی خوشی اور اسلام کی راہ میں خرچ کر دیا تھا۔ پس اگر وہ روایتیں صحیح ہیں تو اسکی کیا وجہ کہ آنحضرتؐ کا اصول ہجرت کے موقع پر بدل گیا؟ غرض اگر اس کو تسلیم کریں کہ حضرتؐ نے اس موقع پر دوسرے کا مال خرچ کرنا پسند نہیں کیا تو ماننا پڑیگا کہ اس کے قبل بھی آنحضرتؐ نے اسلام کی حمایت یا مسلمانوں کی اعانت میں حضرت ابوبکر کا مال خرچ ہونا پسند نہیں کیا اس سبب سے کہ حضرتؐ کا ہر فعل حکیم خدا کا تابع تھا اور خدا کا حکم کبھی کچھ اور کبھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس نے صاف طور پر فرمادیا ہے:۔

لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (پ ۲۲ - ع ۵)	تم لوگوں کو خدا کے اصول میں کوئی تغیر و تبدل نہیں مل سکتا۔

[۱] دیکھو اس کتاب کے صـ ۱۴۱ و ۱۶۵ میں ۱۲

اسی سفر کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ اور اسماء نے ناشتا طیار کیا اور حضرتؐ کے ساتھ دیا۔ پھر اس کو آنحضرت صلعم نے کیوں قبول کیا؟ کیا وہ ناشتا ہجرۃ میں نہیں خرچ ہوا؟ اور کیا وہ کھانا حضرتؐ کے اپنے مال سے تھا؟ کوئی عقل اس کو قبول کر سکتی ہے کہ کھانا جو حضرت ابو بکر ہی کے مال کا تھا اور اسی سفر ہجرت کے لئے طیار کیا گیا اس کو تو آنحضرت صلعم نے قبول کیا اور کوئی عذر نہیں کیا۔ مگر انٹنی سے کہ وہ بھی حضرت ابو بکر ہی کے مال کی تھی حضرتؐ نے انکار کیا۔ ایسے رسولؐ کو لوگ کیا سمجھیں گے؟ بلکہ کوئی معمولی شخص ایسا کرے تو لوگ اس پر کس قدر ہنسینگے۔ اس کے بعد کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کھانا صبح و شام حضرت ابو بکر ہی کے گھر سے جاتا تھا علامہ ابن ہشام وغیرہ نے لکھا ہے:۔

کانت اسماء بنت ابی بکر تاتیهما من الطعام اذا امست بما یصلحهما۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۸)	حضرت ابو بکر کی صاحب زادی جناب اسماء ہر روز شام کو ان دونوں بزرگوں کے لئے کھانا پہونچا آتی تھیں۔

یہ یقینی ہے کہ یہ کھانا بھی آنحضرت صلعم کے مال سے نہیں ہوتا تھا پھر حضرتؐ اس کو کیوں قبول فرماتے تھے؟ ان تمام باتوں کے جمع کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرتؐ کے ساتھ حضرت ابو بکر کے جانے کی روایت خلاف واقعہ ہے اور چونکہ اسی کی جزئیات ناشتے یا کھانے کا جانا بھی ہے اس وجہ سے یہ باتیں بھی موضوع ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابو بکر آنحضرت صلعم کے جانے کے بعد حضرتؐ سے ملے اور اپنی انٹنی پیش کی تو حضرتؐ نے آپ کی تالیف قلب کے لئے وہ انٹنی قبول فرمائی اور ممدوح کی مدد کی غرض سے بجائے دو سو درہم کے نو سو درہم عنایت فرما دیئے۔ لیکن حضرتؐ نہ اس پر سوار ہوئے اور نہ حضرت ابو بکر کے گھر سے کھانا گیا اور نہ کبھی حضرتؐ نے اس کو کھایا بلکہ ان سب کا انتظام خود حضرتؐ کے نفس مبارکہ جناب امیر علیہ السلام کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ جلیل القدر جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں

عن ابن عباس رض قال لما خرج رسول اللہ ص من اللیل لحق بغار ثور	حضرت ابن عباس فرماتے تھے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم رات کو نکل کر غار ثور تک پہونچ گئے

قال وتبعه ابو بکر رض فلما سمع رسول اللہ ص حسه خلفه خاف ان یکون الطلب فلما رای ذلک ابو بکر رض تنحنح فلما سمع ذلک رسول اللہ ص عرفه فقام له حتے تبعه فاتیا الغار.... فمکث هو وابو بکر رض فی الغار ثلاثة ایام یختلف الیهم بالطعام عامر ابن فهیرة وعلی یجهزهم فاشتروا ثلاثة اباعر من ابل البحرین واستاجر لهم دلیلا فلما کان بعض اللیل من اللیلة الثالثة اتاهم علی رض بالابل فرکب رسول اللہ ص راحلته ورکب ابو بکر اخری فتوجهوا نحو المدینة۔

(تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۴۰)

اور حضرت ص کے پیچھے حضرت ابو بکر بھی روانہ ہوئے تو حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے عقب میں کچھ آہٹ محسوس کی جس سے ڈرے کہ گرفتار کرنے والے کفار آ گئے۔ جب حضرت ابو بکر نے حضرت ص کی یہ حالت دیکھی تو کھنکھارے جس کوسُن کر حضرت ص نے انھیں پہچانا اور ان کے لئے کھڑے ہو گئے پھر دونوں بزرگ غار تک گئے۔ اس غار میں آنحضرت اور ابو بکر تین دن تک ٹھہرے رہے عامر بن فہیرہ حضرت کے پاس کھانا لاتا اور حضرت علی ع اس کا سامان کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت علی ع نے اہل بحرین سے تین اونٹ خریدے اور ایک راہ دکھانے والے کو بطور مزدور مقرر کر لیا۔ جب تیسری رات کا کچھ حصہ گذرا تو حضرت علی ع اس اونٹ اور راہبر کو لیکر حضرت کی خدمت میں آئے اُس وقت حضرت علی ع ہی کے ایک اونٹ پر آنحضرت صلعم اور دوسرے پر حضرت ابو بکر سوار ہو کر مدینہ کیطرف روانہ ہو گئے۔

اس روایت سے کل امور کی اصلیت واضح ہو گئی کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابو بکر کو ساتھ نہیں لیا نہ دوپہر کو ہجرت کی نہ ممدوح حضرت کے ساتھ گئے۔ نہ آنحضرت نے ممدوح کے گھر کا کھانا کھایا اور نہ ممدوح کی نو سو درہم والی اونٹنی پر حضرت ص سوار ہوئے۔ حضرت ابو بکر کی اونٹنی کو مفت قبول نہ کرنے کی وجہ شاہ عبدالحق صاحب وغیرہ نے یہ لکھی ہے:۔

حکمت در خریدن ناقہ از ابو بکر

باوجودیکہ حضرت ابو بکر اور آنحضرت ص میں بڑی دوستی

صدیق باوجود نہایت صدق او وادعاء
اتحاد وسابقہ باتفاق ابوبکر اموال کثیرا
بر آنحضرت ص آں بود کہ نہ خواست کہ درراہ
خدا استمداد و استعانۃ از کسے جوید
چنانکہ خلاصہ اشارت آیۃ لا تشرک
بعبادۃ ربہ احدا در آں ناظر است
(مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ ۷۴)

تھی اور ممدوح کو آنحضرت ص سے اتحاد کا
ادعا تھا اور پہلے بہت مال آپ نے آنحضرت
پر خرچ کر دیا تھا پھر بھی اس وقت آنحضرت
کے ابوبکر سے اونٹنی خرید کر لینے میں حکمت یہی تھی کہ حضرت
نے نہ چاہا کہ خدا کی راہ میں کسی سے مدد اور اعانت چاہیں
جیسا خدا نے آپکو حکم دیا تھا کہ اپنے رب کی
عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا۔

اس سے بھی واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر کے گھر سے آنحضرت ص کے لئے ناشتا اور بعد
کو کھانا جانا خلاف واقعہ ہے کیونکہ اس صورت میں آنحضرت معاذاللہ حکم خدا کی مخالفت
کے مرتکب ہوتے۔ رہا حضرت علیؑ کے ہاں سے اونٹ اور کھانا آنا تو حضرت علیؑ
آنحضرت صلعم کے نفس ہی تھے آپ کا کل مال حضرت رسول اللہ ص ہی کا تھا وہ کسی طرح شریک
فی العبادۃ نہیں تھا۔ جب آنحضرت بلکہ خود خدا نے آنحضرت ص کی اس عبادۃ میں حضرت
علیؑ کا نفس خرید کر آپ کو شریک کر دیا تو آپ کے مال کی کیا حقیقت تھی۔ غرض جب آنحضرت
صلعم نے اس راہ میں حضرت ابوبکر کی اونٹنی تک مفت نہیں لی تو کھانا کیوں لیتے۔ اور
جب حضرت علیؑ کی جان تک قبول فرمالی تو آپ کے اونٹ اور کھانے میں کیوں تامل
فرماتے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے ہجرت کے پہلے ہی جناب امیر علیہ السلام کو
حکم دیا تھا کہ تم ہی میرے لئے کھانا بھیجنا۔ سواری کا انتظام کرنا اور ایک راہ دکھانے
والا مزدور بھی مقرر کر کے روانہ کر دینا جیسا کہ مورخین نے بتصریح لکھا ہے کہ چلتے
وقت آنحضرت صلعم نے جناب امیرؑ سے فرمایا:-

ارسل الی بطعام واستاجر لی دلیلا
یدلنی علی طریق المدینۃ واشتر
لی راحلۃ ثم مضی رسول اللہ ص
(تاریخ طبری جلد ۲ صـ ۲۴۴)

میرے پاس کھانا بھیجتے رہنا اور ایک اجیر
جو مجھے مدینہ کی راہ بتاتا رہے مقرر کر لینا اور
میرے لئے ایک سواری بھی خرید لینا اسکے
بعد حضرت روانہ ہو گئے۔

اس سفر میں حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلعم کی جو خدمتیں کیں ان میں یہ امر بھی بیان

کیا جاتا ہے۔ حضرت ممدوح خود فرماتے تھے:-

ارتحلنا من مكة فاحيينا
اوسرينا ليلتنا ويومنا حتى
اظهرنا وقام قائم الظهيرة
فرميت ببصري هل ارى
من ظل فاوى اليه۔
فاذا صخرة اتيتها فنظرت
بقية ظل لها فسويته
ثم فرشت للنبیؐ ثم
قلت له اضطجع يا نبي الله
فاضطجع النبیؐ ثم انطلقت
انظر ما حولى هل ارى
من الطلب احدا۔ فاذا
انا براعي غنم يسوق
غنمه الى الصخرة يريد
منها الذى اردنا فسألته
فقلت لمن انت يا غلام
قال لرجل من قريش
سماه فعرفته فقلت فهل
فى غنمك من لبن۔ قال نعم۔

ہم لوگ مکہ سے روانہ ہوئے تو رات بھر جگتے
یا رات بھر چلتے رہے [ل] اور دوسرے دن
بھی چلتے رہے یہاں تک کہ دوپہر کو بھی چلے
جب ٹھیک دوپہر کے وقت دھوپ سخت
ہوگئی تو میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی کہ
سایہ کی کوئی جگہ مل جائے تو وہاں آرام
کروں۔ ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا
اس جگہ کو جھاڑ کر حضرتؐ کے لئے فرش بچھا دیا
اور عرض کی اے رسولخدا آرام فرمایئے۔ حضرت
لیٹے تو میں تلاش میں نکلا کہ دیکھوں ہم لوگوں
کے طلب کرنے والے ابھی پہونچے یا نہیں
اتنے میں ایک چرواہا ملا جو پاس ہی بکریاں
چرا رہا تھا وہ بھی اسی سایہ کے پاس آرام لینے
کے لئے اپنی بکریوں کو ہانکے لا رہا تھا۔
میں نے اُس سے پوچھا اے لڑکے تو کس کا
چرواہا ہے۔ اس نے کہا قریش کے فلاں
شخص کا ہوں۔ میں اس شخص کو جس کا وہ چرواہا
تھا اور جس کا اُس نے نام بتایا، پہچانتا تھا۔
تب میں نے اس لڑکے سے دریافت کیا تیری

[ل] پہلے حضرت عائشہ کی روایت ذکر کی گئی ہے جس سے واضح ہے کہ ان بزرگوں نے
دوپہر کو ہجرت کی۔ اور خود حضرت ابوبکر رات کو ہجرت کرنا بیان کرتے ہیں ظاہر
ہے کہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہوسکتیں

قلت فهل انت حالب لبنا
قال نعم فامرته فاعتقل
شاة من غنمه - ثم امرته
ان ينفض ضرعها من الغبار
ثم امرته ان ينفض
كفيه فقال هكذا ضرب
احدے كفيه بالاخرے
فحلب لی كثبة من لبن
وقد جعلت لرسول اللہؐ
اداوة علے فمها خرقة
فصببت علے اللبن
حتے برد اسفله
فانطلقت به الے
النبیؐ فوافقته قد
استيقظ - فقلت اشرب
يارسول الله - فشرب حتے
رضيت ثم قلت قد
آن الرحيل يارسول الله
قال بلے - فارتحلنا والقوم
يطلبوننا - فلم يدركنا
احد منهم غير سراقة
بن مالکؓ بن جعشم علے فرس له -
فقلت هذا الطلب قد لحقنا
يارسول اللہؐ - فقال

بکریوں میں کسی کے دودھ بھی ہے؟ اس نے
کہا ہاں - میں نے کہا تھوڑا دودھ دوہ دیگا؟
اس نے کہا ہاں - میں نے اس سے دوہنے
کو کہہ دیا - اُس نے ایک بکری کے پاؤں
باندھ دیئے پھر میں نے اس سے کہا کہ بکری
کا تھن گرد و غبار سے صاف کردے اور یہ
بھی کہا کہ اپنے دونوں ہاتھ جھاڑ دے -
اُس نے اسی طرح ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر
مار کر جھاڑا اور میرے لئے ایک پیالہ دودھ
دوہ دیا اور میں نے اس برتن کے منہ پر
حضرت رسولخدا صلعم کے لئے کپڑا لپیٹ دیا
کہ گرد نہ پڑنے پائے - پھر اس میں اس قدر
پانی ملایا کہ اس دودھ کے نیچے تک کا حصہ
ٹھنڈا ہوگیا - اسکے بعد وہ دودھ لے کر
آنحضرت صلعم کے پاس آیا تو دیکھا کہ حضرت جگ
گئے ہیں - پس اس دودھ کو پیش کرکے عرض
کی کہ اے رسولخداؐ اس کو پی لیجئے - حضرتؐ
نے پی لیا یہاں تک کہ میں راضی ہوگیا - پھر
عرض کی اے رسولخداؐ اب تو چلنے کا وقت
آگیا - حضرتؐ نے فرمایا ہاں - غرض ہم لوگ
وہاں سے روانہ ہوئے اور کفار مکہ ہم لوگوں
کو ڈھونڈھ رہے تھے مگر سراقہ کے سوا کسی نے
بھی ہم کو نہیں پایا - وہ البتہ اپنے گھوڑے
پر سوار آگیا تھا - جس کو دیکھ کر میں نے کہا کہ

لاتحزن ان اللہ معنا (صحیح بخاری پارہ ۱۴ ص۳۵۵ باب مناقب المہاجرین)

اے رسولخداؐ یہ دیکھئے! ہمیں تلاش کرنے والے آخر یہونچ ہی گئے!! یہ سُنتے ہی حضرتؐ نے فرمایا تم رنج نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اور بعض کتابوں میں فحلب لی کثبۃ من لبن کے بعد یہ جملہ بھی ہے "وقد رویتُ" (ریاض نضرہ جلد ۱ ص۸۲) اس کا معنے یہ ہوا کہ میں سیر ہو گیا۔ چنانچہ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب نے لکھا ہے "حتی رَوِیَ الناس۔ یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے یعنی خوب چھک کر پانی پی لیا۔ عرب لوگ کہتے ہیں رَوِیتُ ریًّا میں پانی سے سیر ہوا" (انوار اللغۃ پ ۱۶ ص۱۵۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر پر پیاس کا غلبہ تھا آپ نے پہلے اس دودھ سے سیر ہو کر پی لیا اور جو بچا وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے۔ مگر روایت بالا کی وجہ سے حضرت ابوبکر اور حضرت رسولخداؐ پر بڑے بڑے اعتراضات ہوئے ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:-

قال المہلب بن ابی صفرۃ انما شرب النبیؐ من لبن تلک الغنم لانہ کان حینئذ فی زمن المکارمۃ ولا یعارضہ حدیثہ لا یحلبن احد ماشیۃ احد الا باذنہ لان ذلک وقع فی زمن التشاح او الثانی محمول علی التسور والاختلاس والاول لم یقع فیہ ذلک بل قدم ابوبکر سوال الراعی ہل انت حالب۔ فقال نعم

مہلب بن ابی صفرہ کہتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ان بکریوں کا دودھ اس سبب سے پیا کہ حضرت اس وقت کفار مکہ سے مقابلہ کے موقع پر تھے۔ لہذا حضرت کا یہ فعل اس حدیث کے خلاف نہیں ہو سکتا جس میں خود حضرتؐ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی کی چرنے والی بکری یا بھیڑ یا اونٹنی وغیرہ بغیر مالک کی اجازت کے نہ دوہے۔ اس لئے کہ حضرتؐ کا یہ فعل تو لڑائی جھگڑے کے موقع پر ہوا۔ یا دوسری حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ کوئی شخص کسی کا دودھ اُس کے گھر میں گھس کر یا چھین کر یا اُچک کر نہ لے۔ اور حضرت ابوبکر کا فعل اس طرح

كانه سأله هل اذن
لك صاحب الغنم في
حلبها لمن يرد عليه
فقال نعم - او جرى
على العادة المالوفة
للعرب في اباحة ذلك
والاذن في الحلب على
المار ولابن السبيل
فكان كل راع
ماذونا له في ذلك -
وقال الداؤدي انما
شرب من ذلك على
انه ابن سبيل وله
شرب ذلك اذا احتاج
ولا سيما النبي والبعد
من قال انما استجازه
لانه مال حربي لان
القتال لم يكن فرض بعد
ولا ابيحت الغنائم
(فتح الباري شرح صحيح البخاري
پاره ۱۴ صـ ۳۵۵ باب
مناقب المهاجرين)

نہیں ہوا بلکہ آپ نے تو پہلے چرواہے سے
پوچھا کہ کیا تو دودھ دوہتا بھی ہے۔ اس نے
کہا ہاں۔ تو اس کا مطلب یہی تھا کہ گویا
حضرت ابو بکر نے چرواہے سے پوچھا کہ کیا
ان بکریوں کے مالک نے تجھ کو اجازت دی ہے
کہ جو شخص دودھ مانگے اس کو دے دینا۔ اس پر
اس نے کہہ دیا ہاں (یعنی ہاں اجازت دی ہے)
یا حضرت ابو بکر کا یہ فعل کہ بغیر مالک کی اجازت کے
دودھ لے لیا عرب کی مشہور و معروف عادت کے
مطابق ہوا ہو کہ وہ اس کو جائز سمجھتے ہیں اور راستہ
چلنے والوں نیز مسافروں کے لئے دودھ دوہ لینے کی
اجازت دے دیتے ہیں تو اس کی وجہ سے ہر چرواہے
کو اجازت رہتی تھی کہ جس کو چاہے دودھ دیدے
اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت نے اس دودھ
اس سبب سے پیا کہ آپ ابن سبیل (مسافر) تھے اور
ابن سبیل کو اختیار ہے کہ جب اس کا محتاج ہو تو
پی لے خاصکر رسولخدا صلعم کو تو ایسا کرنے کا زیادہ
حق تھا۔ اور جس نے کہا ہے کہ حضرت ابو بکر نے اسکو
اس وجہ سے جائز سمجھا کہ وہ مال حربی تھا (یعنی اس قوم
کا تھا جس سے جنگ قائم تھی) تو بعید از عقل بات کہی اس لئے
کہ ابھی تو کافروں سے لڑائی فرض نہیں ہوئی تھی اور نہ
ان لوگوں کی بکریاں مباح کی گئی تھیں۔

لیکن جس قدر تاویلیں علامہ ممدوح نے ذکر کیں اگر ان میں سے ایک بھی صحیح ہوتی تو
شارحین کو اس فعل پر اتنے اعتراضات کی جرءت ہی نہیں ہوتی۔ لطف یہ ہے

کہ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب اللقطہ (پڑی ہوئی یا پائی ہوئی چیز) میں بھی ذکر کیا ہے۔ پس اگر عرب کی یہی عادت تھی کہ ہر راہ چلنے والے کے لئے ان کی عام اجازت رہتی تھی کہ جس بکری کا جس قدر دودھ چاہیں دوہ لیں تو امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب اللقطہ (پ ۹) میں کیوں ذکر کیا۔ اس کتاب اللقطہ میں اس حدیث کی شرح کے موقع پر علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

ان المسیح للبن هنا انه فی حکم الضائع اذ لیس مع الغنم فی الصحراء سوے راع واحد فالفاضل عن شربه مستهلك فهو كالسوط الذی اغتفر التقاطه واعلى احواله ان یکون کالشاۃ الملتقطة فی الضیعة وقد قال فیها هی لك او لاخیك او للذئب اه ولا یخفی ما فیه من التکلف ... وحکی ابن البطال عن بعض شیوخه ان ابابکر استجاز اخذ ذلك اللبن لانه مال حربی فکان حلالا له وتعقبه المهلب بان الجهاد وحل الغنیمة انما وقع بعد الهجرۃ بالمدینة

اس دودھ کی جائز کرنے والی دلیل یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکر اس کو نہیں لے لیتے تو وہ گویا ضائع جاتا اس لئے کہ اس صحرا میں بکریوں کے ساتھ سوا اس چرواہے کے کوئی نہیں تھا تو اس کے پینے سے زیادہ جو دودھ تھا وہ چھوڑ دینے سے خشک ہو کر برباد ہی تو ہو جاتا پس وہ دودھ مثل اس کوڑے کے تھا جس کا اُٹھا کر لے لینا معاف رکھا گیا ہے اور اس دودھ کی بہترین حالت یہ ہے کہ وہ مثل اس بکری کے تھا جو کسی جگہ سے پڑی ہوئی اُٹھالی جائے جس کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ تمہاری ہے یا تمہارے کسی بھائی کی یا بھیڑئیے کی۔ مگر یہ تاویل جس درجہ مہمل ہے ظاہر ہے۔

اور ابن بطال نے اپنے بعض شیوخ سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے اس دودھ کو اس سبب سے جائز سمجھا کہ وہ حربی مال تھا (یعنی اس قوم کا جس سے لڑائی تھی) اس سبب سے ان کے لئے حلال تھا۔ مگر مہلب نے اس تاویل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کافروں سے جہاد کرنا اور ان کے مال غنیمت

ولو کان ابوبکر اخذہ علی انہ مال حربی لم یستفہم الراعی هل یحلب ام لا - ولکان ساق الغنم غنیمۃ وقتل الراعی او اسرہ - (فتح الباری پارہ ۹ ص۲۷ کتاب اللقطۃ)

کو حلال سمجھنا تو ہجرت کے بعد مدینہ میں واقع ہوا۔ علاوہ بریں اگر حضرت ابوبکر نے اس دودھ کو حربی مال سمجھ کر لیا تو اس چرواہے سے پوچھا کیوں کہ تجھ کو دوہنے آتا ہے یا نہیں۔ اس کے عوض وہ کل بکریوں کو مال غنیمت سمجھ کر ہنکا لے گئے ہوتے اور چرواہے کو قتل کر دیا ہوتا یا قیدی بنا لیا ہوتا۔

امام بخاری نے اس حدیث کو علامات النبوۃ فی الاسلام (پارہ ۱۴) میں بھی ذکر کیا ہے۔ اسکی شرح میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

الظاهر ان مرادہ بهذا الاستفهام امعک اذن فی الحلب لمن یمر بک علی سبیل الضیافۃ وبهذا التقریر یندفع الاشکال الماضی فی اواخر اللقطۃ وهو کیف استجاز ابوبکر اخذ اللبن من الراعی بغیر اذن مالک الغنم (فتح الباری پ۱۴ ص۳۲۶)

ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے اس پوچھنے کا مطلب یہ تھا کہ کیا تجھ کو اس بات کی اجازت ہے کہ جو تیرے پاس سے گزرے اس کی مہمانی کرنے کے لئے تو دودھ دیا کر۔ اور اس تاویل سے وہ اعتراض اٹھ جاتا ہے جو کتاب اللقطۃ کے آخر میں ذکر کیا گیا کہ حضرت ابوبکر نے بغیر مالک کی اجازت کے وہ دودھ لیا کیوں۔

اسی طرح اس فعل کے جائز کرنے کی اور بہت سی صورتیں پیدا کی گئیں یہاں تک لکھ دیا گیا۔

هذا محمول علی استباحۃ اموال المشرکین (ریاض نضرہ ص۷۳)

حضرت ابوبکر کا یہ فعل اس اصول پر صحیح سمجھا گیا کہ مشرکین کا مال جس طرح ہو لے لینا جائز ہے۔

مگر پھر بھی علماء محققین ان تاویلوں کو رکیک اور غیر معقول بھی فرماتے ہیں۔ زیادہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چرواہا ناسمجھ نہیں تھا بلکہ انسانی اخلاق کا پورا پابند اور با معرفت شخص تھا۔ اس نے شروع میں عذر کیا۔ تہذیب سے انکار

کیا وہ خود کہتا تھا

کنت غلاما یافعا فی غنم لعقبۃ بن ابی معیط ارعاھا فاتی علی النبی ؐ وابو بکر فقال یا غلام ھل معک من لبن - قلت نعم ولکنی مؤتمن -

میں ہوشیار لڑکا تھا اور عقبہ ابن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا - ایک مرتبہ میرے پاس رسول ؐ اور ابوبکرؓ آئے - انھوں نے کہا اے لڑکے تیرے پاس کچھ دودھ ہے؟ میں نے کہا ہاں ہے تو مگر میں امانت دار ہوں -

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے اس سے کہا ہمیں دودھ پلا دے مگر اس نے انکار کیا -

فقال یا غلام عندک من اللبن تسقینا - قلت انی مؤتمن ولست بساقیکما (ریاض نضرہ صہ)

حضرت ابوبکر نے کہا اے لڑکے تیرے پاس دودھ ہے - اس سے ہمیں پلا دے - میں نے کہا میں اس دودھ کا امانت دار ہوں - تم لوگوں کو نہیں پلا سکتا -

لیکن ظاہر ہے کہ وہ نابالغ لڑکا تھا اور حضرت ابوبکر پچاس سال سے زیادہ عمر کے تھے - اس کا انکار کب تک رہ سکتا تھا - آپ نے اس کو حکم دیا کہ بکری میرے پاس لا - وہ ڈرا ہوگا کہ اگر بکری نہیں لاتا ہوں یا دوہتا نہیں ہوں تو ممکن ہے ممدوح مجھے ماریں یا اور طرح ستائیں یا قتل کر دیں یا بکریاں ہنکالے جائیں اس وجہ سے اس نے دودھ دیا - دوسری روایۃ میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے اس سے کہا میرے پاس بے دودھ والی بکری لا - وہ لایا -

فاعتقلھا ابوبکر واخذ رسول اللہ الضرع ودعا فحفل الضرع واتاہ ابوبکر بصخرۃ منقعرۃ فحلب فیھا ثم شرب ھو وابوبکر

تو حضرت ابوبکر نے اس کے پاؤں باندھ دئیے اور حضرت رسولخدا صلعم نے اس کا تھن پکڑ کر دعا کی جس پر وہ تھن دودھ سے بھر گیا - پھر حضرت ابوبکر ایک گڑھے دار پتھر اٹھا لائے اس میں دودھ دوہا اور اس کو دونوں بزرگوں

ثم سقیانی (ریاض نضرہ ۷۲) نے پیا اور مجھے بھی پلایا۔

اس روایتہ سے ثابت ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی دعا سے بے دودھ والی بکری نے دودھ دے دیا۔ مگر اس دودھ کے جائز ہونے کی بھی تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ وہ بکری یقیناً دوسرے شخص کی تھی اور گو اُس وقت اس میں دودھ نہیں تھا بلکہ حضرت رسولخدا صلعم ہی کی دعا سے پیدا ہو گیا لیکن اس کا استعمال بھی تو بغیر مالک کی اجازت کے حرام ہی تھا۔ کسی شخص کے درخت میں اگر آنحضرتؐ کی دعا سے پھل آجائیں یا کسی جانور میں آنحضرتؐ کی دعا سے دودھ پیدا ہو جائے تو بغیر اس درخت یا جانور کے مالک کی اجازت حاصل کئے ہوئے اس کا پھل یا دودھ آنحضرت صلعم یا حضرت ابو بکر کے لئے کس شریعتہ کے مطابق جائز ہو سکتا ہے؟

حضرت کے کارناموں میں یہ امر بھی بڑے اہتمام سے بیان کیا جاتا ہے حضرت عمر فرماتے تھے:-

فلما خرج النبیؐ ھاربا من اہل مکتہ خرج لیلا فتبعہ ابو بکر فجعل یمشی مرۃ امامہ ومرۃ خلفہ ومرۃ عن یمینہ ومرۃ عن یسارہ۔ فقال لہ رسول اللہؐ ما ھذا یا ابا بکر؟ ما اعرف ھذا من فعلک۔ قال یا رسول اللہ اذکر الرصد فاکون امامک واذکر الطلب فاکون خلفک ومرۃ عن یمینک ومرۃ عن یسارک لا آمن علیک قال فمشی رسول اللہؐ لیلتہ علی اطراف

جب حضرت رسولؐ اہل مکہ کے ڈر سے بھاگ کر نکلے اور رات کو روانہ ہوئے تو حضرت ابو بکر بھی ان کے پیچھے گئے۔ اور کبھی حضرتؐ کے آگے کبھی پیچھے کبھی حضرتؐ کے داہنے کبھی بائیں چلتے تھے۔ یہ دیکھ کر ان سے حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا اے ابو بکر یہ کیا کرنے لگے؟ پہلے تو میں نے تم کو ایسی حرکت کرتے کبھی دیکھا نہیں۔ ابو بکر نے کہا اے رسولخدا میں گھات میں رہنے والوں کا خیال کرتا ہوں کہ شاید وہ موجود ہوں۔ اور پیچھے سے آنے والوں کا خوف کرتا ہوں اس وجہ سے آپ کے پیچھے چلتا ہوں اور اسی غرض سے کبھی آگے اور کبھی پیچھے چلنے لگتا ہوں کیونکہ آپ کے

اصابعه حتے حفیت رجلاہ
فلما رآے ابوبکر انها قد
حفیت حمله علے کاهله
وجعل یشتد به حتے
اتے به فم الغار فانزله
ثم قال والذی بعثك
بالحق لا تدخله حتے ادخله
فان کان فیه شئ نزل
بی قبلك فدخل فلم یر فیه
شیئا فحمله وکان فی
الغار خروق فیها حیات
وافاعی - فخشے ابوبکر ان
یخرج منها شئ یؤذی
رسول الله ص فالقمه
قدمه فجعلن یضربنه
ویلسعنه الحیات
والافاعی وجعلت
دموعه تتحادر ورسول
الله ص یقول له یا
ابا بکر لا تحزن
ان الله معنا -

(ریاض نضرہ جلد ۱
ص ۶۳ وتاریخ خمیس جلد ۱
ص ۳۶۸ وغیرہ)

بارے میں مجھے اطمینان نہیں ہے۔ حضرت عمر
کہتے تھے کہ رات بھر حضرت رسولخدا صلعم اپنی
انگلیوں کی نوکوں پر چلتے رہے یہاں تک
کہ آپ کے پاؤں تھک گئے۔ جب حضرت
ابوبکر نے یہ دیکھا کہ حضرتؐ کے پاؤں تھک
گئے تو آپ کو اپنے کاندھے پر اٹھالیا اور
دوڑنا شروع کیا یہاں تک کہ غار کے منہ
پر لاکر اُتارا اور کہا آپ کو خدا کی قسم جب تک
میں اس میں نہ جالوں آپ نہ جائیں۔ کیونکہ اگر
اس میں کوئی (سانپ بچھو وغیرہ) ہوگا تو مجھ
ہی کو اذیت پہونچائے آپ بچ جائیں۔
غرض حضرت ابوبکر اس میں گئے مگر انہیں
کوئی چیز دکھائی نہیں دی تو حضرتؐ کو بھی
اُٹھا کر لے گئے۔ اس غار میں بہت سے
سوراخ تھے جن میں سانپ اور اژدھے بھرے
تھے۔ اس پر حضرت ابوبکر کو خوف ہوا کہ
ایسا نہ ہو کہ کوئی جانور نکل کر حضرت رسولخدا
کو اذیت پہونچائے یہ سوچ کر آپ نے اپنا
قدم سوراخ پر رکھ دیا۔ اس کے سانپ
اور اژدہے حضرت ابوبکر کے پاؤں میں
کاٹنے لگے جس کی وجہ سے حضرت ابوبکر کی
آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوئے۔
اس پر حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے اے
ابوبکر رنج نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس فعل کی حکمت سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ اگر اُس وقت آسمان پر ابر وغیرہ نہیں تھا تو ستاروں سے اتنی روشنی ضرور ہو گی کہ اگر آنحضرتؐ کے آس پاس کوئی شخص ہوتا تو ضرور نظر آتا۔ پھر حضرت ابوبکر کے اس طرح چلنے سے کیا فائدہ تھا۔ اور اگر ابر وغیرہ تھا تب بھی یہ فعل بے وجہ سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس وقت آپ آگے جاتے تھے اس وقت پیچھے سے کوئی شخص آ کر حضرت پر حملہ کر دیتا اور جب پیچھے جاتے تھے تو آگے کا کوئی جاسوس پکڑ لے سکتا تھا۔ ساتھ ہی یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ گھات میں کوئی شخص اُس وقت ہوتا ہے جب کسی مکان یا درخت وغیرہ کی آڑ ہو۔ یہ دونوں بزرگ تو میدان میں جا رہے تھے جو ایسا چٹیل تھا کہ دن کو سایہ تلاش کیا جاتا تھا تو نظر نہیں آتا تھا۔ ایسی حالت میں حضرت ابوبکر کے آگے پیچھے داہنے بائیں چلنے سے نفع کیا ہوتا۔ اسی سبب سے حضرت رسولخدا صلعم نے ممدوح کے اس فعل کو مہمل سمجھ کر اعتراض فرمایا کہ تم یہ کیا کرنے لگے اور ممدوح کے وجہ بتانے پر بھی آنحضرت صلعم نے اس پر اپنی پسندیدگی ظاہر نہیں فرمائی۔

روایت کے دوسرے حصہ میں ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم اس رات کو اپنی انگلیوں کی نوکوں پر چلتے رہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ کو خوف ہوا زمین پر حضرتؐ کے پاؤں کے نشان پڑ جائیں گے اور ان کو کافر آ کر دیکھ لیں گے۔ اسکی وجہ سے آنحضرتؐ کے پاؤں زخمی ہو گئے اور حضرت ابوبکر نے آپ کو اُٹھا لیا لیکن حضرت ابوبکر کے پاؤں کا نشان تو زمین پر پڑتا تھا۔ ممدوح کیوں اپنی انگلیوں کی نوکوں پر نہیں چلے اور جب آنحضرتؐ کو لے کر دوڑے تب آپ کے پاؤں کا نشان زیادہ گہرا پڑتا ہو گا پھر حضرت رسولخدا صلعم کے پاؤں کا نشان نہ پڑنے سے فائدہ کیا ہوتا۔ ایک شخص کے پاؤں کا نشان بھی کفار کو بتلانے کے لئے کافی تھا۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کی اونٹنی بھی مفت قبول نہیں کی اور اس کو پسند نہیں کیا کہ اس ہجرت میں دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھائیں۔ پھر حضرت ابوبکر کے کاندھے پر سوار ہونا کیوں پسند کرتے۔ حضرت ابوبکر کی اونٹنی سے زیادہ قیمتی ممدوح کا کاندھا تھا جب حضرتؐ نے اونٹنی لے کر حضرت ابوبکر کا احسان مند ہونا گوارا نہیں کیا تو آپ کے کاندھے پر سوار ہو کر اس سے بہت بڑے

احسان کا بوجھ اٹھانا کس عقل سے قبول فرماتے۔ کیا یہ شرک فی العبادۃ نہیں ہوتا؟ روایۃ
کے تیسرے حصہ پر بھی شبہ ہوتا ہے اس میں تو بیان یہ کیا گیا کہ حیات و افاعی نے
حضرت ابوبکر کے پاؤں میں کاٹنا شروع کیا اور آپ رونے لگے۔ حیۃ کہتے ہیں معمولی سانپ
کو اور افعی کہتے ہیں زہریلے بڑے سانپ بلکہ اژدہے کو جس سے واضح ہوتا ہے کہ بچھوؤں
نے ڈنک نہیں مارے بلکہ صرف سانپ اور اژدہے کاٹ رہے تھے اور معلوم ہے کہ بچھوؤں
کے کاٹنے پر انسان روتا ہے تڑپتا ہے۔ بے چین ہوتا ہے مگر سانپ کے کاٹنے پر عموماً
یہ حالت نہیں ہوتی بلکہ زیادہ تر لوگوں پر غفلت اور غشی طاری ہوتی ہے اور اسی بیہوشی
میں اکثر انسان ہلاک ہو جاتے ہیں مگر نہ معلوم اس غار کے سانپ کیسے تھے جن کے کاٹنے
سے حضرت ابوبکر کے آنسو بہتے جاتے تھے لیکن آپ پر نہ غشی طاری ہوئی نہ بے خبر ہوئے
بلکہ وہ اثر ظاہر ہوا جو بچھوؤں کے ڈنک مارنے سے ہوتا ہے۔ اور جب زمین اتنی
نرم تھی کہ آنحضرت صلعم اپنے پاؤں کا نشان پڑنے کے خوف سے انگلیوں کی نوکوں پر
چلتے تھے تو حضرت ابوبکر کو غار کے سوراخ پر پاؤں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اوپر سے
تھوڑی مٹی اٹھا کر اس سوراخ کو بند کر دیتے۔ مگر اس اعتراض سے بچنے کے لئے کہا جاتا
ہے کہ زمین پتھریلی تھی وہاں سے مٹی کیونکر نکلتی۔ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب
لکھتے ہیں "حتے حفیت رجلاہ فحملہ ابوبکر علے کاھلہ الی الغار۔ ہجرت کی
رات میں آنحضرت صلعم انگلیوں کی نوکوں پر چلے تاکہ مشرکین قدموں کا نشان نہ پا سکیں
یہاں تک کہ آپ کے پاؤں تھک گئے کیونکہ آپ ننگے پاؤں تھے اور آپ کو ننگے پاؤں
چلنے کی عادت نہ تھی۔ دوسرے رات کا وقت زمین پتھریلی اور شائد رستہ بھی بھول گئے
ہوں یا عمداً دوسرے چکر کے راستے سے گئے ہوں۔ چنانچہ دوسری روایت میں ہے
کہ رات بھر چلتے رہے آخر ابوبکرؓ آنحضرتؐ کو اپنے کاندھے پر بٹھا کر غار کے منہ تک
لے گئے" (انوار اللغۃ پ ۲ صہ ۱۰۲) یہ جملہ "تاکہ مشرک قدموں کا نشان نہ پا سکیں"
واضح کرتا ہے کہ زمین نہایت نرم تھی مگر آخر میں یہ کہنا کہ "زمین پتھریلی تھی" ثابت
کرتا ہے کہ قدموں کا نشان اس پر نہیں پڑ سکتا تھا اور آنحضرتؐ کا انگلیوں کی نوکوں پر
چلنا بے وجہ تھا۔ ایک اور امر قابل تعرض ہے۔ مورخین نے لکھا ہے:

ان ابابکر حین خرج الی الغار احتمل ماله کله وکان ذا مال وهو خمسة آلاف درهم او ستة آلاف فانطلق بها معه (تاریخ خمیس ج ۱ ص ۳۲۷)

جب حضرت ابوبکر غار کی طرف گئے تو اپنا کل مال ساتھ لیتے گئے۔ کیونکہ وہ بڑے مال دار تھے۔ اس موقع پر آپ کے پاس پانچ یا چھ ہزار درہم تھا۔ ان سب کو آپ اپنے ساتھ لے گئے۔

ظاہر ہے کہ پانچ چھ ہزار درہم کا بوجھ کافی ہوگا اور اس گرانبار رقم کو ممدوح اپنے کاندھے ہی پر رکھے ہوں گے۔ پھر اس کے ساتھ آپ آنحضرت صلعم کو اٹھا کر کس طرح لے گئے۔ جو شخص کسی کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر چلتا ہے وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کو پکڑے رہتا ہے اور حضرت ابوبکر تو دوڑتے تھے اس صورت میں آپ زیادہ قوت سے آنحضرت صلعم کو اٹھائے ہوئے جاتے ہوں گے۔ اب اگر وہ پانچ چھ ہزار درہم کی گٹھری دوسرے کاندھے پر بھی تو وہ ٹھہری کیوں کر کیونکہ حضرت ابوبکر کا ہاتھ تو اس کو روک نہیں سکتا تھا۔ دو ہاتھ سے ممدوح کس کس چیز کو پکڑ سکتے تھے۔ اور اگر ایک ہی کاندھے پر آنحضرت صلعم بھی تھے اور درہموں کی گٹھری بھی اور حضرت ابوبکر دوڑے جاتے تھے تو آنحضرت صلعم کی مصیبت کا اندازہ نہیں ہو سکتا انگلیوں سے زیادہ اوپر کے مقامات زخمی ہو گئے ہوں گے۔ اور اگر سر پر رکھے ہوئے تھے تب بھی دوڑنے میں وہ گٹھری ٹھہر نہیں سکتی تھی۔ اگر وہ گٹھری آنحضرتؐ کو دے دی گئی تو حضرتؐ نے یا اپنے سر پر رکھی ہوگی یا کاندھے پر۔ مگر دونوں صورتوں میں اس کو گر جانا چاہیئے تھا کیونکہ حضرت خود تو اپنے ہاتھوں سے حضرت ابوبکر کو پکڑے ہوں گے کسی طرح ہاتھ سے اس کو روک نہیں سکتے تھے۔ اور جب ممدوح نے غار میں پہونچکر سوراخوں کو دیکھا تو انھیں درہموں کی گٹھری سے ان سب کو بند کیوں نہیں کر دیا۔ ایک غار میں دس بارہ سوراخ سے زیادہ تو نہیں ہوں گے ان پر اگر وہ پانچ چھ ہزار درہم کی گٹھری پھیلا کر رکھ دی جاتی تو آسانی سے سب سوراخ بند ہو جاتے اور آپ کا پاؤں سانپوں کی اذیت سے بچ جاتا۔ اور درہم بھی ضائع نہیں ہوتے۔ جب دن کو غار سے باہر نکل کر مدینہ

کی طرف روانہ ہوتے سب کو جمع کر لیتے - اور بعض کتابوں میں ہے:۔

ہر سوراخے کہ یافت وصلہ از جامہ خود کہ بردقیمتی بود پارہ می ساخت و سوراخ ہاں مضبوط می کرد۔ یک سوراخ ماند کہ جامہ بآن وفا نکرد پاشنہ پائے خود باں محکم گردانید (مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۵۷)

غار میں جو جو سوراخ ملا سب کو حضرت ابو بکر نے اپنی چادر پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں سے بند کر دیا - ایک سوراخ بچ گیا تھا اس کے لئے کپڑا نہیں رہا تو ممدوح نے اپنی ایڑی اسمیں ڈال کر اس کو بھی بند کر دیا۔

اس مضمون نے اور بھی عقل کو پریشان کر دیا - آنحضرت صلعم کی دو جوتیاں تھیں اور حضرت ابو بکر کی بھی دو جوتیاں تھیں ان چار سے بہت سوراخ بند ہو جا سکتے تھے ان سب کو چھوڑ کر ممدوح نے اپنی قیمتی چادر کیوں چاک کر ڈالی - خیر اگر یہ کیا تھا تو جو سوراخ بچ گیا تھا اسی کو کسی جوتی سے بند کر دیتے - ایڑی کیوں ڈال دی - غرض اس موقع کی جس قدر روایتیں ہیں سب کی سب عجائب و غرائب کا ذخیرہ ہیں جن کے سمجھنے سے انسانی عقلیں عاجز رہیں گی - اور بروایت انس حضرت ابو بکر چالیس ہزار اشرفیوں کا بوجھ ساتھ لیگئے تھے (سیرۃ حلبیہ ج ۲ صہ ۴۰)

بارہویں فصل

معیت غار اور اسکے فضائل

یہ بات واضح ہوگئی کہ اس سفر میں حضرت رسولخدا صلعم حضرت ابو بکر کو اپنے ساتھ نہیں لائے بلکہ آپ خود ساتھ ہو گئے - اس سے حضرت کو زحمت بھی ہوئی کیونکہ جب آنحضرت صلعم کو آپکی آہٹ معلوم ہوئی تو حضرت تیز چلے - زمین پتھریلی تھی انگوٹھا زخمی ہو گیا اس سے خون بہنے لگا - خود حضرت ممدوح فرماتے تھے:۔

نظرت الی قدمی رسول اللہ فی الغار وقد قطرتا دما فاستبکیت فعلمت انہ لم یتعود الحفاء والجفوۃ (تاریخ خمیس جلد ۱ صہ ۳۶۵)

میں نے حضرت کے دونوں قدموں کو غار میں دیکھا کہ ان سے خون بہتا تھا تو رونا چاہا اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ حضرت ننگے پاؤں چلنے اور زحمت برداشت کرنے کے عادی نہیں ہیں۔

اور گذشتہ تحقیقات سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کی مدد کرنے کے لئے آپ کی دو سو درہم کی انٹنی نو سو درہم کو خرید لی مگر اس پر سوار نہیں ہوئے بلکہ جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اونٹ بھیجے ہیں تب غار سے نکل کر حضرت اس پر روانہ ہوئے۔ تاریخ خمیس وغیرہ کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اس لئے کہ آنحضرت صلعم جناب ممدوح کی انٹنی پر سوار ہوتے تو حضرت کی انگلیاں زخمی کیوں ہوتیں۔ اور پاؤں سے خون کس سبب سے بہتا۔ غرض دونوں باتوں سے ایک ہی صحیح ہو سکتی ہے۔

کتب تاریخ و سیرۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجشنبہ کا دن گذر کر جب رات آئی جو پہلی ربیع الاول کی شب تھی تو کفار مکہ نے تو حضرت صلعم کے گھر کا محاصرہ کیا اور آنحضرت صلعم وہاں سے راتوں رات نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے جبل ثور کے غار میں جا کر چھپے۔ یہ غار مکہ معظمہ سے تین میل داہنی جانب پر واقع ہے اور پہاڑ کی چوٹی تقریباً ایک میل بلند ہے۔ سمندر یہاں سے دکھائی دیتا ہے۔ (زرقانی شرح مواہب لدنیہ) تین دن تک اسی میں رہے۔ علامہ ابن ہشام وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر کے گھر سے کھانا آتا تھا مگر اس کی حقیقت پہلے معلوم ہو چکی۔ اس کے علاوہ خود حضرت رسولخدا صلعم اس کے خلاف فرماتے تھے علامہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے:۔

قال رسول اللہ ص لبثت مع صاحبی یعنی ابا بکر فی الغار بضعۃ عشر یوما ما لنا طعام الا ثمر البریر (فتح الباری پارہ ۱۵ ص ۱۷۲)	حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے کہ میں اپنے ساتھی یعنی ابوبکر کے ہمراہ غار میں تقریباً دس روز رہا مگر ہم لوگوں کا کھانا سوا پیلو کے پھل کے اور کچھ نہیں تھا۔

ظاہر ہے کہ اگر حضرت ابوبکر کے گھر سے غار میں کھانا آتا تو حضرت یہ کیوں ارشاد فرماتے اگرچہ یہ روایت بھی درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام ہی برابر کھانا بھی بھیجتے تھے بلکہ حضرت نے رہبر اور اونٹ بھی بھیجے۔ غالباً جناب امیرؑ کی ان خدمات پر پردہ ڈالنے کے لئے دلیر راویوں نے

کبھی یہ روایت بنائی کہ حضرت ابوبکر کے گھر سے کھانا آتا تھا اور کبھی آنحضرت صلعم کی یہ حدیث وضع کی کہ فرماتے تھے مجھے پیلو کے پھل کے سوا کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ آنحضرت صلعم غار میں تو دس روز رہے بھی نہیں۔

حضرت ابوبکر کے فضائل میں معیت غار خاص طور پر شمار کی جاتی ہے۔ بلکہ اس کو اول درجہ دیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ خدا نے فرمایا ہے:-

الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلے (پارہ ۱۰۔ ع ۱۲)

اگر تم لوگ رسول کی مدد نہ بھی کرو تو اللہ اُن کا مددگار ہے اور اس نے اپنے رسول کی مدد اس وقت بھی کی تھی جب کافروں نے ان کو نکالا صرف دو آدمی اور دو میں دوسرے پیغمبر۔ اس وقت یہ دونوں غار میں تھے اور پیغمبر اپنے ساتھی سے فرماتے تھے کہ رنج نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے پیغمبر پر اپنی طرف سے تسلی اُتاری اور ان کو فرشتوں کی ایسی فوجوں سے مدد دی جن کو تم دیکھ نہ سکے اور کافروں کی بات ہیٹی کر دی۔

مگر غور کرنے سے اس آیۃ میں جناب ممدوح کی کسی فضیلت کا پتا نہیں ملتا۔ باوجودیکہ خدا نے ھما کی ضمیر سے حضرت ابوبکر کی طرف بھی اشارہ کیا مگر اس کا کوئی ذکر نہیں فرمایا کہ انھوں نے حضرتؐ کی کوئی مدد کی بلکہ حضرتؐ کی مدد کرنے کو صرف اپنی طرف منسوب کیا اور کہا نصرہ اللہ۔ اگر حضرت ابوبکر نے بھی مدد کی ہوتی تو عدل کا مقتضے یہ تھا کہ خدا اپنے ساتھ ممدوح کی مدد کو بھی ضرور ذکر کر دیتا۔ جیسا کہ ایک اور موقع پر آنحضرتؐ کی مدد خدا اور جبرئیل اور نیک مومن نے کی تو اس نے ان لوگوں کا نام ساقط نہیں کیا بلکہ اپنے ساتھ ذکر کر دیا۔ فرماتا ہے:-

وان تظاھرا علیہ فان

اے دونوں بیویو۔ اگر تم رسول کے خلاف ایکا

اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملائکۃ بعد ذلک ظہیر (پارہ ۲۸ ع ۱۹)

گئے رہو گی تو خدا جبریل اور ایماندار بندے ان کے مددگار ہیں۔ اور سب فرشتے بھی مددگار ہیں۔

غرض کسی اہم موقع پر رسولؐ کی مدد خدا کے علاوہ کسی اور نے بھی کی تو خدا نے اس کو چھوڑا نہیں بلکہ اپنے ساتھ ذکر کیا۔ اگر ہجرت یا غار میں حضرت ابوبکر نے بھی آنحضرت صلعم کی مدد کی ہوتی تو خدا صرف یہ نہیں کہتا فقد نصرہ اللہ بلکہ اس طرح ارشاد فرماتا فقد نصرہ اللہ والذی کان معہ یا یوں فرماتا فقد نصرہ اللہ و صاحبہ یا یہ کہتا فقد نصرہ اللہ و ثانیھا غرض متعدد عبارتوں سے خدا جناب ممدوح کی مدد کی تصریح یا اس کی طرف اشارہ کر سکتا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکر نے بھی مدد کی مگر خدا نے ذکر نہیں کیا تو سوال ہوگا کہ پھر اپنی مدد کا ذکر کیوں کیا۔ خدا تو حضرت رسولخدا صلعم کی شروع سے کرتا ہی رہا تھا۔ اس وقت تو اس کی مدد کا ذکر کرنا ضروری تھا جس نے اس (ہجرت کے) موقع پر خدا کے سوا حضرت صلعم کی مدد کی تھی۔ جس طرح جناب امیرؑ کے بستر رسول پر سونے کی مدد کا ذکر خدا نے آیہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ میں واضح طور پر کر دیا۔

حضرت رسولخدا صلعم کی مدد تو بہت بڑی چیز ہے اور ہونی ہی چاہیے۔ جو لوگ حضرت سے بہت کم درجہ کے تھے ان کی مدد جن لوگوں نے کی خدا نے ان کا احسان بھی مانا اور بڑی عظمت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ جن مسلمانوں نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی ان کا درجہ حضرت رسولخدا صلعم کے مقابلہ میں وہی ہو سکتا ہے جو ستاروں کا ماہتاب کے مقابلہ میں ہے۔ مگر مدینہ کے جن مسلمانوں (انصار) نے مکہ کے مسلمانوں (مہاجرین) کی مدد کی خدا نے ان کی خدمات کا بھی شاندار الفاظ میں اعتراف کیا۔ فرمایا

ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے رستے میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجرین کو جگہ دی

آودا ونصروا اولئک بعضہم اولیاء بعض (پ۱۰ ع۶)

اور ان کی مدد کی۔ یہی لوگ ایک کے وارث ایک ہیں۔

جب خدا مہاجرین تک کی مدد کرنے والوں کا ذکر کر رہا ہے تو حضرت ابوبکر کی مدد کا ذکر کیوں نہیں کرتا؟ رہا ممدوح کا آنحضرت صلعم کے ساتھ چلے جانا تو ایک کافر عبداللہ بن اریقط راز دار رہبر بھی آنحضرت صلعم کے ساتھ چلا گیا تھا جس کی اس کو اجرت دے دی گئی جو حضرت ابوبکر کے اونٹ والے نفع سے بہت کم تھی۔ پس جب اجرت لینے کی وجہ سے عبداللہ کی خدمت آنحضرت صلعم کی نصرت نہیں کہی جاسکتی تو بذریعہ تجارت سات سو درہم نفع لینے کے سبب سے حضرت ابوبکر کی معیت آنحضرتؐ کی اعانت کیوں مان لی جائیگی؟ ایک معمولی قیدی نے جو کافر تھا حضرت یوسف کی جو پیغمبر زادے تھے مدد کی کہ ان کا ذکر بادشاہ کے ہاں کر دیا تو اسکی اتنی مدد کا ذکر بھی خدا نے نہیں چھوڑا اور قران مجید کے ذریعہ سے اس کو پھیلا کر رہا (پ۱۲ سورہ یوسف) رہا یہ خیال کہ خدا نے ممدوح کو آنحضرت صلعم کا صاحب فرمایا ہے تو قران مجید میں صاحب کی لفظ ہر اس شخص کے لئے بولی گئی ہے جو دوسرے کے ساتھ ہو۔ دونوں مومن ہوں یا دونوں کافر۔ یا ایک مومن ہو دوسرا کافر۔ جیسے یہ آیۃ

فنادوا صاحبہم فتعاطے فعقر فکیف کان عذابی ونذر (پ۲۷۔ ع۹)

تو انھوں نے اپنے صاحب قدار کو پکارا تو اس نے انٹنی پر ہاتھ ڈالا اور اسکی کونچیں کاٹ دیں دیکھو انپر ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔

یا یہ آیۃ

فقال لصاحبہ وھو یحاورہ انا اکثر منک مالا واعز نفرا (پارہ ۱۵ ع ۱۷)

تو اس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا جب وہ باتیں کر رہا تھا کہ میں مال اور جتھے میں تجھ سے بہت بڑھا ہوا ہوں۔

پھر فرماتا ہے:۔

قال لہ صاحبہ وھو یحاورہ (پ۱۵۔ ع۱۷)

اس سے اس کے ساتھی نے جو اس سے باتیں کرتا تھا کہا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان آیات میں کسی شخص کو کسی پیغمبر کا صاحب نہیں کہا گیا اور ممدوح کو خدا نے آنحضرت صلعم کا صاحب فرمایا ہے تو اس کی مثال بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے تھے:۔ یا صاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ (پ ۱۲ - ع ۱۵) یعنی اے میرے قیدخانہ کے ساتھیو کیا بہت سے رب اچھے ہیں یا صرف ایک اللہ ہی بہتر ہے اس آیۃ میں حضرت یوسف جن دو شخصوں کو اپنا صاحب فرماتے ہیں وہ دونوں کافر ہی تھے ایک اور جگہ خدا فرماتا ہے مابصاحبکم من جنۃ (پ ۲۲ ع ۱۲) یعنی اے کافرو تمہارے صاحب (رسولؐ) کو جنون (وغیرہ) نہیں ہے۔ رہا حضرت کا یہ ارشاد ان اللہ معنا یعنی یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے تو خدا نے اپنے کو ہر شخص کے ساتھ رہنے کا ذکر خود فرما دیا ہے۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے وھو معکم اینما کنتم یعنی تم لوگ کہیں بھی رہو خدا تمہارے ساتھ ہے (پ ۲۷ - ع ۱۷) اس سبب سے بھی ممدوح کی کوئی مدح نہیں ہوئی رہا آیۃ کا آخری جملہ فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا یعنی اس کے بعد اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل کی اور انکی مدد ایسی فوجوں سے کی جن کو تم نے دیکھا نہیں۔ تو اس کا تعلق صرف حضرت رسولخدا صلعم سے ہے کہ حضرتؐ ہی پر خدا نے اپنی تسکین نازل کی اور فوجوں سے حضرتؐ ہی کی تائید کی سکینتہ میں ہ کی ضمیر واحد ہے جو صرف حضرت رسولخدا صلعم کے لئے ذکر کی گئی ہے۔ مفسرین نے صاف صاف لکھ دیا ہے ھو للنبی و یکون المراد بالسکینۃ النازلۃ علیہ عصمتہ عن حصول سبب من اسباب الخوف لہ و یؤید کون الضمیر فی علیہ للنبیؐ الضمیر فی وایدہ بجنود لم تروھا فانہ للنبیؐ لانہ المؤید بھذہ الجنود۔ یعنی سکینۃ میں ہ کی ضمیر رسولؐ کے لئے ہے اور مراد اس سکینہ سے حضرتؐ کا اسباب خوف سے محفوظ رہنا ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسکے بعد ہی خدا نے وایدہ بجنود فرمایا ہے جو رسولخدا صلعم ہی کے متعلق ہے کیونکہ حضرتؐ ہی کی تائید ان لشکروں سے کی گئی جو وہ فرشتے تھے کہ غار میں حضرتؐ کی حفاظت کرتے اور کافروں کی نظروں کو حضرتؐ سے پھیرتے تھے (تفسیر فتح البیان ج ۴ ص ۱۲۰ و معالم التنزیل و مدارک وغیرہ)۔ غور کرنے سے اس آیۃ میں ممدوح کی کوئی فضیلت نظر نہیں آتی مثلاً (الف) خدا اپنی نصرت کا ذکر فرماتا ہے مگر اسکے لئے آنحضرتؐ کو مخصوص کیا۔ فرماتا ہے کافرو! اگر تم نے میرے رسولؐ کی مدد نہیں کی تو کچھ پروا نہیں۔ ان کی مدد اللہ نے کی (ب) حضرت کی ہجرت کو بیان فرماتا ہے

کہ انکو کافروں نے نکال دیا اور باوجودیکہ حضرت ابوبکر بھی آ گئے تھے مگر خدا نے واحد کی ضمیر ذکر کر کے
بتایا کہ آنحضرت صلعم کو تو کافروں نے نکالا مگر حضرت ابوبکر کو کافروں نے نہیں نکالا یا یہ مطلب ہو کہ خدا
کے خیال میں صرف رسولؐ ہی نے ہجرت کی۔ اگر حضرت ابوبکر کا جانا بھی ہجرۃ ہوتا تو اخرجہ
(اس ایک کو لوگوں نے نکالا) نہیں بلکہ اخرجھما (ان دونوں کو لوگوں نے نکالا) فرماتا (ج) ثانی اثنین
(وہ رسول دو میں کا دوسرا تھا) سے بھی حضرت ابوبکر کی ہجرۃ کو نظر انداز کر دیا کہ اخراج (ہجرۃ) کی تخصیص
ثانی سے کی گئی۔ یعنی ان دو جانے والوں سے ہجرۃ محض دوسرے شخص (رسولؐ) کی تھی۔ دونوں کو
یہ شرف نہیں ملا۔ ثانی سے مراد حضرت رسولخداؐ ہیں ثانی اثنین یعنی دو شخصوں کے دوسرے (رسول)
نے ہجرت کی (د) اذھما فی الغار۔ اسمیں صرف یہ ہے کہ غار میں حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابوبکر
تھے مگر یہ کوئی فضیلت نہیں جس طرح مکہ معظمہ بلکہ مدینہ منورہ میں حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ کفار اور
مسلمین بھی تھے اسی طرح غار میں حضرت ابوبکر بھی تھے پس جب ایک شہر میں آنحضرتؐ کے ساتھ
رہنے کی وجہ سے وہاں کے کفار مسلمین اور منافقین کی کوئی فضیلت نہیں تو غار میں حضرتؐ
کے ساتھ رہنے کی وجہ سے حضرت ابوبکر کی بھی کوئی فضیلت نہیں ہو سکتی (ہ) اذ یقول لصاحبہ۔
صاحب ہر شخص کے لئے ہے خواہ مسلم ہو یا کافر۔ اذ بدل ہے اذ اخرجہ کا۔
(تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۶۴۳) مطلب یہ کہ خدا نے اپنے رسولؐ کی مدد اس وقت کی جب
آپ کو کافروں نے نکالا۔ اور خدا نے اپنے رسولؐ کی مدد اس وقت کی جب وہ اپنے ساتھی
سے کہتے تھے کہ رنج نہ کرو۔ اس سے حضرت ابوبکر کی مذمت نکلتی ہے اس لئے کہ خدا نے
اس آیۃ میں اپنے رسولؐ کی مصیبتوں کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ ان وقتوں میں اس نے
آپکی مدد کی۔ ان مصیبتوں میں حضرت ابوبکر کا حزن بھی تھا کہ جس طرح کافروں کا حضرتؐ
کو نکالنا حضرتؐ کے لئے مصیبت کا باعث تھا اسی طرح حضرت ابوبکر کا حزن کرنا
حضرتؐ کے لئے آفت کا سبب تھا۔ اور جس طرح خدا نے پہلی مصیبت (کافروں
کے نکالنے) پر آنحضرتؐ کی مدد کی اسی طرح دوسری مصیبت (حضرت ابوبکر کے
حزن) پر بھی آنحضرتؐ کی مدد کی۔ اذھما فی الغار کو بھی مفسرین نے اذ اخرجہ
کا بدل لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ غار میں حضرت ابوبکر کا ہونا بھی آنحضرتؐ
کے لئے مصیبت کا سامنا تھا۔ اس وجہ سے خدا نے اس موقع پر بھی اپنے رسولؐ کی مدد کی۔

تمام الجزء الاول فالحمد للہ علی احسانہ

سوانح عمری خلیفہ اول پر ارکان ملت اور علمائے کرام کی قابل قدر رائیں

الحمد للہ کہ سوانح عمری خلیفہ اول محض اسی کے فضل و کرم سے اس درجہ پسند کیگئی کہ بکثرت اعیان ملت و علمائے اعلام نے اس کی مدح نہایت زوردار الفاظ میں تحریر فرمائی جس پر خدائے تبارک و تعالےٰ کے کرم و احسان کا شکریہ کسی طرح نہیں ادا ہو سکتا۔ صرف چند رائیں یہاں نقل کیجاتی ہیں (۱) جناب سید نثار عباس صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ پنشنر شمس آباد "قبلہ دین و ایمان جناب مولانا صاحب دام برکاتہ۔ انڈکس سوانح صدیق اعظم حرف بحرف مطالعہ کیا گیا۔ نہایت طبیعت خوش ہوئی، دعا ہے کہ بفضل خداوند کریم انجام بخیر ہو ..... ایک تہلکہ بپا ہو جائیگا مجھے ذات بابرکات سے امید کامل ہے کہ یہ کتاب سخت الفاظ اور دل آزار کلمات سے پاک رہیگی تاکہ فریق مخالف بھی شوق سے دیکھیں اور مطالعہ فرمائیں اور فیضیاب ہوں" (۲) جناب شیخ رضا علی صاحب محمد پور ضلع غازیپور "جناب مولانا ..... کے حالات زندگی تا آخر دیکھے۔ اول تو حضور نے تمہید بعد کو پانچ حصوں کی تقسیم ایسی کی کہ سبحان اللہ۔ خداوند عالم آپکے ارادوں میں برکت دے اور تادیر آپکی ذات بابرکات کو بھی قائم رکھے اور دنیاوی افکار سے محفوظ رکھے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ بخدا میرے خیال میں کوئی لفظ ایسا نہیں ملتا جس سے اس تمہید اور حصوں کی تقسیم کی مدح ہو سکے بجز اسکے کہ بتوسط ائمہ معصومین علیہم السلام پروردگار سے دست بدعا ہوں کہ حضور کے ارادوں میں برکت دیدے اور تادیر آپکا سایہ عاطفت مومنین کے سروں پر قائم رکھے" (۳) جناب منشی غلام علی خلف صاحب اوورسیر پنشنر آنڈلو پنجاب "ماشاء اللہ رسالہ الاصلاح کا رنگ بدل گیا۔ ادبیت۔ تحقیقات علمیہ۔ تہذیب۔ سلاست۔ دلکشی۔ تحریر بےنظیر ماشاء اللہ آپکی سعی دینی کا کیا کہنا ؎ حیات دین نہ بجنگ است و آبیاری تیغ۔ کہ عالمسان بقلم کار سیف می کنند۔ خداوند عالم اہل دول کو توفیق دے کہ اس قومی رسالے کی امداد کریں۔ عمدہ بات یہ ہے کہ آپکی تحریر نہایت متین۔ نہایت مہذب ہے۔ نفس سرکش کو رام کر لیا ہے۔ آخر پوتے میں دادا کا اثر کیوں نہ ہو؟" (۴) جناب منشی سید حشمت علی صاحب دیوبند "جناب مستطاب حضرت مولانا و بالفضل اولانا دام اقبالہ و مد فیوضہ۔ رسالہ الاصلاح پہونچا۔ حضرت خلیفہ اول صاحب کا اہل قریش سے نہ ہونا تو بخوبی معلوم ہو گیا امید ہے کہ آیندہ حالات حضرت ممدوح سے جیسا کہ فہرست مضامین سوانح عمری سے ظاہر ہوتا ہے حضرات مومنین کو معلوم ہو کر ایک بہت بڑا مقصد تبلیغ اور اظہار حقیت مذہب شیعہ کا حاصل ہو گا۔ خداوند عالم جل شانہ آپ کو تا ابد الدہر سلامت باکرامت رکھے اور آپ کے جمیع اعزہ کو بھی خوش و خرم رکھے" (۵) جناب سید نذر حسین صاحب زیارت ضلع اٹک "الحمد للہ تاریخ حضرت ابوبکر نے باہم ذہنوں میں وہ رنگ لائی ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ خداوند عالم نے کن شرافتوں سے شجرہ قریش و بنی ہاشم کو مخصوص کیا۔ اس مضمون سے کئی باب کھلے۔ قلم و زبان کو طاقت نہیں اور نہ ہی وہ الفاظ پاتا ہوں کہ مدح کر سکوں

خداوند عالم اس مقدس ارادہ کو پورا کرے اور اس کے پورا کرنے کے سامان کو ہم لوگوں کے زخمی دلوں کے لئے مرہم بنائے۔ جو مسرت ہوئی کیا عرض کروں" (۶) جناب محمد یوسف خاں صاحب ڈی لہوزی" میں اہلسنت والجماعۃ ہوں۔ میں نے صرف سوانح عمری خلیفہ اول پڑھنے کے لئے اصلاح اپنے نام جاری کرایا ہے آپ مہربانی کرکے ہر ماہ مجھے پرچہ روانہ کر دیا کریں" (۷) جناب منشی غلام حسین خاں صاحب پنشنر آنڈلو پنجاب" سوانح عمری خلفاء ثلثہ کا عجیب سلسلہ ہے اور عجیب تحریر ہے کسی پر گراں نہیں گزرتی۔ تہذیب کی حد ہے اور مرنجاں مرنج طریق و طرز خوب ہے۔ اللہ تعالے آپکو اور آپکے خاندان کو سلامت رکھے ... جو کام اصلاح کر رہا ہے شاید ہی کسی نے ایسا کیا ہو" (۸) جناب سید صغیر حسن صاحب فیروز پور" سبحان اللہ جناب قبلہ سوانح عمری خلیفہ اول نہایت دلچسپ تیار فرما رہے ہیں۔ خداوند کریم بحق ائمہ معصومینؑ اسکی تکمیل کرائے" (۹) جناب سید محمد رضی صاحب رائے گڈھ ضلع بلاسپور سی۔ پی" کیا عرض کروں کہ کیا ہی روح کو فرحت ہوتی ہے جب کہ مضامین زندگی جناب اول پر نظر پڑتی ہے۔ سادگی اور عام فہم مضامین بغیر کسی کی دل آزاری کے جناب ہی کا حصہ ہے" (۱۰) جناب سید ماجد حسین صاحب بھگوتی گنج ضلع گونڈا" آپکی قومی خدمات قابل افتخار ہیں واقعی سوانح عمری کے ساتھ رسالۂ اصلاح قابل قدر اور نایاب رسالہ ہو گیا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ آپ فخر قوم ہیں، خداوند عالم جناب کو اس کا صلہ عطا فرمائے اور مومنین کے سر پر ہمیشہ سایہ جناب کا قائم رکھے" (۱۱) جناب سید اقبال حسین صاحب کاندھلا ضلع مظفر نگر" سوانح عمری خلیفہ اول صاحب نہایت شاندار پیمانہ پر ہے اور واقعی ایک عجیب و غریب چیز ہے خدا ہم لوگوں پر اپنا فضل شامل رکھے اور اس کے ساتھ ہی اس ذات کو جسکی وجہ سے ایسا بے بہا ذخیرہ ہم تک پہونچ رہا ہے" (۱۲) جناب سید غلام حسن شاہ صاحب جعفری قلعہ شیخوپورا پنجاب" مومنین رسالا اصلاح کے بے حد شکر گزار اور ممنون احسان ہیں جس نے مذہب حقہ کی تائید میں سوانح حیات جناب خلیفہ اول شروع کر کے حضرات شیعہ کی واقفیت کا میدان اور زیادہ وسیع کر دیا ہے۔ حالات ماشاء اللہ العزیز حد درجہ ضروری اور مفید و دلچسپ ہیں جن کے پڑھنے سے مومنین کا اشتیاق روز افزوں ترقی پر ہے۔ ہر ایک مومن کی طبیعت پڑھکر پھڑک جاتی ہے اور دعا گو ہیں کہ منتظمان رسالہ ہذا کو خدا اور توفیق عطا فرمائے جنہوں نے مومنین کی حوصلہ افزائی کے واسطے بے حد تکالیف کا سامنا کرتے ہوئے کمر ہمت باندھ رکھی ہے" (۱۳) "جناب سید محمد جعفر صاحب ہرہرپور ضلع بہرائچ" دامت برکاتکم سوانح حضرت صدیق اکبر کے مختصر اوراق جو اصلاح میں شایع ہوتے ہیں وہ بہت ناکافی ہیں۔ یہ سوانح عمری ناتمام ہی اور عمر تمام ہو گئی تو یہ حسرت قبر میں ساتھ جائیگی۔ ابھی تو سب سے زیادہ جناب فاروق اعظم صاحب کے سوانح عمری کا شوق اس پر مستزاد ہے" (۱۴) جناب سید احمد حسین صاحب محمدی ضلع کھیری" اس تحقیق جدید کو جامہ تحریر سے ملبوس کرنے کا ارادہ ہم ایسے کم علموں کے واسطے باعث فخر ہے کہ ایسے حالات جن سے ہمارے کان ناآشنا ہیں۔

آپ انکو کتابی حالت میں جمع کر رہے ہیں جن کے دیکھنے کی آرزو باعث مسرت ہے۔ واقعی یہ کام اہم بڑا اہم ہے آفرین آپ کی ہمت پر کہ آپ اسکے اہتمام پر کمربست کئے ہوئے ہیں جی تو یہی چاہتا ہے کہ یہ جملہ سوانح عمریاں جلد از جلد طبع ہو کر عوام کو راہ ہدایت پر لانے کا سبب ہوں" (۱۵) جناب کریم بخش صاحب حیدری چھپنا ضلع میانوالی پنجاب "فخر ملت عالی جناب حضرت مولانا گرامی قدر دامت برکاتکم سوانح عمری واللہ جیسا کہ امید تھی اس سے کہیں بڑھکر پائی۔ صاحب سوانح کی نسبی حالت پر جو محققانہ و مورخانہ روشنی ڈالی گئی ہے وہ جناب کے تبحر علمی پر دال ہے۔ ایک صاحب بصیرت کے لئے حقایق و معارف کے تمام حجاب اُٹھ جاتے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صرف ابتدائی تحقیق ہی صاحب سوانح کی شاندار یا غیر شاندار لائف کا پورا فوٹو کھینچ دیتی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ مکمل کتاب کا خاکہ اختتام سے پہلے ذہن میں آجاتا ہے اور یہ کمال تحریر ہے جو ازل سے ہی بعض مصنفین اور مورخین کو قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے۔ یہ شان کریمی ہے کہ یہ جوہر آں محترم میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ طرز تحریر اور انداز بیان بھی ایسا لطیف اور پاکیزہ ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور سیری نہیں ہوتی۔ سب سے بڑھکر جناب کی بے تعصبی ہے کہ نہایت محتاط اور بے تعصب ہو کر لکھا ہے اور جب تک کسی مورخ میں یہ باتیں نہ ہوں اس کی تصانیف کو مقبولیت عامہ کا جامہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ مگر آں جناب کے انداز بیان میں اس درجہ بے تعصبی ہے کہ متعصب سے متعصب شخص بھی معترض نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف میری رائے ہی نہیں بلکہ بعض محقق اہلسنت مولویوں اور انصاف پسند ہندو پنڈتوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔ خدا کرے کہ یہ کام بخیر و خوبی سرانجام پائے اور جلد دوسرا سلسلہ شروع ہو جسکے لئے ہزاروں لاکھوں چشم براہ ہیں۔ جناب کا آئندہ پروگرام نہایت شاندار اور گراں قدر ہے۔ خدا کرے کہ جناب کے یہ تحقیقی شاہکار جلد از جلد منصہ شہود پر آئیں۔ خدائے برتر سے دعا ہے کہ آپ کے ارادوں میں برکت دے اور بحق ائمہ طاہرین معصومین آپ کو عمر خضر نصیب کرے کہ آں جناب زیادہ سے زیادہ مذہبی خدمتوں کو سرانجام دے سکیں اور قوم بھی آپکے جواہر پاروں سے پوری طرح مستفیض ہو۔ آں جناب کی یہ سعی بے حد مشکور ہے۔ انشاء جناب کا یہ علمی و دینی جہاد خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک یقیناً مستحسن ہوگا۔ اللھم زد فزد"

سوانح عمری کا انگریزی ترجمہ

(۱۶) جناب نواب مرزا مظفر حسین صاحب لکھنؤ "اگر آپ اجازت دیں تو حضرت ابوبکر کی سوانح عمری کا ترجمہ انگریزی میں کر کے جستہ جستہ مسلم ریویو (مدرسۃ الواعظین) میں چھپوانا شروع کردوں"۔

علمائے کرام کی قابلِ فخر رائیں

(۱) برادرِ مکرم جناب مولوی سید حفاظت حسین صاحب بھیکپوری مولوی فاضل دام افضلہ "سوانح خلیفہ اول سے جناب نے اصلاح کی وقعت کو بہت بلند فرما دیا آپ کے سایہ کو خدا برقرار رکھے جس سے دینِ مبین کی تائید ہوتی رہے" (۲) برادرِ محترم جناب مولانا سید محمد رضی صاحب زنگی پوری پروفیسر مدرسہ جوادیہ بنارس دام شرفہ "آپکی وہ مساعی جمیلہ قابلِ تحسین و تبریک ہیں جن کا ثمرہ رسالہ اصلاح کی ترقی پذیر صورت میں ہمارے سامنے آ گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ نے رسالہ کو جس شاہ راہ ترقی پر لگایا ہے وہ بہت جلد طے ہوگی انشاء اللہ" (۳) عمدۃ الواعظین جناب مولانا سید خورشید حسن صاحب قبلہ امروہوی امام الجمعہ والجماعۃ دام مجدہٗ "بلا شبہ اس وقت جو دینی خدمات جناب کر رہے ہیں لائق مدح ہیں۔ دل سے دعا نکلتی ہے۔

مداد العلماء کی ماء الشہداء مبارک ہیں وہ قلم جن کی گردش کفار و منافقین کو لرزہ براندام کرتی ہو خداوند عالم مزید توفیقات سے مؤید فرمائے۔ سوانح عمری کی قسط اول موصول ہوئی مطالعہ سے روحانی مسرت حاصل ہوئی جزاکم اللہ۔ سوانح عمری کا کام فی الواقع اہم ہے۔ میرے نزدیک ان مشہور ہستیوں کے سوانح نگار کی ذمہ داریاں دیگر سوانح نگاروں سے زائد ہیں لیکن جن توفیقات ربانی اور تائیدات یزدانی نے ۴۳ سال سے اصلاح کو نمایاں فتوحات ویکر بامعنے اصلاح بنایا اور بقول میرے حبیب محترم فاضل موئید مولانا عدیل اختر صاحب قبلہ "اصلاح نے ہم ایسے بہت سے بے سوادوں کو باسواد بنا دیا" وہی توفیقات الٰہیہ اب بھی اصلاح کے ساتھ ہیں جس سے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ سوانح عمری ویسی ہی مفید و مقبول اور کامیاب ثابت ہوگی" (۴) مناظرِ جلیل فخر الحاج جناب مولوی فیض محمد خاں صاحب لکھیال ضلع جھنگ پنجاب دام مجدہٗ "جناب علامہ السید علی حیدر صاحب قبلہ سلام علیکم۔ پرچہ محرم میں سوانح حضرت ابوبکر کی تقسیم کو پڑھا اور حصہ اول و دوم و سوم کا بارہ بارہ امور پر مشتمل ہونا پھر ہر ایک امر کا ہر پہلو سے جامع و مانع ہونا دیکھکر دربار قاضی الحاجات میں دست بدعا ہوں کہ خدا آپ کو بطفیل نفوس قدسیہ اسکی تکمیل میں کامیاب فرمائے۔ حصہ چہارم و پنجم کا ۸ قیود کو حاوی ہونا ایک ایسا وسیع میدان ہے جس میں سوائے جناب کے کوئی گامزن ہو ہی نہیں سکتا۔ جب یہ کتاب وجود فعل میں آئیگی تو تمام ہندوستان بلاتفریق مذہب آپ کا ممنون احسان نظر آئیگا۔ آپ ایسا کام کر رہے ہیں کہ اقلام الناس آپکی مدح کا احاطہ نہیں کر سکتے ہاں اللہ جل شانہ اور اس کے حافظ ادیان آپ کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے ... ہر فرد شیعہ کی توجہ انشاء خلیفہ اول کی جانب ملتفت ہوگی ... تاکہ سوانح خلیفہ اول کا بوستان بہت جلد ثمر پذیر ہو اور جو لوگ بوجہ خوش اعتقادی ممدوح کے حالات سے ناواقف ہیں ان کے اذہان عالیہ بھی منور ہو کر صراط مستقیم کو دیکھ کر وادی ضلالت سے

وادی ہدایت میں کود پڑیں - آمین - ثم آمین" (۵) جناب زبدۃ العلماء مولانا السید محمد داؤد صاحب قبلہ
زنگی پوری رئیس امور شرعیہ ریاست رام پور دام فیوضہ" دامت مفاخرکم السامیہ وزادت مآثرکم النامیہ -
السلام علیکم وقبلی الیکم - آپ نے جو ایک نہایت ضروری دینی خدمت (سوانح اسلاف کی نقشہ کشی) کا ارادہ فرمایا
ہے ارادہ ہی نہیں بلکہ بعض حصص اس کے مرتبہ قوۃ سے نکل کر فعلیت کا جلوہ دکھا رہے ہیں غیر معمولی تحسین
وتجید کا مستحق ہے - خدا آپ کے اس ارادہ میں برکت عطا فرمائے اور کامیابی کی صورت دکھائے اور اس امر
اہم کو مرتبہ تکمیل تک پہونچائے - مگر افسوس ہائے افسوس من انصاری الی اللہ کی آواز پر نحن انصار
اللہ کہنے والے اس زمانہ میں کمیاب ہیں ... لیکن مولانا! آپ اپنے اس ارادہ خیر میں استقلال سے کام
لیجئے اور ولا تیئسوا من روح اللہ کو اپنا لائحہ عمل قرار دیجئے" (۶) جناب صفوۃ الفقہاء مولانا السید
شبیر حسن صاحب قبلہ جونپوری مدرس اعلیٰ مدرسہ وثیقہ فیض آباد دام برکاتہ" وفقکم اللہ لحمایۃ الدین
سوانح عمری کا سلسلہ بہت ہی خوب ہے هكذا اسے حیات دین نہ بجنگ است و
آبیاری تیغ + کہ عالماں بقلم کار سیف می بینند - دار المصنفین کی تحریک نہایت ہی ضروری ومفید ہے
ولكل فن رجال وانت من فرسان ذلك المجال - ضرورت اسکی ہے کہ دار المصنفین
اعظم گڈھ سے کتابیں جن عناوین واسالیب سے شایع ہوتی ہیں شیعوں کی جانب سے اسی نہج پر کتابیں
لکھی جائیں اور شایع ہوں - بنی امیہ کی حمایۃ کن کن طریقوں سے کی جارہی ہے - انصار واتباع بنی ہاشم
کی غیرت وحمیت انشاء اللہ جوش میں آئیگی - آپ پریشان نہ ہوں بدء الاسلام غریبا" (۷) حضرت
صدر المحققین حجۃ الاسلام والمسلمین نعمۃ اللہ علی الایمان والمومنین آیۃ اللہ فی العالمین
مولانا آقائی ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد اعظم دام ظلہم العالی" جناب صفوۃ الافاضل الاعلام عمدۃ الاماثل
الفخام القاکم اللہ دوا دام بقائے اللیالی والایام - میں اصلاح کے مضامین سے برابر محظوظ ومسرور ہوتا رہتا ہوں
سوانح عمری خلیفہ اول ماشاء اللہ نہایت خوبی سے لکھی جارہی ہے"۔

اسی طرح بہت کثرت سے خطوط موصول ہوچکے اور برابر آتے رہتے ہیں مگر حضرت قبلہ و کعبہ دام ظلہم العالی
کے سرفراز نامہ کا خلاصہ نقل کرنے کے بعد کسی خط کی نقل کسی طرح مناسب نہیں ہوسکتی - مومنین دعا
فرمائیں کہ خداوند عالم حضرت قبلہ و کعبہ دام ظلہم العالی کا مبارک سایہ دین وایمان کے سر پر مدت دراز تک
قائم رہے اور جناب سرکار دام برکاتہم کتاب مستطاب عبقات الانوار کی کل جلدیں مکمل فرماسکیں

فہرست مضامین حضرت ابوبکرؓ حصہ اوّل



اُن کتابوں کی فہرست جن سے اس سوانح عمری کے مضامین لکھے گئے

(الف) کلام الٰہی - قرآن مجید

(ب) حدیث (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) جامع ترمذی (۴) سنن ابی داؤد (۵) موطا امام مالک (۶) مسند امام احمد بن حنبل (۷) مشکوٰۃ شریف (۸) مستدرک امام حاکم (۹) فتح الباری شرح صحیح بخاری (۱۰) عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری (۱۱) ارشاد الساری شرح صحیح بخاری (۱۲) کنز العمال (۱۳) منتخب کنز العمال (۱۴) جامع الاصول (۱۵) زاد المعاد ابن القیم

(ج) تفسیر (۱) تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی (۲) تفسیر در منثور علامہ سیوطی (۳) تفسیر طبری (۴) تفسیر بیضاوی (۵) فتح البیان (۶) تفسیر ابن کثیر (۷) تفسیر خازن (۸) تفسیر کشاف (۹) تفسیر معالم التنزیل (۱۰) تفسیر مدارک (۱۱) تفسیر نیشاپوری (۱۲) تفسیر لباب التاویل۔

(د) سیرۃ (۱) سیرۃ ابن ہشام (۲) مواہب لدنیہ (۳) شفاء قاضی عیاض (۴) سیرۃ حلبیہ (۵) خصائص کبرے سیوطی (۶) خصائص نسائی (۷) مدارج النبوۃ (۸) سیرۃ النبی مولوی شبلی۔

(ہ) مناقب - (۱) صواعق محرقہ (۲) نور الابصار (۳) جامع المناقب (۴) ینابیع المودۃ (۵) الفاروق (۶) امہات الامہ (۷) ارجح المطالب (۸) ازالۃ الخفاء (۹) قرۃ العینین (۱۰) ابوبکر الصدیق

(و) تاریخ - (۱) تاریخ طبری (۲) تاریخ کامل (۳) تاریخ ابن خلدون (۴) تاریخ ابوالفدا (۵) تاریخ مروج الذہب مسعودی (۶) تاریخ الخلفاء سیوطی (۷) معارف ابن قتیبہ (۸) تاریخ خمیس (۹) تاریخ خطیب

(ز) طبقات صحابہ - (۱) استیعاب (۲) اصابہ (۳) اسد الغابہ (۴) ریاض نضرہ

(ح) رجال - (۱) تہذیب التہذیب (۲) میزان الاعتدال

(ط) جغرافیہ - (۱) عقد ثمین (۲) وفاء الوفاء (۳) سفرنامہ روم و شام و مصر مولوی شبلی

(ی) فقہ - فتاوے عزیزی

(ک) ادب - (۱) عقد فرید (۲) محاضرات امام راغب اصفہانی (۳) حیوۃ الحیوان علامہ دمیری (۴) شرح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی

(ل) علم انساب - سبائک الذہب

(م) کلام - ملل و نحل علامہ شہرستانی

(ن) لغت - (۱) مجمع بحار الانوار (۲) منتہے الارب (۳) انوار اللغۃ

(س) متفرقات - مسالک الحنفاء (۲) احیاء العلوم امام غزالی (۳) ابجد العلوم وغیرہ

